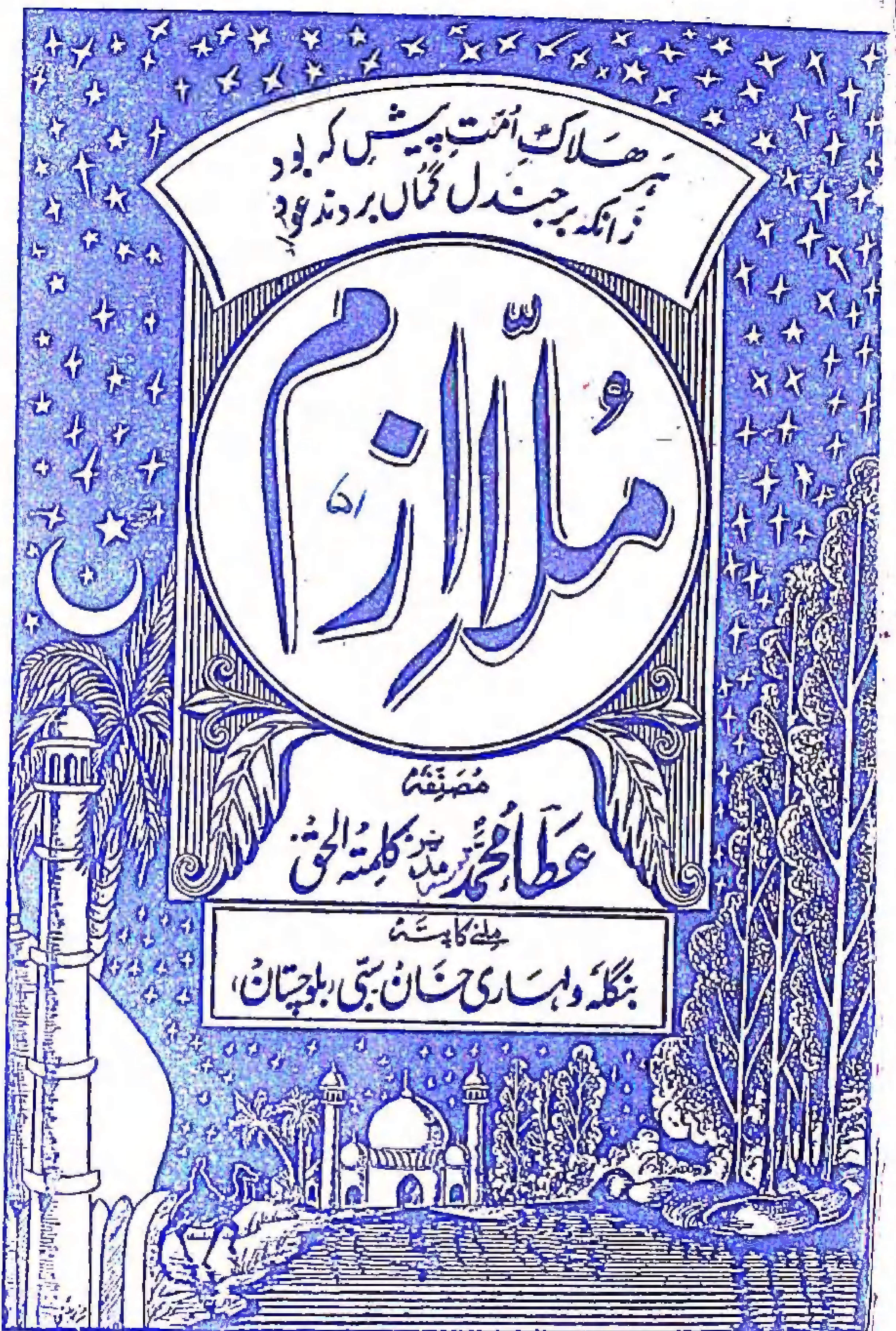

ہلاکِ امتِ پیشیں کہ بود
زانکہ بر جندل گماں بردند عود
مُلّا ازم
مصنفہ
عطا محمد ترمذی کلمۃ الحق
ملنے کا پتہ
بنگلہ وہاری خان بستی (بلوچستان)

فہرست مضامین

ج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(ع) پھر دل طواف کوئے ملامت کو جائے ہے

مُلّا ازم

نوٹ

علما سو۔ مُلّا اور مُلّا ازم میں سے جو لفظ کتاب میں آئے گا سب کا مفہوم ایک ہی سمجھا جائے

مصنف
عطا محمد
(بلوچستانی)

دیباچہ

بازشو قم ورخروش آوردہ است
بازہوئے بہوستان مے زنم
درخرابا تم ندید ستی خراب
بادہ پنداری کہ پنہاں مے خورم
مے ستیزم از قضا با دیر باز
خویش را بر تیغ عُریاں مے زنم
لعب باشمشیر وخنجر مے کنم
بوسہ بر ساطور و پیکان مے زنم
درجنوں بیکار نتواں زیستن!
آتشم تیزاست و داماں مے زنم

فامابعدانیکہ

یہ کتاب (زیرتصنیف) چوں کہ امام غزالی کے فیوض اور برکات علمی سے مستفیض ہو کر لکھی جارہی ہے۔ لہذا میں تبرکاً اور عقیدۃً اپنی اس ناچیز کتاب کے دیباچہ کو بھی حضرت امام موصوفؒ کے دیباچہ کتاب احیاالعلوم

کی عبارت ذیل سے شروع کرتا ہوں۔ شاید میری اس حقیر اور ناچیز آواز میں بھی آپ ہی کے طفیل سے کچھ اثر کچھ دلبستگی اور کچھ پسندیدگی پیدا ہو۔ (مثنوی)

بالب دمساز خود گر جفتمے

ہمچو نے من گفتنیہا گفتمے

امام صاحبؒ نے اپنی مشہور عالم تصنیف احیا العلوم الدین کے دیباچہ کو اس عبارت متبرکہ کے ساتھ شروع کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے اس امر میں بہتری چاہتا ہوں۔ جس کے لئے میرا ارادہ علوم دین کے زندہ کرنے کے لئے ایک کتاب لکھنے کا ہوا ہے۔ اے ملامت گروں میں ملامت کرنے والے۔ اور اے غافل منکروں کے زمرے میں زیادہ سرزنش اور انکار کرنے والے۔ تیرا عجب (یعنی غرور اور اترانا) دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ (اس میں امام صاحبؒ کا سارا روئے سخن علماء سو کی طرف ہے) اس لئے کہ اب اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے سکوت کی گرہ اٹھادی ہے۔ اور گفتگو و کلام کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا ہے۔ (اب) مجھ کو لامحالہ وہ بات کہنی پڑے گی تو جس پر اصرار کرتا ہے۔ یعنی حق صریح سے آنکھیں بند کر کے باطل کی نصرت اور جہل کی تاریکی میں اصرار کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خلق کی رسموں سے تھوڑا سا نکلنا چاہتا ہے۔ یا رسم رسوم کی پابندیوں کو چھوڑ کر علم کے بموجب عمل کرنے پر راغب ہو جاتا ہے۔ اس توقع کے ساتھ کہ شاید اس طرح سے اس کے نفس کی صفائی اور اصلاح ہو۔ اور اس کے قلب کا تزکیہ ہو سکے۔ کیونکہ تزکیہ قلب کو اللہ تعالیٰ نے عبادت کہا ہے۔ (وہ درجہ حاصل ہو جائے) اور اپنی ساری عمر کے یوں ضائع چلے جانے کی تلافی اور بعض گناہوں کا تدارک ہو سکے۔ اگر ان لوگوں کے گروہ سے منحرف ہو جائے

جن کے حق میں کہ صاحب شریعت جناب فخر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (حدیث) اشد الناس عذابا یوم القیامت عالم لم ینفعہ اللہ بعلمہ یعنی قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اس عالم کو ہوگا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ دیا ہو۔ (یہ سارا خطاب ہے علماء سوء سے) امام صاحبؒ "ایسے علماء سوء سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں:" تم ایسے لوگوں پر شور کرتے ہو۔ فتنہ اور فساد برپا کرتے ہو۔ (آگے چل کر امام صاحبؒ فرماتے ہیں) مجھ کو یہ یقین ہے کہ اس قسم کے انکار پر یہ تیرے ضد ہٹ دھرمی اور اصرار کا باعث سوائے اس مرض کے نہیں ہو سکتا۔ جو آج کل اکثر لوگوں میں پھیل کر بالکل عالم گیر ہو چکا ہے۔ (آگے چل کر امام صاحب فرماتے ہیں) چونکہ راہ آخرت کا چلنا بوجہ بہت سی مہلک چیزوں کے (ور سد راہ بننے کے بغیر کسی راہ نما اور کسی رفیق راہ کے نہایت ہی سخت اور دشوار ہے۔ کیونکہ اس راستے کے راہ نما وہ عالم ہیں۔ جو انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں۔ اب دنیا ان سے خالی ہو رہی ہے۔ بجز رسمی لوگوں کے اور کوئی نہیں رہا۔ اور اکثر پر ان میں سے شیطان غالب ہے۔ اور سرکشی نے ان کو گمراہ کر رکھا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے سروست یعنی فی الحال یا فے الوقت کے فائدے میں مصروف ہے۔ اس لئے یہ حال ہو رہا ہے۔ کہ اکثر اچھی باتوں کو تو برا اور بری باتوں کو اچھا سمجھا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ علم دین پرانا ہو گیا۔ اور ہدایت کے نشان روئے زمین سے مٹ گئے ہیں۔ اور ان لوگوں نے عوام کو یہ بات ذہن نشین کرا دی ہے۔ کہ علم سے مراد یا تو فتویٰ بازی ہے جس سے کہ حکام وقت (افسوس کہ اب تو وہ حکام بھی نہیں ہیں)۔ کمینے لوگوں کے فیصلہ کرنے میں مدد لیا کرتے ہیں۔ یا علم دین سے مراد بحث وجدل کا علم ہے۔ کہ فخر اور بڑائی کرنے والے (یہ علماء سو) اس علم سے اپنے مخالفین پر

غالب ہونے اور طرف ثانی کو ساکت کرنے میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں یا علم سے ان کی مراد وہ علم ہے۔ کہ کچھ چکنی اور مقفی باتیں واعظ لوگ کہہ کر عوام کو پھسلانے کا ذریعہ بنا لیویں۔ کیونکہ انھوں نے (یعنے علماء سوء نے) ماسوائے ان قسموں کے اور کوئی دوسرا دام حرام کا اور کوئی جال دنیا کے مال جمع کرنے کا نہ پایا اور طریق آخرت کا وہ راستہ جس پر سلف صالحین کے نیک بخت لوگ چلا کرتے تھے (افسوس کہ آج) اس کا علم لوگوں میں سے تہ ہو گیا۔ اور اب اس کا نام تک باقی نہیں رہا۔ حالانکہ علم کو خدا نے اپنی کتاب مجید میں فقہ، حکمت، علم، روشنی، نور، ہدایت اور راہ یابی سے تعبیر فرمایا ہے۔

چونکہ (علماء سوء کا یہ طریقہ جس کا کہ اوپر ذکر ہوا) امر دین میں ایک رخنہ عظیم اور ایک مصیبت فخیم ہے۔ لہذا اس کتاب (یعنے احیاء العلوم) کے لکھنے میں لگ جانا (میں نے) نہایت ہی ضروری تصور کیا۔ تاکہ اس سے علوم دین کے زندہ ہوں۔ اور سلف صالحین کی بند راہیں کھل جائیں۔ اور وہ علوم کہ انبیا علیہ السلام اور اکابر سلف کے نزدیک مفید ہیں۔ (مسلمانوں) کو معلوم ہو جائیں۔"

مندرجہ بالا عبارت اس احیا العلوم کے دیباچے کا ایک ٹکڑا ہے۔ کہ جس احیا العلوم کے متعلق مشہور فلسفی مورخ ہنری لوئیس نے اپنی کتاب تاریخ فلسفہ میں اس کی مندرجہ ذیل الفاظ میں تعریف کی ہے۔ ہنری لوئیس کہتا ہے۔ کہ وہ اگر دیکارٹ (یہ دیکارٹ وہ شخص ہے کہ جو یورپ میں اخلاق کے فلسفہ جدید کا بانی مبانی سمجھا جاتا ہے) کے زمانے میں "احیا العلوم" کا ترجمہ فرنچ زبان میں ہوا ہوتا تو ہر شخص یہی سمجھتا کہ دیکارٹ نے "احیا العلوم کو چرا لیا ہے۔" میں "ہنری لوئیس" کی اس صاف بیانی کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن یہ دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔ کہ ہنری لوئیس کو یہ خیال کیوں پیدا ہوا۔ کہ امام غزالیؒ کی احیا العلوم کا چونکہ فرنچ زبان میں اس وقت

تک ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ضرور یہ خیال کرتے۔ کہ ڈیکارٹ نے احیاالعلوم کو چرا لیا ہے۔ حالانکہ امام صاحبؒ کی تصنیفات مثلاً مقاصد الفلاسفہ کا اس سے بہت عرصہ پہلے یعنی بارھویں صدی عیسوی میں لاطینی زبان میں ڈومینک گوندی سالیوس نے ترجمہ کیا تھا۔ اسی طرح منقذ من الضلال اور تہافتہ الفلاسفہ وغیرہ تصنیفات امام غزالیؒ کے نسخے آج تک بھی اسپین اور فرانس کے شاہی کتب خانوں میں محفوظ پڑے ہوئے ہیں۔ اور ایک اصل احیاالعلوم کا عمدہ نسخہ بھی برلن کے کتب خانے میں موجود تھا (تفصیل کے لئے الغزالی کو مطالعہ کریں) حالانکہ خود ہنری لوئیس کی تحقیقات سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ ڈیکارٹ کا فلسفہ اخلاق ہو بہو احیاالعلوم کی سرقت معلوم ہوتا ہے۔ تو کیوں نہ یہ سمجھا جائے کہ ڈیکارٹ کو یقیناً احیاالعلوم کا کوئی نہ کوئی ترجمہ یا اصل احیاالعلوم اسپین کے کتب خانے سے یا اور کہیں سے دستیاب ہوئی ہوگی ورنہ یہ کس طرح ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک اس قدر ضخیم کتاب اور اس کے ایسے ایسے پیچیدہ اخلاقی فلسفے کے متعلق یہ گمان ہوسکے۔ کہ ڈیکارٹ نے احیاالعلوم کو سرقت کیا ہے جب تک کہ اصل احیاالعلوم میں اور ڈیکارٹ کی تصنیف میں توارد کی حد تک۔ تطابق۔ تناسب اور مماثلت نہ پائی جاتی ہو۔ ڈرتا بھی ہوں کہ کہیں قارئین کتاب اس خلاف معمول تفصیلی مباحث سے گھبرا نہ اٹھیں۔ اور اعتراض کریں۔ کہ یورپ میں احیاالعلوم کی طرف اس قدر اعتنا اور توجہ کو اس قدر تفصیل سے ذکر کرنے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی۔ دراصل مجھے اس سے (کتاب پڑھنے والوں پر) یہ بات واضح کرنی ہے۔ اور مسلمانوں کو یہ بتانا مطلوب ہے کہ وہ دیکھیں اور غور کریں۔ کہ وہ کتاب جس کو اس طرح چوم چاٹ کر یورپ نے سر آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ اور پھر انہوں نے جس کتاب سے اس قدر استفادہ حاصل کیا۔ خود مسلمانوں نے اس متبرک کتاب کے ساتھ کیا

سلوک روا رکھا ؟ کتاب (احیا العلوم) جو کہ امام ؒ نے مسلمانوں کے افادہ کے لئے لکھی تھی۔ یورپ نے تو اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جیسا کہ اوپر تفصیل وار اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن خود مسلمان علما نے اس کے ساتھ جو نازیبا سلوک روا رکھا وہ بھی کتب تواریخ میں مفصل درج ہے۔ یہاں تک کہ اسپین کی اسلامی حکومت کے دور میں خود امام رحمتہ اللہ علیہ پر تو کفر کا فتویٰ جڑ دیا گیا۔ اور ان کی اسی کتاب مستطاب یعنی احیا العلوم کے سارے نسخے جمع کرا کر جلا دیئے گئے۔

(شعر)

ہر چہ دیدیم دریں باغ نہ دیدن بہ بود ہر گلے تازہ کہ چیدیم نہ چیدن بہ بود
ہر کجا منزل آرام تصور کردیم چوں نفس راست نمودیم رمیدن بہ بود

حضرت امام غزالی کی کتاب احیا العلوم کے دیباچے کا ایک ٹکڑا جو کہ اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ محض بطور تبرک اور بطور نمونہ کے پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ نہ صرف احیا العلوم بلکہ خود امام رحمتہ اللہ علیہ کی ساری تصنیفات اسی رنگ میں رنگی پڑی ہیں۔ آپ کی تصنیفات کو پڑھ کر یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے بالکل عریاں ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ امام رحمتہ اللہ علیہ کے دل میں اپنی ملت اسلامی کے علمی مذہبی۔ تمدنی اور اخلاقی اصلاح اور درستی کا کتنا بڑا ایک طوفان ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور آپ کے قلب مبارک کے اندر اصلاحی اور تعمیری آگ کے کتنے بڑے شعلے تھے۔ جو بھڑک رہے تھے۔ اور آپ کا سینہ بے کینہ اس حرارت اور جوش سے ایک ہنڈیا کی طرح ابل رہا تھا۔

یہ دیکھ کر کہ قدریہ کو جبریہ سے بیر ہے اور معتزلہ اشاعرہ سے دست و گریبان ہے، شیعہ، سنی، حنبلی علیحدہ علیحدہ مصروف جدال ہیں۔ اور اس وقت کے علما کا کام فرقے بندی ہی رہ گیا تھا۔ وہ صرف اپنے مذہب کی حمایت

اور معاونت کرتے رہتے تھے۔ اور اس طرح سے علماء اسلام زندگی بھر بالکل معمولی معمولی اور چھوٹے چھوٹے جزئی مباحث کے اندر الجھے پڑے رہتے تھے۔ اس وقت کے علما کی نظروں میں بس یہی تھا۔ ان کا اسلام یہی تھا۔ ان کا دین اور یہی تھی ان کی قرآنی تعلیم اور اس کا منشا!!! حضرت امام غزالی نے اپنی ساری زندگی اس قسم کے علمائے اسلام کی غلطیوں اور ان کی رسم پرستیوں کے خلاف جہاد مسلسل جاری رکھا۔ اور آپ نے ان علمائے اسلام کی زندگیوں کا کوئی ایسا پہلو باقی نہیں چھوڑا۔ کہ جس کی درستی اور اصلاح کی آپ نے کوشش نہ فرمائی ہو۔ آپ کے زمانے سے پہلے بھی اور خود آپ کے زمانے میں بھی علماء کی ساری توجہ فقط فتویٰ بازی۔ مناظروں، جھگڑوں، رسمی وعظ اور نمائشی مجلسوں کی طرف لگی رہتی تھی امام صاحبؒ نے ان کے ان رسمی مشاغل کی ایک ایک کر کے قلعی کھول دی۔ مناظرہ کو اس وقت کے علماء خالصتاً اسلامی اور دینی فریضہ تصور کئے بیٹھے تھے آپ نے اپنی تحریروں اور تقریروں سے یہ بات ثابت کر دی کہ مناظرہ کرنے سے فخر، ضد۔ فضول گوئی اور قلبی قساوت پیدا ہوتی ہے۔ آپ نے ثابت کیا کہ جدل و مناظرہ دین کا کام ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس آپ نے اعلان کیا کہ یہ ایک گناہ کا کام ہے۔ اسی طرح آپ نے ان تمام علوم کی برائیاں ظاہر کر دیں جو کہ اس وقت کے علما بطور علم دین سیکھا کرتے تھے۔ آپ نے علماء سو کے متعلق بالکل صاف اور غیر مبہم الفاظ میں کہہ دیا تھا۔ کہ یہ لوگ دو پاؤں پر چلنے والے درندے ہیں، اس لئے آپ نے مسلمانوں کی ساری خرابیوں کی ذمہ داری انہی درندوں (یعنی علما سوء) کے سر پر ڈال دی، اس بارہ میں امام صاحبؒ کے ذاتی الفاظ کا ترجمہ درج کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ رعایا اس لئے ابتر ہو گئی، کہ سلاطین کی حالت بگڑ گئی۔ اور سلاطین کی حالت اس لئے بگڑی کہ علماء کی حالت بگڑ گئی ہے

اور علماء اس لئے خراب ہوئے کہ جاہ و مال کی محبت نے ان کے دلوں کو چھالیا۔"
جب امام صاحبؒ نے علمائے سو کو اس طرح چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا
تو وہ سخت گھبرا اٹھے۔ اور بالکل بگڑ گئے۔ حتیٰ کہ سب نے مل کر امام صاحبؒ پر ایک
دم حملہ بول دیا۔ اور یورش کر دی۔ اس قسم کے حالات سے امام رحمۃ اللہ کی تصنیفات
اٹی پڑی ہیں۔ اصل تصنیفات دیکھنی ہوں تو احیاء العلوم "منقذ من الضلال" وغیرہ کی
طرف توجہ کی جائے۔ میں چونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتب خیال کا ایک
حقیر سا طالب علم ہوں۔ اور میری زندگی کا بہترین نصف حصہ یعنی تقریباً ۲۵ برس
امام رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات تحقیقات اور تدقیقات کے مطالعہ میں گزرا ہے
اور یہی وہ اسباب تھے۔ کہ مجھ جیسے ایک بے علم آدمی پر بھی آپ کے علوم اور
فلسفے کا ایک گاڑھا رنگ چڑھ گیا۔ جس طرح اس دنیا جہان کی زندگیوں میں ان برگزیدہ
اور پاکیزہ ہستیوں کی صحبتوں کا اپنے ہمنشینوں پر اثر پڑا کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح
ان کی کتابوں اور ان کے بلند پایہ لٹریچر کے مطالعہ کا بھی پڑھنے والوں پر وہی اثر ہوتا
ہے اس کو بھی امام رحمۃ اللہ علیہ کے علمی فیوض اور برکات کی تاثیر سمجھا جائے کہ آج
مجھ سا ایک ہیچ مدان جاہل اور مجھ سا ایک نااہل آدمی بھی اپنی علمی اور عملی کوتاہیوں اور
قصوروں کے باوصف اس وادیٔ پرخار میں ننگے پاؤں چلنے کی سعی کرتا ہے۔ اور
خوش قسمتی یا بدقسمتی سے قوم کے ان تین بڑوں یعنی علماء۔ پیروں اور امیروں کے
خلاف جہاد قلمی کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر چل نکلتا ہے۔ میں اس سے بے خبر نہیں ہوں
کہ یہ راستہ جس پر میں آج گامزن ہو رہا ہوں کتنا پرفتن راستہ ہے، کتنا اہم اور پُرمصائب کام ہے۔ اور کتنا بڑا ناہموار اور کٹھن مرحلہ ہے۔ میں اس سے بھی بے خبر
نہیں ہوں۔ کہ مجھ سے پہلے اس راہ پر چلنے والوں کو کس قدر ہدف ملامت ہونا پڑا
ہے۔ اُن پر کفر تکفیر کے فتوے جڑے گئے ہیں، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ وہ وادی

خاردار ہے۔ کہ جس کا ہر موڑ ہولناک اور جس کا ہر پیچ وخم اپنے اندر بے حساب فتنے اور بے شمار مصائب اور بے اندازہ مشکلات لئے ہوئے ہے (ع)
بات پریاں زبان کٹتی ہے "علما سو" کا گروہ وہ گروہ ہے کہ جس کے فتنوں سے گھبرا کر علامہ اقبالؒ کو کہنا پڑا ۔کہ ع

"کارے ملا فی سبیل اللہ فساد"

دور جانے کی ضرورت نہیں "علماء سو" کے فرقہ نے خود شاہ ولی اللہؒ جیسی متبرک ہستی پر بھی کفر کا فتویٰ لگایا۔ علما سو کا گروہ جس کے متعلق سرتاج صوفیائے کرام حضرت مجدد الف ثانیؒ کو اپنی مکتوبات میں متعدد بار لکھنا پڑا۔ یہ فتویٰ کہ دریں زماں در ترویج ملت ودین ظاہر گشتہ از شومئے علما سو است فی الحقیقت شرار مردم ولصوص دین اند ذالک حزب الشیطان الا ان حزب الشیطان ہم الخاسرون" مجھے بھی خوش قسمتی سے یا بد قسمتی سے ایسے ایک پُر خطر راہ پر چلنا پڑا ہے۔ (شعر)

در رہِ لیلےٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اول قدم آں است کہ مجنوں باشی

شعر بالا میں بزرگ شاعر نے کس قدر صحیح فرمایا ہے۔ کہ راہ لیلےٰ پر چلنے کے لئے شرطِ اوّل قدم مجنوں شدن ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے۔ تو امام غزالیؒ نے اگر اپنے وقت کے علما سُو صوفیوں واعظوں اور مفتیوں پر کڑی نکتہ چینیاں کیں، تو ان کے لئے وہ اس قدر اہم اور خطرناک کام نہیں تھا۔ جتنا کہ مجھ جیسے ایک بے علم طالب کے لئے ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالیؒ کو تو خدا نے علم اور عمل کے دو پر عنایت فرمائے تھے۔ جن کے زور اور بل بوتے پر آپ روحانی اور اخلاقی معراج کی بلندیوں پر پرواز کر رہے تھے، لیکن مجھ جیسے ایک شکستہ

پر علمی اور عملی ہر دو پہلوؤں سے نااہل قسم کے طالب علم کا اس وقت اپنے زمانے کے سب علمائے سو واعظوں۔ مفتیوں، مناظروں، مدرسوں اور ان کے علاوہ نااہل پیروں اور جاہل سرمایہ داروں سے کھلم کھلا چھیڑ چھاڑ کرنا اور ان کے حلوے مانڈے میں اس طرح زہر ملانا یقیناً اگر مجنونیت نہیں تو اور کیا ہے؟۔

لیکن مجنونیت چونکہ راہ لیلےٰ اور وصل لیلےٰ کے لئے شرط ٹھیرائی گئی ہے۔ لہذا مجھے اپنی اس مجنونیت پر نہ افسوس ہے۔ اور نہ پشیمانی (ع)

(ع) نازم بہ کفر خویش کہ بہ ایماں برابر است

علماء سو کے ایک گروہ نے جو کہ میری گذشتہ تصنیف "نفسیات عادات انسانی" کے اندر (علماء سو) کا حال پڑھ کر نعل در آتش ہو رہا تھا مجھے ڈرانے دھمکانے مرعوب کرنے اور مجھے اپنے ارادوں (یعنے تصنیف کتاب ہذا) سے باز آجانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ ان کا خیال ہو گا۔ کہ شاید اس طرح میں ان کی گیدڑ بھبکیوں میں آجاؤں گا اور ان علماء سو کی دوکانوں یعنے مدرسوں اور امامتوں کی گرم بازاری کی راہ میں ..... مخل نہ ہوں گا لیکن انھیں کیا معلوم تھا۔ کہ مجنونان راہِ لیلےٰ کی حالت کچھ دگرگوں ہوا کرتی ہے۔ ان کی حالت بالکل اس مریض کی طرح ہوتی ہے۔ کہ جس کو جتنے بھی زیادہ زخم لگتے جاتے ہیں۔ وہ اور بھی زیادہ تندرست ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم مثنوی شریف میں لکھتے ہیں (مثنوی)

منبلم بے زخم نالساید تنم ۔ عاشقم بر زخم ہا بر مے تنم — منبلی ام زخم جوئی زخم خواہ ۔ عافیت کم جو از منبل براہ

اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں۔ بلکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ میں طبعاً اور فطرتاً اس قسم کی طبیعت لے کر آیا ہوں کہ ایک خوش گوار اور ایک پرسکون ماحول کے اندر

میں ہرگز کچھ ٹھوس کام نہیں کر سکتا۔ مجھ سے کام صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے۔ جب کہ میرے خلاف طوفانی پروپیگنڈے ہوں۔ اور ہر طرف سے مخالفین اپنا سر نکال کر جھانک رہے ہوں۔ بہتان تراشے جا رہے ہوں طعن و طنز کیا جا رہا ہو۔ الغرض کہ جوں جوں فضا مخالف تر ہوتی جائے گی۔ اسی نسبت کے ساتھ میری رفتار کارکردگی کا درجہ سرگرمی، مشغولیت، مصروفیت، یکسوئی بلکہ سرفروشی کے جذبے تک تیز تر ہوتا چلا جائے گا۔ مثال کے طور پر اسی کتاب زیر تصنیف کو ہی لے لیجئے۔ اس کتاب کے مسودات کا پلندا ایک طویل عرصے سے تیار پڑا تھا۔ لیکن میں کسل اور سستی کے سبب اس کو شائع نہیں کر سکا، لیکن علماء سوئی ان گو ناگوں مفسدانہ دھمکیوں فتووں کے زہر سے بجھے ہوئے تیروں کے باوجود الحمد للہ کہ وہ کام جو برسوں سے نامکمل پڑا تھا چند ہی دنوں کے اندر اندر مکمل ہو گیا۔ اور وہ آج آپ کے ہاتھوں تک پہنچ گیا ہے۔ (شعر)

وہ خوش ہیں یوں کہ اس کو اذیت ستم سے ہے
ہم شاد ہیں کہ ان کو تعلق تو ہم سے ہے

میں یہ دیکھ کر یقیناً حیران ہوں کہ علماء سو کے خلاف کتاب لکھنے اور طبع کرنے سے ہمارے دوست علماء کرام کو کیوں اس قدر اذیت ہو رہی ہے دراصل علماء سو کے خلاف تو خود ان کو ہی ایک محاذ قائم کرنا چاہیے تھا جس طرح کہ ابتدائے اسلام میں سلف صالحین کے برگزیدہ بزرگوں کا دستور شیوہ اور سنت بھی رہی ہے۔ پھر اگر وہ قضا کار وہ اپنے اس فریضہ کی انجام دہی کو کماحقہ خود پوری طرح ادا نہیں کر سکتے تھے۔ تو انہیں کسی مجھ جیسے نااہل کے ہاتھوں پورا ہوتے ہوئے دیکھ کر اگر خوش نہیں ہوا جاتا تھا تو نہ سہی لیکن

لیکن اس پر ان کا بگڑنا، بڑبڑانا، جھاگ بہانا، گالیاں دینا اور راہ روک کر کھڑے ہوجانا یہ کہاں کا اسلام ہے؟ اور کہاں کی دینداری ہے؟ یہ کام تو دراصل خود علماء اسلام کا تھا۔ ان کو تو خود میری حوصلہ افزائی فرمانی چاہیے تھی۔ اور ان کو تو بلکہ چاہیے تھا کہ میری غلطیوں اور خامیوں کی تشہیر کرنے کی بجائے علیحدگی میں بلاکر میری غلطیوں سے مجھے آگاہ فرماتے۔ کیونکہ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو میں انھیں کے فرائض کی ایک وزنی گٹھڑی کو کہ جس کو وہ دور پھینک کر پرے ان کھڑے ہیں اپنے کمزور کاندھوں پر اٹھانے کے لیے آگے بڑھ رہا ہوں، علماء کو اس گھر میں چور راستوں سے داخل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو بقول خانہ خانۂ شما است کے مصداق ان کا اپنا کام اور فریضہ ہے۔

قدم بے باک تر نہ در حریم جان مشتاقاں!
تو صاحب خانہ آخر چرا دزدانہ می آئی؟

مجھے خود علماء کی ذات سے کوئی بیر نہیں ہے۔ بلکہ مجھے اگر بیر ہے تو ہے (الف) اس کی دھڑے بندیوں سے شیعہ سنی کے اندر خلیج افتراق وسیع کرنے سے (ب) اس کی تحریف اور تاویل سے۔
(ج) اس کے مکر و دجل اور حیلہ جوئی سے (د) اس کے رسمی جدل اور مناظروں سے (ھ) اس کی روائتی زرطلبی اور زر پرستی سے (و) نمائشی وعظ و نصیحت سے۔ فرضی رونے رلانے سے (ز) اس کی انگریز پرستی اور جاسوسیت سے۔ ورنہ ایک اچھے ملا اور مولوی سے مجھے کیوں بیر ہو سکتا ہے، جب کہ میں جانتا ہوں۔ اگر ہمارے یہی ملا یہی مولوی اور یہی حافظ قرآن نہ ہوتے تو انگریز نے اس قدر عرصہ بادشاہی

چلانے کے بعد ہماری مسجدیں اگر مسمار نہ کردی ہوتیں تو کم از کم ان کے دروازوں پر قفل تو ضرور لگ چکے ہوتے، ہمارا یہ قرآن ہماری یہ نمازیں ہمارے دوسرے اس قسم کے اسلامی رسم رسوم تو آج تک یقیناً مٹ گئے ہوتے۔ (شعر)

شرح جفائے دوست نہ بہر شکایت است
مقصود ذکر اوست وگرہا حکایت است

میرا پہلا تجربہ

میری کتاب نفسیات عادات انسانی کے لکھنے سے مجھے کم از کم اتنا تجربہ تو ہو گیا ہے۔ کہ ہمارے ترقی پسند احباب موٹی موٹی ضخیم کتابوں کو پسند نہیں فرماتے ہیں۔ اس لئے میں نے اس کتاب زیر تصنیف کو ایک جلد کے بجائے دو تین جلدوں میں شائع کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ بشرطیکہ مسلمانوں نے اس کو پسند فرمایا۔

میرا دوسرا تجربہ

میرا دوسرا تجربہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہمارے ناول پسند نوجوانوں کو طویل علمی مضامین چنداں مرغوب خاطر نہیں ہوا کرتے ہیں اسلئے میں نے کتاب زیر تصنیف میں اس چیز کا خاص خیال رکھا ہے۔ اور میں باوجود افسانہ نگاری کے کوچے سے سراسر نابلد ہونے کے بھی اس کتاب کو افسانوی رنگ میں لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بقول انیس (شعر)

خیال خاطر احباب چاہیئے ہر دم!
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

میری آرزو میری ایک دلی تمنّا ہے کہ اللہ کرے اس کتاب کے مطالعہ کے بعد ہمارے علم دوست احباب مجھ ہیچ مدان پر بجائے خفا ہونے کے اس کتاب کو کامل غور اور عمیق فکر کے ساتھ مطالعہ کریں ۔ اور ان غلطیوں اور نقائص پر جن کی طرف اس کتاب میں اشارہ کیا گیا ہے۔ بجائے اصرار اور ضد کرنے کے اپنی اپنی اصلاح اور درستی کی کوشش کریں ۔کیوں کہ علمار کی اصلاح خود مقتدیوں کی اصلاح ہے ۔ اور مقتدیوں کی اصلاح ساری ملت کی اصلاح اور تعمیر ہے ۔اگر ہمارے علمار اپنے سینوں کی گہرائیوں کے اندر اپنے مقتدیوں کی اصلاح رسوم ۔ اصلاح اخلاق ۔ اصلاح عادات ۔ ان کی تعلیم اور تعلم کا ایک جوش اور ولولہ رکھتے ہوتے تو یقیناً چند ہی دنوں کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے ساری مسلم آبادی کی کایا پلٹی جاسکتی تھی ۔کیوں کہ ہر شہر میں محلہ بہ محلہ مسجدیں ہیں ۔ ہر مسجد میں ایک عالم اور امام (یعنی سردار) ہوتا ہے پس اگر محلہ کا امام اپنے متعلقین (یعنی مقتدیوں) کی اصلاح کا بیڑہ اٹھالے ، تو سارے شہر کے مسلمانوں کی چند ہفتوں کے اندر اندر عملاً اصلاح ہوسکتی ہے ۔اسی طرح محلوں سے شہروں کی اور شہروں سے صوبوں کی اور اسی طرح سے ساری مملکت اسلامی کی اصلاح اور درستی یقیناً کی جاسکتی ہے ۔ لیکن چونکہ ہمارے علمار اپنے فرائض منصبی سے پوری طرح سبکدوش نہیں ہو رہے ہیں ۔اس لئے مسلمانوں کی ساری کمزوریوں کی ذمہ داری کا بوجھ علمار کے کندھوں پر پڑتا ہے ۔

کتاب کا بین السطور مجھے اس بات سے ہرگز انکار نہیں ۔ کہ

کذاب اور اس کا مواد کسی قدر سخت ضرور ہے۔ لیکن سخت ان کے لئے ہے جن کی نیتیں فاسد اور جن کے عزائم مکروہ ہیں۔ جو بظاہر بندگان حق کا نمونہ بن کر لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ بندگان حق کی سی باتیں کرتے ہیں۔ انہیں کی سی بولیاں بولتے ہیں۔ انہیں کی طرح بڑی سرد آہیں کھینچتے ہیں۔ اور مگرمچھ کی طرح آنسو بہاتے رہتے ہیں۔ لیکن در اصل ان کی نیتوں میں بڑا فتور ہوتا ہے

چونکہ مرض پرانا ہو کر قوم کی رگوں ریشے اور پٹھوں میں سرایت کر چکا ہے۔ لہٰذا اس کا محض کڑوی دواؤں سے رو بصحت ہونا محال ہے۔ اس لئے اس مرض کی خاطر انجکشن اور آپریشن کرنا ہی لازمی ٹھیرا۔

میرے اس پیغام حق سے خواہ قوم مستفید ہو یا نہ ہو، مجھے البتہ یہ خوشی ضرور ہو گی کہ میں نے جس چیز کو حق اور صداقت سمجھا ہوا تھا۔ میں نے اس کو بلا خوف و خطر اور بلا لومت لائم کے آج اپنی قوم تک پہنچا دیا ہے۔ اور میں الحمد للہ کسی دھمکی سے ڈرا دے یا خطرے سے مرعوب نہیں ہوا ہوں۔

میری نصیحت گرم چونکہ ہمارے زمانے کے علماء سو اپنی جہالت اور کج بحثی کے سبب ایسے تنگ ظرف اور ایسے تنگ دل واقع ہوئے ہیں کہ وہ کسی دوسرے فریق کی ذرا سی جائز علمی تنقید

کو بھی برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے میرے عزیز و اقارب نے میرے کئی دوستوں نے حتیٰ کہ خود میرے اکلوتے بیٹے نے بھی مجھے اس کتاب کی اشاعت سے بار بار روکا۔ انہوں نے مجھے سمجھایا۔ کہ میں علماء اسلام کے اس جنجال میں نہ پڑوں۔ کیوں کہ ان لوگوں نے بڑے بڑے علمائے زمانہ کو بڑے بڑے مشائخ کبار کو بدنام اور رسوا کیا ہے مجھے ان کے فتنے سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ وہی گروہ ہے۔ کہ جنہوں نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ؒ پر ایک فاحشہ کو مفتی اسلام نے ۵۰۰ درم دے کر سر بازار زنا کا الزام لگوایا تھا۔ شیخ علائی ؒ جیسے بزرگان دین اور علمائے باعمل اس قسم کے علماء کے گروہ نے یہ فتویٰ جڑ دیا تھا۔ کہ "ایں متبع دعوائے مہدویت مے کند مہدی خود بادشاہ روئے زمین خواہد شد و چوں کہ خروج دارد واجب القتل است" حتیٰ کہ شیخ علائی مرحوم کو شہید کرایا گیا جیسا کہ فی زمانہ علمائے سو نے اوچھے ہتھیار حضرت مولانا مودودی کے خلاف ان کے مشن کو ناکام بنانے کے لئے گاہ بے گاہ استعمال کئے۔ سب نے کہا۔ کہ علماء سو کی ریشہ دوانیوں سے پرہیز ہی بہتر علاج ہے۔

لیکن میں اوائل عمر سے ہی چونکہ ایسی طبیعت لے کر پیدا ہوا ہوں۔ کہ میں ہر دلعزیزی کو منافقت سمجھتا ہوں۔ اور جس چیز کو میں اپنے دل ضمیر اور ایمان کی گہرائیوں میں برا یقین کر جاؤں۔ تو میں اس چیز کو ہرگز اپنی زبان یا قلم سے اچھا نہیں کہہ سکتا۔ خواہ اس میں مجھے اپنی جان اور مال کے ضائع ہو جانے کا خطرہ بھی کیوں نہ ہو۔

غم جوانی کو جگا دیتا ہے لطف خواب سے
ساز یہ بیدار ہوتا ہے اسی مضراب سے

پاتے نہیں جب راہ تو چڑھ جاتے ہیں نالے
رکتی ہے میری طبع تو ہوتی ہے رواں اور

علما سو کی سازش یہ ایک مسلمہ سچائی ہے۔ کہ بلوچستان کے علما سو کے ایک گروہ نے جبکہ میں کوئٹہ گیا ہوا تھا میرے خلاف سازش کی ہیں۔ ان دنوں کشمیر ہوٹل واقعہ سورج گنج بازار میں فروکش تھا۔ لیکن میں اس کا سراغ پاگیا۔ پھر جب ان مفسدین کو معلوم ہوا۔ کہ میں اس راز کی کہنہ اور اس سازش کی حقیقت سے واقف ہوچکا ہوں تو وہ تتر بتر ہو گئے۔ علماء سُو کی کتاب کے سلسلے میں مجھے نہ پنجابی علماء سے اور نہ کسی دوسرے مہاجر یا انصار سے اتنی شکایت ہے جتنی کہ مجھے خود اپنے ملکی بھائیوں اور بالخصوص ملکی علماء کے اس گروہ سے ہے۔ جو پہلے نان شبینہ کے لئے محتاج ہوتے تھے۔ اور آج وہ اسلامی اور دینی مدرسوں کے بہانے سے (بیچارے) سادہ لوح لوگوں سے چندے جمع کرکرکے سیٹھ بن گئے ہیں۔ اور اب ان کو خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ کہ علماء سو کی کتاب کا یہ تیز نشتر کہیں ان کے گندے پھوڑوں کو چیرنے نچوڑنے اور ان کے حلوے مانڈے میں زہر ملانے میں کامیاب نہ ہو جائے

(کتاب علماء سو کا مقصد کتاب زیر تصنیف کے لکھنے سے میرا مقصد نہ علمائے اسلام کی دل آزاری ہے۔ نہ خفت اور تحقیر۔ بلکہ یہ دیکھکر کہ بدنصیبی سے ہمارے اکثر علماء کی علمی اور عملی قابلیتیں اور صلاحیتیں بالکل ساکت خفتہ اور جامد بن چکی ہیں۔ اس کتاب کے لکھنے کی تحریک ہوئی کتاب ہذا کے لکھنے سے میری مراد ان علماء سو کے سوئے ہوئے احساسات کو پورے زور کے ساتھ جھنجوڑ جھنجوڑ کر گہری نیند سے جگانا اور بیدار کرنا

ہے۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں

انہیں ہم خوب چھیڑیں گے مزا آئیں ہی آتا ہے!
سنا ہے اُن کو غصّے میں لپٹ جانے کی عادت ہے!

شعر بالا کے معنی کے عین مطابق میری علماء سے اس چھیڑ خانی کا مقصد نہ ان کی سبکی کے لئے ہے۔ اور نہ ان سے جھگڑنے اور خلفشار پیدا کرنے کے لئے بلکہ میری اس حق گوئی کا مقصد اس عاشق اور معشوق کے باہمی چھیڑ چھاڑ کے مترادف ہے جس کا شعر بالا میں ذکر آیا ہے۔

ہم میں سے یہ کون نہیں جانتا کہ ماں جب اپنے بچّے کو سلانا چاہتی ہے تو میٹھے میٹھے بول بول کر یا لوریاں دے دے کر اور تھپک تھپک کر اس کو سلاتی ہے۔ لیکن اسی بچے کو جب جگانا مطلوب ہوتا ہے۔ تو لوریاں کام نہیں دیتیں بلکہ اس کو جگانے کے لئے لوریوں کی بجائے اس کا جھنجوڑا جانا ضروری بن جاتا ہے۔ اس لئے اگر اس کتاب کے اندر کا کوئی فقرہ ہمارے کسی دوست کو بُرا لگے۔ یا ناگوار طبع معلوم ہو۔ تو اس کو بعینہٖ اسی معانی پر محمول کرنا چاہیئے تاہم اگر کسی صاحب کے دل اور ضمیر کو میرے الفاظ کی نامرزد بیت کے باعث کچھ ٹھیس لگی ہو تو میں ان سے بصمیم قلب معافی کا خواستگار رہوں کیوں کہ میں بھی اسی جہاز میں سوار ہوں کہ جس جہاز میں خود مولوی صاحب سفر کر رہے ہیں۔ ان کی شکست درصل میری شکست ہے۔ اور ان کی غرقابی خود میری غرقابی بقول بزرگے۔

شعر

ہم میں تم میں بھی کبھی یار جدائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی

شکریہ

فی زمانہ مصنفین کا یہ ایک دستور سا بن گیا ہے۔ کہ وہ اپنی معمولی معمولی تصنیفات کے لئے بھی کسی نہ کسی کا شکریہ ضرور ادا کرتے ہیں۔ مجھے بھی رسماً کسی کا مشکور رہنا چاہئے۔ میں یہی سوچتا ہوں کہ مجھے کس کا شکریہ ادا کرنا چاہئے؟ مجھے میرے دل سے اس کا یہی جواب ملتا ہے جس نے تیرے جذبات۔ احساسات اور غیرت کو جھنجوڑا ہو۔ جس نے تجھے ڈرانے۔ دھمکانے۔ مرعوب اور خائف کرنے کے لئے ہمیشہ کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ہو۔ تو کیا مجھے ان علماء کا جنہوں نے میرے خلاف اپنی چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔ اور اگر میں نے اس کتاب کی اشاعت کے کام میں ذرا سی بھی سستی اور تغافل سے کام لیا تو انہوں نے میرے خلاف طعن و طنز اور پراپیگنڈہ کر کے مجھے پھر آمادہ کار بنا دیا۔ جب میں نے ذرا سی دیر کے لئے بھی اپنا قلم رکھ دیا۔ تو انہوں نے شور مچا مچا کر میرے خفتہ جذبات کو ابھار ابھار کر مجھے پھر کام کی طرف مائل بنا دیا۔ اس لئے میرے دل اور ضمیر کی طرف سے مجھے اس کا یہی جواب ملتا ہے۔ کہ مجھے اگر اشاعت کتاب علماء سو کے لئے کسی کا مشکور رہنا چاہئے۔ تو مجھے مشکور ہونا چاہئے صرف ان علماء سو کا جنہوں نے کہ مجھے اس کام کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ابھارا۔ اور جن کی نوازشات سے آج یہ کام مکمل ہو کر آپ کے ہاتھوں تک پہنچ چکا ہے۔

عطا محمد بلوچستانی

۵۶۷۵

میرا ایک خواب

خزاں کا موسم ہے رات کی تاریکی نے اپنی سیاہ اور تاریک قناتیں تان لی ہیں۔ گرد و پیش کی ساری دنیا محو خواب ہے۔ ہوائیں بڑے زور زور سے چلتی چلتی اب قدرے تھم گئی ہیں۔ خزاں زدہ درختوں کے پتوں کا وہ شور اور وہ سرسری آوازیں بھی مدھم سی پڑ گئی ہیں اور ہر طرف ہُو کا ایک عالم طاری ہے۔ سارا شہر شہر خاموشاں بنا ہوا ہے۔ میرے کمرے کی انگیٹھی میں آگ سلگ رہی ہے۔ اس آگ کی حرارت سے کمرہ خوب گرم ہو رہا ہے۔ میں ایک آرام کرسی پر لیٹا ہوا کسی سوچ بچار میں ڈوبا ہوا ہوں۔ اور یوں پڑے پڑے میری آنکھ

لگ جاتی ہے ۔ اور میں اس عالم خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے کمرے کی چھت کو پھاڑ پھاڑ کر اس میں داخل ہو رہا ہے۔ اور میں دل ہی دل میں کہہ رہا ہوں۔

آہ یہ کیا ماجرا ہے ؟ اُف یہ کیسا ہولناک منظر ہے ؟

اے خدا۔ یہ کتنا مہیب اور کس قدر خطرناک لمحہ ہے ؟

اب میں تھوڑا سا سنبھل کر۔ ذرا سا دم لے کر۔ اس آنے والے نو وارد سے مخاطب ہو کر کچھ بولنا چاہتا ہوں۔ لیکن بولنے کی سکت نہیں پاتا۔ اور کوئی لفظ منہ سے نکالا نہیں جا سکتا۔ الفاظ ہیں کہ گلے میں آ کر اٹک جاتے ہیں ۔ اور کوئی بھی بات منہ سے نکلنے نہیں پاتی !۔ لب اور گلہ خشک ہو رہے ہیں۔ آخر بصد مشکل میں نے خود پر جبر کر کے کہا۔ "آپ ! آپ ! آپ ! کون ! کون ! کون ! میں"

آنے والے نے سخت غضبناک ہو کر نہایت خشمگیں آواز میں کہا۔ تو کیا پوچھتا ہے ! کہ میں کون ہوں ؟ (پھر خود ہی کہنے لگتا ہے) میں ہوں موت کا فرشتہ اور میں تمہیں آج خدا کے حضور میں پیش کرنے کے لئے آیا ہوں۔ کیونکہ خداوند عالم کے درگاہ میں علمائے اسلام کے ایک گروہ نے تمہارے خلاف استغاثہ دائر کر رکھا ہے۔ تمہیں وہاں لے جانے اور جواب دہی کے لئے حاضر کرنے کا حکم ہوا ہے۔

موت کا فرشتہ بڑبڑاتا گھسیٹتا آنکھ جھپکنے کی دیر سے بھی پہلے مجھے ایک دوسری دنیا میں لے گیا۔ میں یہاں مبہوت خوف و ہراس میں ڈوبا ہوا حیرت اور دہشت کے دریا میں غرق غوطے کھاتا ہوا لرزہ براندام استعجاب کے عالم میں پریشان اور مضطرب کھڑا رہا۔ میرے ہر طرف ہیبت اور خاموشی چھائی ہوئی ہے آنے جانے والوں سے آہستہ آہستہ پوچھ گچھ کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ میدان ! میدان حشر ہے۔

جہاں دیکھتے دیکھتے خداوند قدوس کا نورانی تخت بچھ گیا۔ اور خداوند عالم و عالمیان کرسی عدل پر جلوہ افروز ہوئے اس نورانی تخت کے دائیں جانب حضور سرور عالم رونق افروز ہیں۔ اور بائیں جانب دوسرے انبیاکرام حسب مراتب جلوہ افروز، حضور سرور عالم کی پشت کی جانب خلفائے راشدین اور دیگر بزرگان سلف صالحین نہایت ادب اور احترام کے ساتھ خاموش بیٹھے ہیں۔ حاضرین مجلس میں سے میں صرف امام غزالیؒ کو اور حضرت مولانا رومؒ کو شناخت کر رہا ہوں۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہی ملک الموت (یعنی موت کا فرشتہ) مجھے بلا رہا ہے۔ اور تخت رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا اشارہ کر رہا ہے میرے گرد کچھ عذاب کے فرشتے ہیں۔ جو اپنے ہاتھوں میں لوہے کے بھاری بھاری گرز سنبھالے ہوئے حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ اور دوسری طرف کرام الکاتبین اعمال ناموں کا ایک پلندا بغل میں دبائے سرتاپا ادب میں ڈوبے ہوئے کھڑے ہیں۔ مجھ سے ذرا دور تخت نورانی کے سامنے ایک مولوی نما انسان کھڑا بڑی وکیلانہ قسم کی جرح تعدیل میں مشغول ہے۔ جس کو ایک نظر میں نے پہچان لیا۔ کہ یہ وہ شخص ہے جس کی ساری زندگی مسلمانوں کی جنازہ شوئی میں تعویذ۔ فال اور گنڈوں میں گذری ہے۔ حیلہ جوئی مکر و فریب جس کا وظیفہ حیات رہا ہے۔ ہاتھ میں عصا۔ کاندھوں پر چوغہ ہے۔ (جو کہ غالباً کسی ساہو کار یا سرمایہ دار کی موت پر ہاتھ لگا ہو گا) تسبیح ہزار دانہ ہاتھوں میں گردش کر رہی ہے۔ تسبیح کے دانے باوجود گرم گفتاری اور جرح و تعدیل کی مصروفیت کے بھی ایک آٹومیٹک مشین کی طرح سے پھر رہے ہیں۔ گفتگو میں ضرورت بلا ضرورت عربی کے بڑے ثقیل اور موٹے موٹے لغاتی الفاظ بار بار دہرانا اس کا تکیہ کلام معلوم ہوتا ہے۔ چہرے کے خدو خال گو خوشنما ہیں۔ لیکن مسرت اور طمانیت سے محروم نظر آتے ہیں بلکہ متعجب اور خود

نمائی آپ کی ریش مبارک کے تار تار سے چھن چھن کر گر رہی ہیں۔

یہ وہ انسان نما۔ چوغہ پوش درندہ ہے۔ جس کو شریعت کی زبان میں عالم سُو کہتے ہیں۔ یہ وہ دو پاؤں پر چلنے والا بھیڑیا ہے۔ کہ جس کے دل اور دماغ میں اپنے شہر اپنے محلے اور اپنی ملت کے لوگوں کے لئے کسی قسم کا انس۔ کوئی درد تھوڑی سے تھوڑی سی غم خوارگی کا کم سے کم جذبہ بھی باقی نہیں ہے۔ اس کی معاش کا ذریعہ مسلم کی موت ہے۔ یا قرآنوں کی اسقاط ہے۔ یہی وہ حلوے کی پلیٹیں چاٹ جانے والا بہیمہ ہے۔ کہ جس نے کبھی سیر ہونے کا نام نہیں لیا۔ کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حضرت علمائے سو کی طرف سے وکیل بن کر میرے خلاف فریاد لائے ہیں۔

موت کے فرشتے نے مجھ سے خطاب کر کے کہا۔ سنو۔ سنو یہ مولوی صاحب علمائے اسلام کے ایک گروہ کی طرف سے وکیل بن کر تمہارے خلاف رب العالم وعالمیان کے دربار میں فریاد لایا ہے۔ اس لئے تمہیں اس دربار عالی میں جواب دینے کے لئے حاضر کیا گیا ہے۔ میں رُک رُک کر تھم تھم کر نورانی تخت کی طرف منہ کر کے سجدہ ادب بجالایا۔ اور میں نے کہا رحم! خدایا رحم! اس عالیشان دربار میں جہاں خود حضرت رب العالمین تخت نورانی پر جلوہ افروز ہوں حضور سرور عالم معہ خلفائے راشدین اور دیگر علمائے صالحین کے رونق افروز ہوں۔ بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اور کیا بول سکتا ہوں۔ اگرچہ جواب رکھتا ہوں لیکن گفتگو کی قوت مفقود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان علمائے سو کے خلاف میرا دل ناسور کے پھوڑے کی طرح سے بھرا پڑا ہے لیکن طول کلامی اور سوال وجواب۔ جرح وتعدیل کو یہاں ایک ایسے ذی شان دربار میں سوئے ادبی سمجھتا ہوں۔ ساتھ ہی میں اس عالیشان دربار کے جلال اور ہیبت سے بھی عرق عرق ہو رہا ہوں۔ اتنا کہہ کر میری زبان تھم جاتی ہے۔ اس سے زیادہ طاقت گفتار نہیں رہتی میرے

سکوت اور خاموشی کے بعد سرورِ عالمؐ نے امام غزالیؒ کی طرف آہستہ سے کچھ اشارہ کیا اور امام رحمۃ اللہ علیہ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا "دیکھو عزیزم" ڈرنے کی بات نہیں یہ تو وہ دربار ہے۔ جس کے متعلق تمہارے مولانا جلال الدین رومیؒ نے فرمایا ہے۔ ؎

این درگہ ما درگہ نومیدی نیست

جو جو حقائق حقہ معلوم ہوں اور جو جو سچائیاں بیان کر سکتے ہو۔ بلا جھجک اور بغیر کسی خوف کے بیشک بیان کر دو۔

"الامر فوق الادب"

آپ کے ان ارشاداتِ گرامی کے بعد یک لخت میری زبان کی ساری گرہیں ایک ایک کر کے کھل گئیں۔ اور میری قوتِ گویائی کے سارے بند آناً فاناً ٹوٹ گئے۔ مجھ میں ایک نئی زندگی ایک نئی جرات اور علو ہمت عود کر آئے۔ اور میں نے پوری دلیری کے ساتھ اب اپنا مافی الضمیر کہنے اور سوالوں کا جواب دینے کے لئے کمر ہمت باندھ لی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور مجھے سب سے پہلے استغاثہ کا نقل عنایت ہو۔ تاکہ میں ایک ایک چیز کا جدا جدا جواب دیتا چلا جاؤں۔

خداوند عالم نے بڑے شفقت آمیز لہجے میں کہا۔ کہ ہاں! ہاں! درست کہتا ہے۔ نقل دے دو۔ نقل دے دو۔

عذاب کے فرشتوں نے وکیل (علماء سو) کی طرف تعمیل حکم کے لئے اشارہ کیا۔ لیکن وکیل نے نفرت آمیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے میری طرف سے اپنا منہ پھیر کر تختِ نورانی کی طرف رخ کر کے کہا۔ کہ سب سے بہتر تو یہی ہوگا کہ بجائے سارے اعتراضات کو یکجا بیان کرنے کے میں ایک ایک الزام پیش کرتا چلا جاؤں اور وہ اس کا علیحدہ علیحدہ جواب دیتا چلا

جاتے ہیں نے اس کو قبول کیا۔ اس کے بعد وکیل نے پہلا الزام پیش کرتے ہوئے کہا۔

حضور انور۔ اس شخص نے اپنی ساری زندگی علمائے کرام اور بزرگان دین کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے وقف کر دی ہے۔ حالانکہ سرور کائنات کی کئی معتبر احادیث ان علماء کرام کی شان میں وارد ہیں۔ مثال کے طور پر چند احادیث بیان کرتا ہوں۔ مثلاً

احادیث فضیلت علمائے کرام

۱۔ اللہ سبحانہ اور اس کے فرشتے اور اس کے آسمان اور زمین والے یہاں تک کہ چیونٹی اپنی سوراخ میں اور مچھلی سمندر میں سب رحمت بھیجتی ہیں ان پر جو لوگوں کو نیکی کی باتیں سکھلائے۔ (ترمذی بروایت ابوامامہ)

۲۔ نیز حضرت ابوذرؓ کی حدیث میں ہے۔ کہ مجلس علم میں حاضر ہونا ہزار رکعتیں پڑھنے سے اور ہزار بیماروں کی عیادت کرنے سے اور ہزار جنازوں کی شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ پس کسی نے عرض کیا۔ کہ کیا قرآن کی تلاوت سے بھی بہتر ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن بدون علم کے کیا مفید ہو سکتا ہے۔

۳۔ نیز آنحضرت نے فرمایا ہے۔ کہ جس شخص کو موت آوے۔ اور وہ اسلام کے زندہ کرنے کے لئے علم سیکھتا ہو۔ تو اس کا اور انبیاء کا درجہ ایک سا ہو گا۔

نیز آثار میں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ہزار شب بیدار روزہ دار عابدوں کا مر جانا۔ ایسے عالم کی موت سے کم ہے۔ جو خدائے تعالیٰ کے حلال اور حرام کا ماہر ہو۔

۴۔ احیا العلوم میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ بعض حکما فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی عالم مرجاتا ہے۔ تو اس پر مچھلیاں پانی میں اور پرند ہوا میں روتے ہیں۔ اور گو ظاہر میں اس کا چہرہ نظر نہیں پڑتا۔ مگر اس کی یاد دلوں سے نہیں بھولتی۔

۵۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ لوگوں میں سے درجۂ نبوت کے قریب تر اہل علم اور اہل جہاد ہیں۔ اہل علم تو اس لئے کہ انہوں نے لوگوں کو وہ باتیں بتائیں۔ جو رسولؐ لائے تھے۔ اور اہل جہاد اس وجہ سے کہ انہوں نے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت پر اپنی تلواروں کے ساتھ جہاد کیا۔ نیز فرمایا کہ۔

۶۔ کہ ایک قبیلے کا مرجانا ایک عالم کے مرنے کی بہ نسبت آسان تر ہے۔

۷۔ نیز فرمایا آنحضرتؐ نے کہ قیامت کے روز علما کی سیاہی شہیدوں کے خون کے ساتھ تولی جاوے گی۔

۸۔ نیز فرمایا لوگوں میں سے دو قسمیں ایسی ہیں۔ کہ جب وہ درست ہوں۔ تو سب لوگ درست ہو جائیں۔ اگر وہ بگڑ جائیں تو سب لوگ بگڑ جائیں۔ یعنے ایک تو میں امرا یعنی حکام اور دوسرے فقہا یعنی علما۔

۹۔ نیز فرمایا۔ کہ ایماندار عالم ایماندار عابد سے ستر درجے بہتر ہے۔

۱۰۔ نیز فرمایا۔ کہ فضل العالم علی العابد کفضلی علی القمر لیلۃ البدر علی سائر الکواکب یعنی عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے۔ جیسے کہ چودھویں رات کے چاند کی فضیلت سب ستاروں پر ہوتی ہے۔ (ابو داؤد ترمذی بروایت ابن ماجہ)

نیز فرمایا (حدیث)

۱۱۔ فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنٰے رجل من اصحابی۔

یعنی عالم کو عابد پر اتنی فضیلت ہے۔ جتنی کہ مجھے فضیلت ہے۔ میرے اصحاب میں سب سے کمترین صحابی پر۔ (ترمذی)

۱۲۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں۔ علماء اُمّت پر ماں باپ سے بھی زیادہ رحیم ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ماں باپ تو لوگوں کو دنیا کی آگ سے بچاتے ہیں۔ اور علماء آخرت کی آگ سے (مثنوی)

مہرباں بے رشوتاں یاری گراں!
در مقام سخت دور روز گراں
ہین بجو ایں قوم را اے مبتلا
ہین غنیمت دار شاں پیش از بلا

(حدیث) ابی ہریرہؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری امت کے فساد کے وقت (یعنی ایسے زمانے میں) جس شخص نے میری سنّت کو پکڑ لیا بس اس کے لئے سو شہیدوں کا اجر ہے"

دوسری حدیث میں ہے۔ کہ "جس شخص نے میری سنّت کو زندہ کیا۔ اس نے مجھے زندہ کیا۔ اور جس نے مجھے زندہ کیا۔ وہ میرے ساتھ بہشت میں اکٹھا ہوگا" لہٰذا علماء کو جو کہ نبی کریمؐ کے جانشین ہیں اپنے اس فرض منصبی کو کما حقہٗ پورا کرنا چاہیے۔

وکیل (علماء سو) جب اپنا بیان دے چکا تو میں نے بصد احترام عرض کیا۔ کہ حضور یہ سب صحیح اور بجا ہے۔ کہ علماء کے اوپر چیونٹی اپنے سوراخ میں اور مچھلی سمندر میں سب رحمت بھیجتی ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے۔ کہ قیامت کے روز علماء کی سیاہی شہیدوں کے خون کے ساتھ تولی جائے گی۔

یہ جو کچھ تعریف اور توصیف وکیل صاحب نے کی ہے۔ یہ تو حضور علمائے حق کی تعریف ہے۔ اس میں کس کو شک اور کلام ہو سکتا ہے۔ یہ تو ان برگزیدگان حق کی تعریف ہے۔ کہ جس کے متعلق حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ (مثنوی)

رو بہ خسپ اندر رہتا ہے مقبلے۔ بُو کہ آزادت کند صاحب دلے
گر سفر داری بریں نیت برد۔ ور حضر باشد ازیں غافل مشو
فاختہ ساں روز و شب کو کو بگو جستجو کن جستجو کن جستجو
کحل دیدہ ساز خاکِ پاش را۔ تا بہ اندازی سر او باش را
کہ ازیں شاگردی وزیں افتقار[۱] سوزنے باشی شوی تو ذوالفقار[۲]
سرمہ کن تو خاکِ ایں بگزیدہ را۔ کاں بسوزد ہم بسازد دیدہ را

خود میں نے اپنی کتاب "نفسیات عادات انسانی" میں علمائے ربانی کا ایک علیحدہ باب باندھا ہے۔ اور بالکل غیر مبہم الفاظ کے اندر ان کی توصیف اور تعریف کا جس قدر مجھ سے ادا ہو سکا حق ادا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب نفسیات عادات انسانی کا صفحہ ۲۴۲ لغایت ۲۴۶۔

وکیل صاحب یہ صحیح فرماتے ہیں۔ کہ علمائے کے کئی اوصاف برگزیدہ کتب احادیث اور سیر میں درج ہیں۔ خود احیا العلوم میں امام غزالیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "علماء زمانوں کے چراغ ہیں۔ ہر ایک اپنے وقت کی شمع ہے"!

لیکن وکیل صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہئے۔ کہ ملت کے چراغوں اور اندھیری راتوں کی منور شمعوں سے کس بد نصیب کو بغض یا بیر ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر بیر ہے تو خود شمع سے نہیں بلکہ شمع کے بجھانے والوں سے ہے۔ چراغانِ ملت سے نہیں بلکہ ایسے چراغوں کو گل کر کے چمگادڑوں کی طرح اندھیروں میں بسیرا کرنے والوں سے ہے۔ وکیل صاحب کو معلوم ہو گا۔ کہ کھوٹہ سکہ چلانے والے ہمیشہ اندھیری راتوں میں کام کرتے ہیں۔ انہیں چراغ اور بجلی کے قمقموں سے ہمیشہ بیر ہوتا ہے۔

کھوٹہ سکہ چلانے والے کے لئے بجلی کا بٹن دبا کر اندھیرے گھر کو روشن کرنے والے سے بڑھ کر کون بڑا دشمن ہو سکتا ہے؟

چونکہ علماء سو کا کام حیلہ بازی مکر اور دجل کے ذریعے سے روپیہ کمانا ہے پس جو شخص حیلہ بازی کے خلاف مکر اور دجل کے خوف زر اندوزی اور زر پرستی کے خلاف کچھ بھی کہے گا۔ وہ اس کی نظروں میں اسکا بڑا دشمن ہو گا۔

اس کی بالکل وہی مثال ہے جس طرح کہ ایک گدھے کی پشت پر اس کا پالان جب اس کی پیٹھ کے زخموں۔ خون اور چمڑے کے ساتھ لت پت ہو کر چپٹ جاتا ہے۔ تو جب کوئی آدمی اس گدھے پر رحم کھا کر اسکا وہ پالان اس کے چمٹے ہوئے زخموں سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ تو گدھا سخت خفا ہوتا ہے برہم ہو کر دولتیاں مارتا ہے۔ شور کرتا ہے کودتا ہے۔ پھاندتا ہے اور اپنی زبان میں ہینگ ہینگ کر اپنے مالک سے فریاد کرتا ہے۔ کہ اے خدا اس کو اس ظالم سے نجات دیجئے۔ کیوں کہ وہ اس کو آرام کے ساتھ وقت گذارنے نہیں دیتا

اس مثال کو حضرت عارف رومیؒ اپنی مثنوی شریف میں اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ (مثنوی)

خرقہ بر ریش خر چسپیدہ سخت ۔ چونکہ خواہی بر کنی ز و لخت لخت

جفتہ انداز د لیقین آں خر زدرد ۔ حبذا آں کس کزیں پرہیز کرد

بلکہ از چسپیدگی بر خانماں تلخ آید شان شنیدن ایں بیان

ہر کرا باشد مزاج و طبع سست ۔ مے نخواہد ہیچ کس را تندرست

حضور والا۔ علماء سو کا وکیل غلط بیانی اور مکرو دجل سے کام لے رہا ہے۔ ہمارا اور ہماری جماعت کے لوگوں کا علمائے کرام سے کوئی جھگڑا نہیں ہم تو چاہتے ہیں کہ۔ علماء کرام میں سے زر پرست۔ عبید الدنیا عبید الدرہم لوگوں کی چھانٹی کر کے خالص اہل اللہ کی ایک جماعت پیدا کریں جن میں شاہ ولی اللہؒ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سید جمال الدین افغانیؒ مولانا محمد عبدہ کی قسم

کے علماء پیدا ہوں۔ جو مسلمانوں کی صحیح خدمت اور قابلِ تعریف قیادت کا حق ادا کر سکیں۔ اور مسلمانوں کی کشتی کو پار لنگھا دیں۔

حضور والا۔ کتنے بڑے افسوس اور ندامت کا مقام ہے کہ ہندوستان کی وہ سرزمین جہاں مسلمان بادشاہوں نے ۸، ۹ سو برس کامل حکومت کی ہو اور جس فضا کے اندر ہلالِ اسلامی کا سبز پرچم ہزاروں برس تک لہراتا رہا ہو۔ جس کرۂ ہوائی کے اندر محمود غزنوی کے وقت سے لیکر انگریز کی آمد تک اللہ اکبر کا نعرہ گونجتا رہا ہو۔ جس ملک میں خود مرحوم دہلی واقع ہو۔ جہاں ہزاروں مسلمان حکمران سریر آرائے تخت و تاج ہو چکے ہوں۔ اور جس ملک کے چپے چپے میں آگرہ کا تاج محل ہو۔ قطب صاحب کی لاٹ ہو۔ شاہی مسجد، شاہی قلعے اور دوسری کئی ایسی عالیشان عمارتیں اپنی زبانِ حال سے اسلامی جاہ و جلال کی آج تک مجسم شہادت بن کر گواہی دے رہی ہوں۔ ایسی سرزمین کا مسلمان آج اقلیت میں ہو کس مپرسی میں ہو۔ اور اس کو بزورِ شمشیر ہندو بنایا جا رہا ہو۔ ایسی حالت زار پر آنسوؤں کے بدلے اگر خون رویا جائے تو بجا ہوگا۔ اس ساری تباہی اور اس سب بربادی کی ذمہ داری علمائے سو کے اس طبقہ پر پڑتی ہے جنہوں نے اسلامی حکومتوں کے عروج اور حکمرانی کی نعمتوں کا جائز فائدہ قوم اور ملت کو نہیں پہنچایا۔ بلکہ اپنی خود غرضی اور ذاتی مفاد پر باہم لڑتے جھگڑتے رہے۔ اور فضول قسم کی فتوٰی بازیوں میں باہمی کفر دکھنسیہ سرپھٹول اور بے سود جھگڑوں میں شیعہ سنّی اور اہلِ قرآن کی باہمی دار و گیر میں اپنا سارا وقت اور یہ ساری مہلت ضائع کر دی۔

لیکن اب کیا ہو۔ جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ (شعر)

رفتم کہ خار از پا کشم ۔ محمل نہاں شد از نظر
یک لمحہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

وکیل (علماء سو) میری تقریر کے اس جملے پر کچھ بڑبڑایا۔ آخر کار اس سے رہا نہ گیا۔ میری تقریر کے ان فقروں پر اعتراض اٹھا کر مداخلت کی اور چلّا چلّا کر کہنے لگا کہ اس کی ذمہ داری علماء پر نہیں پڑ سکتی۔ بلکہ اس کی ذمہ داری کا سارا بوجھ اکبر جیسے ان بے دین اور ملحد شاہانِ ہندوستان کے کاندھوں پر پڑتا ہے کہ جنہوں نے دینِ اسلام کے اندر تحریف اور تبدیلی پیدا کر کے ہندوستان کے مسلمانوں کو کمزور کر دیا۔ الناس علیٰ دین ملوکہم۔ لوگ چونکہ بادشاہوں کے طریق پر چلتے ہیں۔ اس لئے تبلیغ اسلام کا کام کمزور پڑتا گیا۔ خود بادشاہ کی طبیعت چونکہ کفر کی طرف راغب تھی۔ اس لئے کفر کا پلہ بھاری ہوتا گیا۔ اور درحقیقت ہندوستان کے مسلمان آج تک اسی کی سزا بھگت رہے ہیں۔

وکیل علماء سو نے کہا۔ اکبر کے الحاد اور بے دینی کے ثبوت میں مستند تاریخی شہادتیں موجود ہیں۔ دیکھو دربار اکبری صفحہ ۸۱ جہاں اکبر نے نئی نئی بدعتیں ایجاد کر کے اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ ملّا بدایونی کہتا ہے۔ کہ

"سنہ ۹۹۹ھ کے جشن میں عجب عجب آئین ایجاد ہوئے آپ خود ماہ آبان میں چونکہ اتوار کو پیدا ہوئے تھے۔ حکم ہوا کہ اتوار کو تمام قلمرو میں جانور ذبح نہ ہونے پائیں۔ آبان کے تمام مہینے میں جشن نوروز کے ۱۸ دن تک ذبح کی بندش ہے۔ جو کرے گا سزا پائے گا۔ جرمانہ بھرے گا۔ گھر لٹ جائے گا۔ خود اکبر نے خاص خاص دنوں میں (ہندوؤں کی تقلید میں) گوشت کھانا چھوڑ دیا تھا۔ یہاں تک کہ گوشت کھانے کے دن برس میں چھ مہینے بلکہ اس سے بھی کم رہ گئے تھے۔ بلکہ ارادہ ہوا کہ گوشت کھانا ہی ترک کر دیا جائے۔"

"آفتاب کی عبادت کے وقت دن رات میں چار تھے۔ صبح شام دوپہر اور آدھی رات۔ دوپہر کو آفتاب کی طرف منہ نہایت رجوع قلب کے ساتھ

ایک ہزار ایک نام کا وظیفہ پڑھتے تھے۔ دونوں کان پکڑ کر چک پھیری لیتے تھے۔ کانوں پر مکّے مارتے جاتے تھے۔ اور کچھ ایسی حرکتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ تلک بھی لگاتے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ طلوع آفتاب اور آدھی رات کے وقت نقارہ بجا کرے۔ چند روز بعد حکم ہوا۔ کہ ایک عورت سے زیادہ کے ساتھ نکاح بند رہے۔ ہندوؤں کے فیصلوں کے لئے برہمن مقرر ہوں قسم کی بجائے حکم دیا کہ لوہا گرم کرکے رکھو۔ کھولتے تیل میں ہاتھ ڈلواؤ۔ جل جائے تو جھوٹا۔ مسلمانوں کو تاکید ہوئی۔ کہ بارہ برس تک ختنہ نہ کرو۔ اس کے بعد خود لڑکے کو اختیار رہے کہ چاہے ختنہ کرے چاہے نہ کرے۔ جو مسلمان قصائی کے ساتھ کھانا کھائے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالو۔ اس کے گھر والوں میں سے کوئی اگر اس کے ساتھ کھائے تو انگلی کتر لو۔"

"اسی سال میں شہر کے باہر دو عالیشان محل بنوائے۔ خیر پورہ اور دھرم پورہ۔ اور جب جوگی جوق در جوق آنے لگے۔ تو ایک جوگی پورہ بنایا گیا۔ رات کو چند خدمتگاروں کے ساتھ (اکبر) جاتے۔ جوگیوں سے خلوتیں ہوتیں اور ان کے مذہب جوگ کے عقائد و اسرار۔ عبادات اور استفادات کے طریقے۔ حرکات سکنات۔ بیٹھنا۔ اٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ کایا پلٹ وغیرہ کے کرتب ان سے سیکھتا۔ شو راتری کی رات کو (جوگیوں کا بڑا میلہ ہوتا ہے) ان کے گرو اور ہنتوں کے ساتھ پرشاد کھاتے۔ وغیرہ وغیرہ"

"انہی کے خیال سے کھانے پینے کے باب میں اصلاحیں کیں اور گوشت میں کمی کر دی۔ عورت کے پاس جانا چھوڑ دیا۔ بلکہ جو کچھ ہوا اس پر تاسف کرتا۔ تالو پر سے بال منڈوا ڈالے۔ ادھر ادھر رہنے دیئے۔ خیال یہ تھا کہ اچھے لوگوں کی روح کھوپری سے نکلتی ہے۔ اور یہی وہم اور خیال کے آنے کا راستہ

ہے۔ اس وقت ایسی آواز آتی ہے۔ جیسی کہ بجلی کڑکی۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ سمجھو کہ مرنے والا بڑا نیک تھا۔ اور اس کا نیک انجام ہوا۔ اور اب اس کی روح کسی بادشاہ عالم گیر جہاں تسخیر کے قالب میں چلی جائے گی۔ (جسے سنسکرت میں چکرورتی راجہ کہتے ہیں) اکبر نے اپنے طریقے کا نام توحید الٰہی رکھا تھا۔ اور مریدانِ خاص جوگیوں کی اصلاح کے مطابق چیلے کہلاتے تھے۔ اراذل، مکار، رکابی مذہب جو کہ قلعہ معلّٰی میں قدم رکھنے کے بھی اہل نہیں تھے۔ روز صبح کو آفتاب پرستی کو وقت زیر جھروکہ جمع ہوتے تھے۔ جب تک درشن نہ کرلیں۔ مسواک، کھانا پینا ان پر حرام تھا۔ رات کو ہر محتاج، مسکین، ہندو مسلمان، رنگ رنگ کے آدمی، مرد، عورت اچھے بھلے اور اپاہج۔ سب کو اجازت تھی۔ عجب ہنگامہ ہوتا تھا۔ جب سورج کے نام جپتے تھے۔ تو پردہ سے نکل آتے تھے۔ یہ لوگ دیکھتے ہی سجدہ میں جھک جاتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ"

اسی طرح آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ

"برہمنوں نے حضور کے لئے بھی ۱۰۱ نام تراشے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ مایا کی لیلا ہے۔ بشن کشن، رام چندر جی وغیرہ اوتار گذرے ہیں۔ اب اسی روپ میں پرکاش کیا ہے۔ اشلوک بنا بنا کر پڑھتے تھے۔ پرانے پرانے کاغذوں پر لکھے دکھاتے تھے۔ کہ پرانے پنڈت لکھ کر رکھ گئے ہیں۔ ایک چکرورتی راجہ دیس میں ہوگا۔ برہمنوں کا آدر مان ہوگا۔ گئو کی رکھیا کرے گا۔ دنیا کو نیائے سے بسائے گا۔ ان تفصیلات کو بیان کرکے وکیل علمائے سونے چلّا چلّا کر کہا، انصاف! انصاف! خدایا انصاف!!"

یہ شخص کتنا افترا پرداز اور کس قدر بہتان تراش واقع ہوا ہے۔ کہ مغل بادشاہ جس نے سب سے زیادہ امن، سلامتی کے ساتھ ہندوستان کے اندر طول طویل

عرصے تک سلطنت کی ہے۔ اس کے دین اور ایمان کا تو یہ عالم تھا۔ جیسا کہ اوپر مختصراً بیان کر آیا ہوں۔ باقی دوسرے خاندان مغلیہ کے بادشاہ یا تو عیاشی تھے۔ یا جنگ و جدل میں مصروف تھے۔ ایسے بادشاہوں کے زمانے میں اسلام کیا عروج کر سکتا تھا۔ اور اس حال میں کون اسلام کی تبلیغ کا کام کر سکتا تھا۔ جب کہ خود بادشاہ ایک بڑا جوگی یا برہمن بنا بیٹھا ہو۔ اور خود ایک نیا مذہب ایجاد کر چکا ہو۔

جب وکیل صاحب نے اپنی گفتگو ختم کی۔ تو میں نے اپنا جواب پھر شروع کر دیا۔

اے خدائے قدوس وکیل صاحب نے اکبر کی زندگی اور الحاد کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ وہ کسی حد تک صحیح بھی ہے۔ اور غلط بھی جس کتاب کا اس نے حوالہ دیا ہے۔ اس کتاب دربار اکبری میں تو یہ بھی درج ہے اور اس کتاب کو بغور مطالعہ کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اکبر اپنے شباب اور جوانی کے ایام میں ایک ٹھیٹھ مسلمان تھا اور اکبر زمانہ شباب میں قرآن، احادیث اور بزرگانِ دین کا بڑا معتقد ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ دربار اکبری جس کا کہ وکیل (علماء سو) نے اپنے بیان میں حوالہ دیا ہے۔ کے صفحہ ۳۲۰ پر درج ہے کہ

" اکبر کو اپنی سلطنت میں تقریباً ۲۰ برس تک مسائل اسلام کی پابندی اور علمائے اسلام کی عظمت کا بڑا خیال رہا۔" آگے چل کر فاضل بدایونی لکھتے ہیں۔ کہ "اکبر نے علماء کو اوقاف و انعامات اور وظائف اس قدر بخشے کہ اگر تمام بادشاہان ہند کی بخششوں کو ایک ہی پلّے میں رکھیں۔ اور صرف عہد اکبری کے انعامات کو دوسرے پلّے میں۔ تو بھی یہی جھکا رہے گا۔ لیکن آہستہ آہستہ اکبر کے دین اور عقائد کا بھاری پلّہ اپنے اصلی حال پر آ گیا۔ بلکہ قضیہ بالعکس ہو گیا۔"

وہ اکبر کہ جس نے بعد ازاں جا کر اسلام سے برگشتگی اختیار کی اور اپنا نیا مذہب

ایجاد کیا۔ اور تقریباً ملحد اور اسلام سے باغی ہو گیا تھا۔ جیسا کہ وکیل صاحب (علمأ سو) نے اپنے بیان میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے آغاز عہد کے حالات لکھتے ہوئے عہد اکبری کے فاضل بدایونی تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ زمانہ وہ تھا۔ جبکہ مخدوم الملک کا ستارہ غروب ہو رہا تھا۔ اور شیخ صدر طلوع پر تھے۔ اکبر کی تعظیم اور تکریم علمأ کا یہ عالم تھا کہ کبھی کبھی علم حدیث کے سننے کے لئے خود بادشاہ ان کے گھر جاتے۔ ایک دفعہ اکبر نے "شیخ صدر" کے جوتے ان کے سامنے اٹھا کر رکھے۔ (جو کہ تعظیم اور تکریم کی آخری حد ہے) غالباً دنیا میں کسی بادشاہ نے کسی عالم کی اس قدر تعظیم نہیں کی ہو گی۔ جتنی کہ اکبر نے عملاً ظاہر کی ہے۔ اسی اکبر بادشاہ نے اپنے ولی عہد شہزادہ سلیم کو اس کے حجرۂ تعلیم میں داخل کر دیا۔ تاکہ مولانا جامی کی چہل حدیث کا سبق لیا کرے" خود بادشاہ اکبر کے متعلق ملاّ صاحب بدایونی لکھتے ہیں۔ کہ

"شیخ کی ترغیب اور برکات صحبت سے اکبر خود بھی احکام شرعی کی پابندی میں حد سے گذر گئے تھے۔ حتیٰ کہ آپ (یعنی اکبر) خود آذان دیتے۔ خود امامت کراتے اور خود مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیا کرتے تھے" (ملاحظہ ہو صفحہ ۳۳)

آگے چل کر یہی ملاّ بدایونی لکھتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ اکبر عالم شباب میں جشن سالگرہ کی تقریب پر لباس زعفرانی پہن کر محل سرائے سے باہر آئے۔ تو شیخ الاسلام موصوف نے اکبر کو منع کیا۔ اور شدت تاکید کو اس جوش اور خروش سے ظاہر کیا کہ عصا کا ایک سرا بادشاہ کے جامہ کو لگا۔ مگر ادب اور تعظیم کے باعث اکبر نے کچھ جواب نہ دیا۔ (خاموش) محل سرائے میں چلے آئے اور آکر ماں سے شکایت کی۔

جانے دو۔ (بیٹا) یہ کچھ رنج کا مقام نہیں۔ بلکہ یہ تو تیرے لئے باعث

نجات ہوگا۔ (اکبر کی ماں نے کہا) کتابوں میں لکھا جائے گا کہ ایک پیر مفلوک نے (اکبر جیسے) بادشاہ عالی جاہ کو عصا مارا۔ اور بادشاہ شرع کے ادب کو ملحوظ رکھکر صبر کے ساتھ اس کو برداشت کر گیا۔" اس کے بعد ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۳۲ کا حاشیہ نشان ہذا۔

حضور عالی۔ وہ اکبر جس کے متعلق وکیل صاحب نے دربار اکبری کے حوالوں سے الحاد اور بے دینی کے اذکار بیان کئے ہیں۔ اس کی جوانی اور شباب کے اندر اسلام اور علمائے اسلام کے متعلق ان کا یہ حال تھا۔ کہ شہنشاہ ہند ہو کر علماء کے ہاتھوں پیٹے جانے پر بھی صبر کرجاتا تھا۔

اسی طرح سے

دربار اکبری کے صفحوں پر بھی مولانا بدایونی لکھتے ہیں۔ کہ

"عین دیوان میں دوپہر کے بعد جب "شیخ عبد النبی صدر" کرسئ غرور پر بیٹھ کر وضو کرتے تھے۔ تو آب مستعمل کی چھینٹیں تمام سر اور منہ پر اور امرائے کبار اور مقربان بلند رتبہ کے کپڑوں پر پڑتی تھیں لیکن (ادب اور تعظیم کے سبب) وہ کچھ پرواہ نہیں کرتے تھے۔" غرض کے بندے" برداشت کرتے جاتے تھے اور خوشامد و لگاوٹ سے جس طرح کہ شیخ چاہتے تھے۔ سلوک بھی کیا کرتے تھے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ صدر نے بادشاہ مہربانیوں کا صرف یہ فائدہ اٹھایا کہ وہ امرائے کبار کو وضو کی چھینٹیں پھینک

پھینک کر بے عزت کرتے اور اپنے جاہ و جلال کی نمائش کرتے رہے لیکن اپنے اسلامی شیخ صدر ہونے کا اسلام اور مسلمانوں کو کچھ بھی فائدہ پہونچانا ان کی سرشت میں نہیں تھا۔

آگے چل کر ملاّ بدایونی لکھتے ہیں۔

"لیکن جب وقت آیا۔ تو جو کچھ نگلا تھا۔ سب اگلوا لیا۔ کسی بھی بادشاہ کے زمانے میں کسی صدر کو بھی ایسا تسلّط۔ تصرف اور دبدبہ حاصل نہیں ہوا۔ لیکن اس کے بعد خاندان مغلیہ میں دین کے زور اور مذہبی اختیارات کے ساتھ خود صدر کا عہدہ بھی غذر میں آگیا اور پھر اس کے بعد نہ صدر الصدور رہا۔ اور نہ وہ اس کے اختیارات آخر کار شیخ صدر کے اس عجب اور غرور کی قلعی کھل گئی۔ اکبر ہوشیار اور زیرک تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ملاّ لوگ محض خدا اور رسول کا نام اچھال اچھال کر اپنی نفس پرستی میں لگے ہوئے ہیں۔ اس طرح سے آہستہ آہستہ علمائے دربار نے اکبر کو نہ صرف علماء سے بلکہ خود دین اور اسلام کے نام سے بھی بیزار کر دیا۔

ایسے علماء سو کو حضرت مولانا رومؒ اس گیڈر سے تشبیہہ دیتے ہیں۔ کہ جو کسی رنگ ساز کے خم میں گرا تھا۔ اور اس پر سرخ، سبز، زرد وغیرہ قسم قسم کے رنگ چڑھ گئے تھے۔ وہ گیڈر اپنی کھال پر قسم قسم کے ایسے خوبصورت رنگ دیکھ دیکھ کر۔ دوسرے گیڈروں پر لافیں مارتا اور شیخی بھگارتا پھرتا رہا۔ مولانا رومؒ ان بے عمل علماء اور مکار درویشوں کو اس گیڈر کی یہ مثال دے کر یوں مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ اے گیڈر تو جو مور ہونے کا دعویٰ بھگارتا رہتا ہے۔ اگر کبھی جا کر تیرا اگذر موروں کی جانب ہو گیا۔ اور چونکہ موروں کی طرح تجھے نہ وہ اصلی

حسن ہے۔ اور نہ وہ موروں کا سا جلوہ ہے۔ اس لئے اسے مور بننے کے دعی گیڈر تجھے ضرور رسوائی ہوگی۔

دوسری مثال میں آپ علمائے سو کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں، کہ اسے سگِ گرگین حرص اور لالچ کے اندھے تو اپنے اوپر شیر کا پوستین پہن کر شیر بننے کی بے سود کوشش نہ کر۔ کیونکہ شیر بننے کے لئے بڑے بڑے امتحان آئیں گے۔ اور تو کہ جس کے اخلاق کتوں کے سے ہوں۔ اوپر سے کھال شیروں کی پہن رکھی ہو تو۔ تو ہرگز اس امتحان میں کامیاب نہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ

ذیل میں مثنوی کے اصل اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہائے اے فرعون ناموسی مکن
تو شغالی ہیچ طاؤسی مکن

سوئے طاؤساں اگر پیدا شوی
عاجزی از جلوہ و رسوا شوی

اے سگِ گرگیں زشت از حرص و جوش
پوستینِ شیر را برخود مپوش

غرّۂ شیرت بخواہد امتحان
نقش شیر و آنکہ اخلاق سگاں

اے شغالِ بے جمالِ بے ہنر
ہیچ بر خود ظن طاؤسی مبر

زانکہ طاؤساں کنندت امتحاں
خوار و بے رونق بمانی در جہاں

حضور اقدس۔ مندرجہ بالا مستند تواریخی حقائق ہیں۔ جن کے مطالعہ سے

صاف صاف طور پر یہ حقیقت ایک روز روشن کی طرح سے الم آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہ اپنے آغاز عہد میں اکبر کتنا بڑا دیندار، متقی اور پرہیزگار تھا۔ اور وہ کس قدر علماؔ کی تعظیم اور تکریم کیا کرتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ ان کی جوتیاں بھی سیدھی کرتا رہا۔ آخر کار وہ خود دین اور اسلام سے بھی منحرف ہو گیا۔ اب اسکے بعد میں کچھ اور واقعات پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ جن سے صاف صاف معلوم ہو گا کہ اکبر نے کیوں ایسا پلٹا کھایا؟ اور وہ کیوں دین اور اسلام کا اس قدر معتقد ہونے کے بعد خود اس سے منحرف ہو گیا؟ اور اس نے کیوں دین الٰہی اکبر شاہی ایجاد کیا؟ اس کا پورا پورا ثبوت بھی ثقہ تاریخی روایات سے پیش کروں گا۔ اور یہ ثابت کر دکھاؤں گا کہ اکبر کی دین سے برگشتگی اور اس کا الحاد جس کا کہ وکیل علمائے سو نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔ یہ سب ان علمائے سو کے کرتوت۔ ان کی باہمی رسّہ کشی۔ ان کی کفر و تکفیر کے فتوے۔ ان کی زر پرستی اور ان کی خود غرضانہ چالوں کا نتیجہ تھا۔ کہ جن کو دیکھ دیکھ کر اکبر دین سے بیزار اور برگشتہ ہو گیا۔ یقیناً اس نے سمجھ لیا ہو گا۔ کہ جس دین کے علماؔ اور مشائخ کبار کی اپنی باطنی حالت اور کیفیت ایسی زبوں ہو تو وہ اس کو (یعنی اکبر کو) کیا روحانی فائدہ پہنچا سکیں گے۔ یہ فقط میری قیاس آرائی نہیں ہے۔ بلکہ میں ان میں سے ایک ایک چیز خود اکبر کے زمانہ کے سوانح نگار کی قلم سے جو کہ خود بھی ایک ملاّ اور مولوی تھا پیش کرتا ہوں۔

اکبر کے زمانہ کے علما کی باہمی رسّہ کشی

دربار اکبری صفحہ ۳۲۲ پر ملاّ بدایونی لکھتے ہیں۔

"جب یہ باتیں ہونے لگیں۔ اور بادشاہ کا مزاج لوگوں نے پھرا ہوا دیکھا۔

تو زمانے کے لوگ جو وقت کے منتظر بیٹھے تھے۔ بات بات میں گل کترنے لگے یا تو یہ عالم تھا علماؔ کا۔ کہ محدثی کا نقارہ بجتا تھا۔ کیونکہ مدینہ منورّہ سے حدیث کا فیض لیکر آئے ہیں۔ اور امانت ان کا حق ہے۔ کیونکہ وہ امام اعظمؒ کی اولاد ہیں یا اب یہ حال ہوا۔ کہ مرزا عزیز کوکہ نے کہا۔ کہ حدیث الحزم سوٗالظن کو بچہ بچہ جانتا ہے۔ حائے حطلہ اور زائے حطلہ سے ہے۔ لیکن شیخ نے شہزادہ کو حائے اور زائے حطلہ سے پڑھا دیا۔ یہ اس عالم کا حال ہے کہ جس کو علم حدیث پر بڑا گھمنڈ ہے۔ اور آپ نے اس کا رتبہ اس حد تک پہنچا دیا ہے۔

اسی سلسلہ میں آگے چل کر فاضل بدایونی لکھتے ہیں۔ کہ اب اسے ابوالفضل اور فیضی کا اقبال سمجھو یا خود مخدوم اور صدر کا ادبار۔ کہ ان دونوں یعنی مخدوم اور صدر کی باہم ٹھن گئی۔ اور جن جن مسئلوں اور فتووں میں افراط اور تفریط ہوئی تھی۔ ان میں ایک دوسرے کا لگے پردہ فاش کرنے۔ (اسی سلسلہ میں معلوم ہوا کہ) میر جلش کا قتل رفض کے جرم میں اور خضر خاں شروانی کا قتل اس جرم میں کہ پیغمبر صاحب کی جناب میں بے ادبی کی تھی۔ یہ ایک بے بنیاد تہمت تھی۔ اسی عرصے میں میر مقیم اصفہانی اور میر یعقوب حسین خاں حاکم کشمیر کی طرف سے تحائف پیش کرکے دہلی آئے تھے۔ یہاں اب یہ چرچا ہوا کہ کشمیر کے شیعہ سنّی فسادمیں جو ایک شیعہ قتل ہوا تھا۔ اور اس کے عوض میں سنّی مفتی مواخذہ میں آکر قید اور قتل ہوئے تھے۔ اس کا باعث بھی میر مقیم ہی تھا۔ شیخ صدر نے اس جرم کے انتقام میں کشمیر سے آئے ہوئے میر مقیمؒ[1] اور میر یعقوب دونوں کو قتل کر دیا۔ کیونکہ وہ

---

[1] کس قدر ظلم کی بات ہے۔ کہ کشمیر میں شیعہ سنی فسادات کے نتیجے میں جو سنّی قتل ہوئے تھے۔ ان کا عوض اس طرح لیا گیا۔ کہ کشمیر سے دو امیر کبیر مقیم اصفہانی اور میر یعقوب حسین خاں حاکم کشمیر کی طرف سے چند تحائف شہنشاہ اکبر کی خدمت میں پیش کرنے دہلی آئے تھے۔ شیخ صدر

شیعہ تھے۔ اب لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ بھی خون ناحق ہے۔ ان مقدموں کے علاوہ بھی یہ دونوں جلیل القدر عالم نئے نئے مسئلوں پر جھگڑے پیدا کرتے رہے۔ جس کا انجام یہ ہوا۔ کہ بادشاہ دونوں حضرات سے بے اعتقاد ہو گیا۔ میں نے سجدۂ ادب بجا لا کر کہا۔

حضور اقدس۔ اکبر کیا کرتا؟ اکبر نے تو ساری حکومت علماء کے ہاتھوں میں سونپ چھوڑی تھی۔ لیکن چونکہ وہ اب باہم ایک دوسرے کو خود ننگا کرنے لگے۔ اور باہم ایک دوسرے کا پردہ فاش کرنے لگے۔ تو یقیناً اکبر اس میں معذور تھا کرتا تو کیا کرتا؟

علمأ سو کا باہم جدل و اختلاف

ملا عبدالنبی صدر اور مخدوم الملک دونوں کا کام اور ان کا وظیفہ حیات اگرچہ یہی تھا۔ کہ جہاں بھی کوئی اہل اللہ اور صالحین امت دکھائی دیتا۔ ان کے خلاف فتویٰ بازی کرتے اور انہیں ستاتے اور ایذائیں دیتے۔ لیکن علاوہ ازیں ان کی باہم یک دیگر بھی خوب نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ اور لڑائی جھگڑے برپا رہتے تھے۔ آخر کار ان باہمی چپقلشوں کا نتیجہ جا کر یہ نکلا۔ کہ یہ دونوں باہم لڑتے لڑتے ختم ہو گئے ان کے متعلق ایک جگہ مولانا ابوالکلام تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

" سانپ اور بچھو ایک سوراخ میں جمع ہو جائیں گے۔ لیکن یہ علمائے دنیا پرست کبھی ایک جا اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ کتوں کا مجمع ویسے تو خاموش رہ سکتا ہے۔ لیکن ادھر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ ۴۳ ملا) کے حکم سے ان ہر دو یعنی میر مقیم اور میر یعقوب دونوں کو بے گناہ قتل کروا دیا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ دونوں شیعہ تھے۔ حالانکہ اس وقت بطور مہمان شاہی دہلی میں فروکش تھے لیکن کسی چیز کا بھی مفتی صاحب نے خیال نہ فرمایا۔

تقاضائی نے ہڈی پھینکی۔ اور ادہر ان کے پنجے تیز اور دانت زہر آلود ہو گئے۔ یہی حال ان سگانِ دنیا کا ہے۔ یہ بھی ساری باتوں میں متفق ہو جا سکتے ہیں۔ لیکن دنیا کی ہڈی جہاں سامنے آئی ہو۔ وہاں پہنچ کر اپنے پنجوں اور دانتوں پر قابو نہیں رکھ سکتے۔

علما کی باہمی رسہ کشی اور فتنہ انگیزی

صفحہ ۳۲۳ دربار اکبری پر ملاّ بدایونی لکھتے ہیں۔

(۲) "اب اکبر بادشاہ فتنہ انگیز (یعنی اس سے مراد فیضی اور ابوالفضل ہیں) اکسانے والوں سے اور نوخیز مفتیوں سے مسئلہ کی تحقیق کرنے لگے۔ ایک کہتا تھا شیخ سے تعجب ہے۔ وہ تو اپنے تیئں امام اعظمؒ کی اولاد بتلاتے ہیں۔ اور ان کا (یعنی امام اعظمؒ کا) یہ فتوٰی ہے۔ کہ کفار مطیع اسلام پیغمبر کی شان میں بے ادبی بھی کرے۔ تو عہد شکنی اور ابرار ذمہ نہیں ہوتا۔ یہ چیز فقہ کی کتابوں میں بکثرت لکھی ہوئی ہے۔ (پس) شیخ نے اپنے جد کی مخالفت کیوں کی"؟

(۳) صفحہ ۳۲۴ دربار اکبری میں ملاّ بدایونی لکھتے ہیں۔

اس اور اسقم کے اور وجوہات کے سبب سے شیخ عبدالغنی کا کام روز بروز تنزل پانے لگا۔ اور آہستہ آہستہ اس میں اور بادشاہ میں کدورت بڑھتی گئی۔ دل بھرتا گیا۔ اوروں کو بھی ترجیح ہونے لگی۔ اور نئے پرانے اختیار ہاتھ سے نکلنے لگے۔ دربار میں بالکل جانا چھوڑ دیا۔ شیخ مبارک (یعنی ابوالفضل اور فیضی کا باپ) بھی تاک میں لگے رہتے تھے۔ انہی دنوں کسی مبارک باد کے لئے آگرہ سے فتح پور پہنچے۔ ملازمت کے وقت بادشاہ نے یہ سارا ماجرا کہہ سنایا۔

انہوں نے کہا آپ خود بادشاہ عادل اور اپنے زمانہ کے امام ہیں (دیکھئے ایک ملاّ کسطرح سے دوسرے ملاّؤں کو اوندھے منہ گرا رہا ہے) شرعی ملکی احکام کے اجراء میں

ان کی (یعنی مخدوم اور صدر وغیرہ) علمار کی ضرورت ہی کیا ہے؟ یہ لوگ تو ماسوائے
بنیاد شہرت کے علم سے کچھ بہرہ ہی نہیں رکھتے۔ بادشاہ نے کہا۔ جب تم ہمارے آستا
ہو۔ اور میں نے سبق تم سے پڑھا ہے۔ تو ان ملّانوں کی منّت سے ہمیں خلاصی کیوں
نہیں دلا دیتے۔ وغیرہ وغیرہ اسی بنیاد پر محضر اجتہاد تیار کیا گیا؟ اس طرح
علمآ کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کو نیچا دکھانے اور دشمنی کی خاطر محضر ا
تیار کیا۔ جس میں اکبر جیسے جاہل اجہل بادشاہ کو امام اور عادل ٹھہرایا گیا۔ او
سارے علمآ نے ایک دوسرے کے ضد اور ڈر کے سبب محضر پر دستخط کر دیئے گئے

فاضل بدایونی آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ علمآ کی اس خانہ جنگی اور فرضی فتو
بازی نے علمآ کے فتووں کا سارا رہا سہا پول کھول دیا۔ اور اس کے بعد اکبر
کو ان کے فتووں کی بے بنیادی اور بے اصلی کا پورا پورا یقین جم گیا سبحان اللہ
وہ اکبر جو شیخ صدر کے گھر فیض علمی حاصل کرنے کے لئے خود حاضر ہوتا تھا۔ اور اپنے
ہاتھوں سے اس کی جوتیاں سیدھی کیا کرتا تھا۔ اس کا حال اسی ملّا بدایونی
کی زبانی سنیئے۔ وہ لکھتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

دربار اکبری صفحہ ۳۲۷

"خود بادشاہ نے انہیں کچھ سخت الفاظ کہے۔ یہ وہی شیخ صدر ہیں۔ جن
کے گھر میں خود بادشاہ حصولِ سعادت کے لیے جاتے تھے۔ جس ہاتھ کے ساتھ
جوتی ان کے سامنے رکھی تھی۔ آج وہی ہاتھ تھا۔ کہ اس عالم کہن سال کے منہ پر
تدور کا مکہ ہو کر پڑا۔ (یعنی اکبر نے شیخ صدر کو طمانچہ) دے مارا۔ اس بے چارے (مولوی)
نے (بادشاہ کو) صرف اتنا کہا۔ اور چپ ہو رہا۔ کہ "بکارد چرا نمے زنی" مارنے
سے تو اسے بادشاہ یہی بہتر تھا۔ کہ تو مجھے چھری سے ذبح کر ڈالتا۔

علماء کی باہمی رسہ کشی کا ایک منظر

اسی طرح سے ملاحظہ ہو۔ دربار اکبری صفحہ ۳۳۵

ابو الفضل اور فیضی کا باپ شیخ مبارک درخواست لیکر شیخ صدر کی خدمت میں گیا۔ اور عریضہ میں لکھا۔ کہ "سو بیگھہ زمین مدد معاش کے طور پر ہو جائے۔ (تو شکریہ) شیخ صدر اس وقت خدائی اختیارات کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ شیخ مبارک پدر ابو الفضل و فیضی کی فقط عرضی ہی داخل دفتر نہیں ہوئی۔ بلکہ بڑی بے نیازی اور کراہت کے ساتھ حکم ہوا۔ کہ یہ شخص رافضی مہدی ہے۔ اسے فوراً نکال دو۔ عذاب کے فرشتے دوڑے۔ اور شیخ مبارک کو فوراً نکال باہر کر دیا۔ اللہ اللہ۔ اس وقت اس پیر کہن سال۔ کوہ کمال۔ دریائے دانش کے دل پر کیا گذری ہو گی۔ آسمان کی طرف دیکھ دیکھ کر رہ گیا ہو گا۔ اور اپنے آنے پر پچھتایا ہو گا مگر زمانے نے کہا ہو گا۔ کہ گھبرا نہیں۔ میرا مزاج خود ان (گرم خشک) معجونوں کی برداشت نہیں رکھتا۔ یہ پرانے برج تمہارے نوجوانوں کی گھوڑ دوڑ میں ڈھائے جائیں گے۔ اور جلد دبا دیئے جائیں گے"۔

حضور اقدس تاریخ کا ایک، ایک واقعہ اس بات کی کامل شہادت ہے۔ کہ علمائے زمانہ باہم جوتی بیزار ہوتے رہے۔ باہم ایک دوسرے سے انتقام اور عوض معاوضے لیتے رہے۔ ہر ایک دوسرے کو گرانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ لیکن دین اسلام کے غلبے کا نام و نشان نہیں لیا۔ اکبر ان کی ان ذاتیات سے گھبرا گیا۔ اور خود اسلام سے بیزار، دست کش اور منحرف ہو گیا۔

علماء سو کا حسد اور شیطانی

(ملّا بدایونی کی زبانی - دیکھو صفحہ ۳۳۹ دربار اکبری)

" علمائے حسد پیشہ بادشاہی دربار میں مکر و فریب کی جنس کو سوداگری میں لگا کر فتنہ اور فساد اٹھاتے تھے - اکبر کے ابتدائی زمانے (جبکہ علماء مثلاً شیخ صدر وغیرہ کا عروج تھا) میں راستی پیشہ۔ سچے لوگ (دربار سے) الگ ہو گئے تھے - شیطانوں اور فتنہ پردازوں نے قابو پا لیا تھا۔ مقربان درگاہ (یعنی مخدوم اور شیخ صدر) باہمی عداوت پر کمر باندھے ہوئے تھے "

حضور اقدس علماء سو کے حسد، بغض، مکر و فریب کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

علماء سو کی انتقام گیری

(دیکھو صفحہ ۳۳۹ - دربار اکبری - ملّا بدایونی کی زبانی) (خلاصہ تحریر ابو الفضل) والد بزرگوار ان علماء (یعنی صدر اور مخدوم) کی دغابازیوں سے نجنت تھے۔ اور میں علم کے نشوں میں چور - دنیا پرست بے دینوں نے عقلمند دغویوں کی طرح حق گذاری اور دین آرائی کے رنگ میں جلسے جمائے - چند لالچیوں کے دلوں پر شبخون مار کر اکثروں کو گوشۂ نیستی میں بھیج دیا - اور بندوبست کرنے لگا - کہ ایک دو رُخا منافق شخص مکّار دوغلا پیدا کیا گیا - اس کو حاسدوں (یعنی صدر اور مخدوم علمائے دربار) نے کہا - کہ وہ روباہ بازی کے ساتھ والد کی نظروں میں خود کو نیک

اور یار سا بنگر آیا۔ دشمنوں نے اسے ایک سبق پڑھا کر بے ہوشی کا منتر سکھا کر آدھی رات کو بھیجا۔ وہ شعبدہ باز نیرنگ ساز اندھیری رات میں منہ بسورتا آنکھوں سے آنسو بہاتا۔ بڑے بھائی (یعنی فیضی) کے حجرہ میں پہنچا۔"

حضور اقدس۔ ان علماسو اور علمائے دربار کی زر پرستی۔ عشق کفرو کافری۔ حسد۔ بغض کے اذکار کے دریا کے تو چند قطرے ہیں۔ یا اس خرمن دجل اور فریب کے چند دانے ہیں۔ جو کہ بطور تمثیل پیش کر چکا ہوں۔ اس کی تفصیل منتخب التواریخ۔ دربار اکبری وغیرہ کتابوں میں مفصل درج ہے مختصر یہ ان گندم نما جو فروش دجاجلہ نے اپنی جبہ پوشی کے ذریعے اور اپنے اعصاؤں کے جلوؤں سے قرآن اور حدیث اور فقہ کا نام اچھال اچھال کر ایسی ایسی شعبدہ بازیاں اور مکاریاں دکھا دکھا کر اکبر کو دین سے منحرف کر دیا۔ حضور والا آخر اکبر بھی انسان ہی تھا۔ وہ اس طرح کی چالاکیوں اور فتنہ پردازیوں کو جو اس کے زمانہ طفولیت سے لیکر بڑھاپے تک دین کا فرضی جامہ پہنا کر پیش کیا جاتا رہا اکبر گھبرا کر دین کے بیزار ہو گیا۔ آخر الامر بادشاہ نہ صرف ان دجاجلہ اور ان دین فروش علمائے اسلام سے ہی بیزار ہوا بلکہ وہ خود نفس اسلام سے بھی فرار ہو گیا۔ اور ایسا گمراہ ہوا کہ پھر مرتے دم تک اسلام کا نام بھی نہیں لیا۔ وکیل صاحب کو معلوم ہونا چاہیے۔ کہ یہی تھیں وہ وجوہات جس سے گھبرا کر اکبر نے دین الٰہی اکبر شاہی ایجاد کیا۔ اور گوناگوں دوسرے الحاد اور ارتداد کے کارنامے دکھاتا رہا۔ جن کا کہ خود وکیل (علماء سو) نے ابھی ابھی اپنی تقریر میں ذکر کیا ہے۔

حضور اقدس۔ جائے غور اور انصاف ہے۔ کہ ان واقعات اور حالات پر نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو کیا برگشتگی کی یہ ساری ذمہ داری جاہل اکبر پر زیادہ پڑتی ہے؟ یا ان علمائے سو پر جنہوں نے کہ اکبر جیسے جاہل اجہل اور بے دین بادشاہ کے امام وقت ہونے کا محضر نامہ تیار کیا۔ اور دار الحکومت کے سب علماء

نے اس پر اپنی اپنی مہریں ثبت کر دیں۔ بعض علماء نے تو خود اس کو سجدے کئے۔ بعضوں نے اس کے حق میں اجتہاد کے فتوے لکھے۔ حتیٰ کہ وہ نیا مذہب جو کہ اکبر نے ایجاد کیا تھا۔ وہ خود ابوالفضل اور فیضی جیسے علمائے دین کا مرہون منت ہے۔ الغرض اکبر نے جو جو ہزلیات بکیں۔ جو جو کفر اور الحاد کے دعوے کئے خود علمائے اسلام نے اس کی پشت پناہی کی۔ اور اس کی پیٹھ ٹھونکتے رہے اور آمنا وصدقنا کے نفیر بجاتے رہے۔ یہ سب تاریخی واقعات ہیں۔ اور صحیح حقائق ہیں جس سے کسی کو مجال انکار نہیں۔

دربار اکبری جو اس وقت بھی میرے سامنے ہے۔ ۸۴۸ صفحوں کی ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کتاب کا ایک ایک ورق اس بات کی مستند شہادت دے رہا ہے۔ کہ اکبر نے تو علماء کی بڑی قدر دانی کی۔ اس نے انہیں بڑے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا۔ اور وہ خود برائے نام بادشاہ بنا رہا۔ اختیارات سلطنت سب انہیں کو سونپ دیئے۔ . . لیکن ان بدنصیبان ازلی نے ہر چیز کو ذاتی اغراض۔ ذاتی نفع اندوزی۔ پارٹی بازی۔ فتنہ پردازی اور فتوا بازی کی بھینٹ چڑھا کر بادشاہ کو نہ صرف اپنی ذات سے باغی کر دیا۔ بلکہ بادشاہ نے ان کی حالت کی باطنی گمراہیوں کا بالکل قریب سے مطالعہ کر کے وہ ان سے ناامید ہو گیا۔ (شعر)

زبان کشیدہ بدا را لقضائے عجب دریا
شہود کذب زدعوئ گراں ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہاں ایں است
ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی
(فیضی)

علمائے دربار اکبری کی زر پرستیوں کی کہانی

خود مُلّا بدایونی کی زبانی

(دیکھو صفحہ ۳۱۸ دربار اکبری)

"ان کے (یعنی مخدوم اور صدر) کے مکان اور املاک لاہور میں تھے۔ اور ان کے گھروں میں بڑی بڑی قبریں بنوائی ہوئی تھیں۔ جن کے لمبے لمبے طول اور عرض بزرگان مرحوم کی مقدار بزرگی کو ظاہر کرتی تھیں۔ عموماً ان قبروں پر سبز غلاف پڑے رہتے تھے۔ اور شام ہونے سے پہلے دن ہی دن کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ ان پر ہر وقت تر و تازہ پھول پڑے رہتے تھے۔ یہاں پھول پتے لگانے والوں نے پتے لگائے۔ اور بادشاہ کو جا کر خبر دی کہ حضور یہ مزارات، اور قبریں محض دکھاوے کے لئے ہیں لیکن حقیقت میں ان کے اندر دفینے اور خزانے دبے پڑے ہیں۔ جو کہ خلق خدا کے گلے کاٹ کاٹ کر جمع کئے گئے ہیں۔ قاضی علی فتح پور سے لاہور میں آیا۔ اور ان قبروں کو جب کھدوا گیا۔ تو ان سے اس قدر دفینے اور خزینے نکلے۔ کہ قیاس اور گمان میں بھی نہیں آ سکتے تھے۔ اس گنج خانے میں سے چند ایسے صندوق نکلے۔ کہ ان میں سونے کی اینٹیں چنی ہوئی تھیں۔ اور ان کو مردوں کے بہانے سے دفن کیا ہوا تھا۔"

علمائے دربار کی فتوٰی بازی اور مشق تکفیر

حرص اور زر پرستی سے خورا بچائے۔ اس کے متعلق حضرت مولانا روم نے

کیا خوب کہا ہے۔ (مثنوی)

حرص در پیری جہودی در را مباد ۔ لعنتی کش خدا ایں حرص داد
ریخت دندانہائے سگ چوں پیر شد ۔ ترک مردم کرد و سرگین گیر شد
ایں سگان شصت سالہ را نگر ۔ ہر دمے دندان سگ شان تیز تر
پیر سگ را ریخت پشم از پوستین ۔ ایں سگان پیر اطلس پوش بین
عشق شان و حرص شان در فرج دلد ۔ دمبدم چوں نسل سگ بین بیشتر
زیں چنیں عمرے کہ مایہ دوزخ است ۔ مر قصابان غضب را مسلخ است

جب میں نے ان مشائخ کبار کے سونے چاندی کے ان دفینوں کا ذکر کیا دربار قدسی میں ایک قسم کی ہل چل مچ گئی۔ حضور سرور عالم کا چہرہ مبارک غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ امام اعظم پر غم و الم طاری ہوا۔ امام غزالیؒ اور مولانا رومؒ نے حیرت اور استعجاب کے عالم میں انگلیاں منہ میں لے لیں۔ میں نے دربار قدسی کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا۔ کہ حضور والا اکبر جیسے جاہل آدمی کا کیا قصور۔ اکبر شہنشاہ وقت ہو کر بھی ان کی جوتیاں سیدھی کرتا رہا۔ لیکن جب اس نے ان کی خانگی حالات اور ان کی باطنی کیفیات کا یہ عالم دیکھا۔ کہ ایسے بڑے مشائخ کبار جو رات دن سنت۔ سنت کا ڈھنڈورہ پیٹتے رہتے تھے۔ وہ مشائخ جن کے حکم سے سینکڑوں مسلمانوں کے سر قلم ہوئے تھے۔ اکبر جس نے ساری حکومت کی باگ ڈور ان علماء مشائخ کے ہاتھوں دے دی ہوئی تھی۔ جب ان کی زرد پیلے اور سونے چاندی کے دفینوں کو قبروں سے نکلوا کر بچشم خود اکبر نے ملاحظہ کیا ہوگا تو یقیناً وہ حیرت اور استعجاب کے اندر ڈوب گیا ہوگا۔ اور وہ حیران ہو ہو کر سوچتا ہوگا۔ کہ ہیں! جن بزرگان دین کا اپنا حال ایسا ہو تو ان سے مجھے کیا حاصل ہوگا؟

بقول سعدی (ع)

ہر کہ خود گم است کرا رہبری کند

پس علمائے زمانہ کی اس قسم کی لبر پرستی۔ زر اندوزی۔ کفر و کافری تعصب اور باہمی رسہ کشی وغیرہ کے ان حالات کو دیکھ کر اکبر لرز گیا۔ اور وہ نہ صرف ان شائخ کبار اور علماء سے دل برداشتہ ہو گیا۔ بلکہ وہ خود دین اسلام سے بھی باغی ہو گیا۔ درحقیقت اکبر کیا اکبر کی جگہ کوئی اور بھی اگر ہوتا۔ تو ایسے علمانے جو رات دن اوروں کو پاکدامنی کا وعظ کرتے ہوں۔ دنیا پہ ہزار ہزار لعنتیں بھیجتے ہوں۔ اہل دنیا کو برا بھلا کہتے ہوں۔ لیکن خود ان کی حالت یہ ہو کہ ان کے دفینے اس طرح ظاہر ہوں۔ کہ انہیں بزرگان دین کی قبریں بنا کر ان پہ پھول چڑھا کر ان سے دعائیں مانگی جاتی ہوں۔ یہ حالات دیکھ کر یقیناً ہر شخص کا عقیدہ فسخ ہو جاتا۔ اس میں فقط اکبر کا کیا قصور ہے؟ الغرض جو کچھ بھی ہوا یہ سب خود علماء کی مہربانی تھی جس کو دیکھ دیکھ کر اکبر دین سے منحرف ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ اور ہمیں آج اسی کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

حضور اقدس۔ اس قدر گذارش کرنے کے بعد میں دکیل علما سو سے پوچھتا ہوں۔ کہ کیا وہ احادیث جو علمائے ربانی کے حق میں وارد ہوتی ہیں۔ جن کا کہ دکیل صاحب نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے۔ کیا ایسے علما پہ ان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ کیا ایسے علما پر جن کا اوپر ذکر ہوا۔ سمندروں کی مچھلیاں پانی میں اور چیونٹیاں اپنے بلوں میں ان پہ رحمت بھیجتی ہوں گی یا لعنت؟

مثنوی

از خدا نہ پوسے اور اسنے اثر   دعویٰش افزوں ز شیث و بوالبشر

دیو نموده دراہم نقش خویش
او ہمے گوید کہ زاہد انیم بیش
حرف درویشاں بدزدیدہ بسے
تا گماں آید کہ ہست او خود کسے
خردہ گیرد در سخن بر بایزید!
ننگ دارد از درون او یزید
ہرکہ پندارد مراد را بایزید
روز محشر حشر گردد با یزید!

دربار قدسی مآبؐ کی طرف مخاطب ہو کر میں نے بصد نیاز عرض کیا۔ کہ کیا ان تاریخی مستند واقعات کو مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کرنا صحیح نہیں ہے کہ ہندوستان کی اس طویل عہد حکومت اور حکمرانی سے کچھ فائدہ نہ اٹھانا۔ اللہ کی دی ہوئی اس نعمت عظمیٰ کو یوں فضول دھڑا بندیوں میں۔ کفر و کافری میں۔ شیعہ اور سنی کے جھگڑوں میں۔ علماء کی باہم رسہ کشی میں۔ ضائع کر دینے کی ساری ذمہ داری تو علماء سے وقت پر نہیں پڑتی ہے؟

ہمارے اکثر علماء مخدوم۔ اور شیخ صدر کی طرح اپنے اقتدار سے قوم مذہب اور دین اسلام کو فائدہ پہنچانے کے بجائے ذاتی حرص اور لالچ سے گمراہ ہو کر سونا چاندی جمع کرنے میں لگے رہے۔ اگر ہمارے یہ علماء اور مشائخ کبار بادشاہوں کی مہربانیوں سے ناجائز فائدے اٹھانے کے بجائے اسلامی سلطنتوں کی قوت سے فائدہ اٹھا کر تبلیغ کرتے۔ مسلمانوں کی تالیف قلوب اور کفار کو اسلام کی طرف راغب کرتے رہتے تو یقیناً اس ۹ سو برس کی طویل حکمرانی اور سلطنت کے اثر سے آج اگر سارا ہندوستان مسلمان نہ ہو گیا ہوتا۔ تو اکثریت تو یقیناً ہمارے

ہاتھ میں ہوتی۔ لیکن افسوس صد افسوس۔ کہ شاہان اسلام نے تو علما کی اپنے ہاتھوں جوتیاں تک سیدھی کیں کبھی اگر علما نے بادشاہوں کو تنبیہ کی تو وہ ڈر گئے اور ہمیشہ ان کا فرمان مانتے رہے۔ حتیٰ کہ جیسا اوپر ذکر ہوا۔ اکبر کو استاد نے مارا۔ تو بھی وہ اس کو برداشت کر گیا۔ اسلامی تاریخ کو مطالعہ کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دراصل حکومت علماء کی تھی۔ بادشاہ محض برائے نام ہوتے تھے۔ پس اگر ہمارے علماء حق پسند ربانی ہوتے۔ اگر ہمارے علماء کو سونے چاندی کے درد کی جگہ قوم اور ملّت کی برتری کا درد ہوتا۔ تو ہمیں ہرگز ہرگز ہندوستان میں آج یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

اے حضور اقدس۔ چاہئے تو یہ تھا۔ کہ ہم لوگ ان علمائے سو کی ایسی ایسی درد انگیز شکایات سے کر داد خواہی کے لئے حضور اقدس کا دروازہ کھٹکھٹاتے نہ کہ الٹا چور کو توال کو ڈانٹے۔

حضور اقدس۔ ذیل کے مستند تاریخی ثقہ روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان علمائے اسلام نے سونے چاندی کے انعام و اکرام اور جاگیروں کے لالچ میں آ کر اکبر کے لئے سب ناروا کو روا بنا ڈالا۔ تفصیلات درج ذیل ہیں۔

(۱) مثلاً بادشاہ نے کتوں کو پسند کیا۔ تو لوگوں نے کتوں کی زبان منہ میں لے کر چوسنا شروع کر دیا۔

(۲) اکبر بادشاہ جیسے ایک جاہل مطلق کو علمائے وقت نے "امام عادل" قرار دے دیا۔

(۳) مکہ معظمہ سے عالم پہنچ گئے۔ اور اکبر کو امام مہدی کا فتویٰ دیدیا گیا۔

(۴) ایک مولوی صاحب نے اکبر کا میلان دیکھ کر قرآن اور پُران یعنی ہندؤوں کی مذہبی کتاب کو ایک کر دینے کی کوشش کی۔

(۵) بادشاہ تناسخ پر مائل ہوا۔ تو علما نے قرآن اور احادیث سے تناسخ ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بعضوں نے کتابوں کے حوالوں سے اکبر کو سجدہ کرنا روا بنا دیا۔ ذیل میں اس کی تفصیلات اور دربار اکبری کے صفحات کے حوالہ جات عرض کروں گا۔

دربار اکبری

صفحہ ۷۶، ۷۷ ملّا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ۹۹۳ھ کے جشن میں دربار خاص تھا۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ کہ میر عبدالحی صدر جہان مفتی کل ممالک ہندوستان نے اپنے دلی شوق و ذوق سے جام طلب کرکے نوش جان فرمایا۔ اکبر نے مسکرا کر خواجہ حافظ کا یہ شعر پڑھا۔

در عہد بادشاہ خطا بخش و جرم پوش
قاضی پیالہ کش شد و مفتی شراب نوش

ایسے علما جنہوں نے بادشاہوں اور حکام کا رخ دیکھ کر مذہب کا حلیہ بگاڑ دیا۔ علما میں ایک مشائخ تھے۔ اور خاص حضرت شیخ مان پتی کے بھتیجے تھے۔ اپنے عم بزرگوار کے کتب خانہ میں سے ایک کرم خوردہ کتاب لے کر تشریف لائے اس میں سے حدیث دکھائی۔ کہ آنحضرت کی خدمت میں ایک صحابی تشریف لائے بیٹا ساتھ تھا۔ اس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے دیکھ کر فرمایا۔ کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہو گی۔ بعض جعل ساز فقیہوں نے کتب فقہ میں سے یہ فقرہ داڑھی منڈھانے کے جواز کی سند میں نکالا کما یفعلہ بعض القضات وعصات

کو ظالموں نے قضات پڑھ دکھایا۔ غرض تمام دربار منڈھ کر صفاچٹ ہو گیا۔

اہل ایران و طوران جن کی داڑھی کی خوبصورتی تصویر کا عالم دکھاتی تھی۔ اُن کے رخسارے میدان لق و دق نظر آنے لگے۔ مُلّا صاحب بدایونی لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کے مذہب کا ایک مشہور مسئلہ ہے۔ کہ دس جانور ہیں۔ جن کی صورت میں خدا نے ظہور کیا ہے۔ ایک اُن میں سے سوؤر ہے۔

بادشاہ نے بھی اُس کا خیال کیا۔ اور زیر جھروکہ اور بعض مقامات میں جو ذکر یہ لوگ اشنان کو آتے تھے۔ سوؤر پلواتے۔ کتے کے فضائل میں یہ دلیل پیش کی کہ آئیں دس خصلتیں ایسی ہیں۔ کہ ایک بھی اگر انسان میں ہو تو ولی ہو جائے بعض مقربان درگاہ نے کہ خوش طبعی اور ہمہ دانی اور ملک الشعرائی سے ضرب المثل ہیں۔ اور بعض مردود شاعر ہندی، د عراقی فخر سے اُن کی یعنی کتوں کی زبانیں منہ میں لیتے تھے

پھر اگرچہ مطلب تو جن سے تھا انہیں سے تھا۔ مگر علما فضلا قاضی و مفتی اور بڑے بڑے عمامہ بند حضرات جن کے فتوؤں کو لوگوں کے دلوں میں گہری تاثیریں تھیں، سب بلائے گئے۔ اور ٹھریں ہو گئیں۔ اور ۹۹۷ھ میں علماء کی مہم عظیم فتح ہوئی۔

حضور اقدس گیاورف یہ ایک ہی مثال اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ کہ اکبر کی ساری خرابی کی ذمہ داری عہد اکبری کے علما سوکے کاندھوں پر پڑتی ہے۔ مندرجہ بالا بیان سے یہ بات کافی سے زیادہ پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے۔ کہ علما دور اکبری نے ایک دوسرے کی ضد۔ ہٹ دھرمی عجیب اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے کس طرح ایک دوسرے کو بے عزت اور کمزور کرنے کی کوششیں کیں۔ عہد اکبری میں شیخ مبارک اور اس کے فرزند ابوالفضل اور فیضی ایک دھڑے میں تھے۔ اور شیخ الصدر اور شیخ المشائخ مدمقابل فریق تھا۔ اب مُلّا

مبارک نے اپنے حریفوں کو گرانے کے لئے ایک فتویٰ لکھا۔ کہ بادشاہ کی رائے علماء مجتہدین کی رائے سے افضل ہے۔ اور سب علما ایک دوسرے کی ضد اور ڈر سے اس پر دستخط کرتے گئے۔ یہ کسی نے بھی نہ دیکھا۔ کہ اکبر جیسا ایک جاہل اجہل کی رائے کیسے علمائے دین سے افضل ہو سکتی تھی۔

دورِ اکبری کے علما کی فتویٰ فروشی خوشامد

اور

چاپلوسی کی چند مثالیں

دیکھو صفحہ ۸۴ دربار اکبری

علمائے عہد درباروں اور سرکاروں میں دوڑتے پھرتے تھے۔ لیکن ملّا مبارک اپنے گھر کے گوشہ میں علم کی دوربین لگائے بیٹھا تھا۔ اور ان شطرنج بازوں کی چالوں کو دور سے دیکھ رہا تھا۔ کہ کہاں پڑتے ہیں۔ اور کہاں چوکتے ہیں۔ چونکہ بے غرض دیکھنے والا تھا۔ اس لئے ان کی چالیں اُسے خوب سوجھتی تھیں۔ اس نے ان لوگوں کے تیر ستم بھی اتنے کھائے تھے۔ کہ دل چھلنی ہو رہا تھا۔ شیخ مبارک کی تجویز سے یہ صلاح ٹھہری۔ کہ چند عالموں کو شامل کر کے آیتوں اور روایتوں کی اسناد سے ایک تحریر لکھی جائے۔ خلاصہ جس کا یہ کہ امام عادل کو جائز ہے۔ کہ اختلافی مسئلے میں اپنی رائے کے بموجب وہ جانب اختیار کرے۔ جو اُس کے نزدیک مناسب وقت ہو۔ اور اس کی تجویز کو علماء مجتہدین کی رائے پر ترجیح ہو سکتی ہے۔ مسوّدہ شیخ مبارک نے تیار کیا۔ قاضی جلال الدین ملتانی صدر جہاں مفتی کل ممالک ہندوستان خود شیخ موصوف غازی خاں بدخشی نے اول دستخط کئے۔

دورِ اکبری کے علما کی فتوابازی اور خوشامد

صفحہ ۶۵ دربار اکبری

"بعض شیطان طینتوں نے کہا۔ کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ اختلاف مذاہب جو سلف سے چلا آتا ہے۔ اُن کا دفع کرنے والا آئے گا۔ اور سب کو ایک کر دے گا۔ وہ اب آپ (یعنی اکبر) پیدا ہوئے ہیں۔ نیز بعض کتب قدیم کے اشاروں سے ثابت کر دیا۔ کہ ۹۹۰ھ میں اس کا ثبوت نکلتا ہے۔ نیز ایک اور عالم کعبۃ اللہ شریف سے ایک رسالہ لے کر تشریف لائے۔ اُس میں اتنی بات کو پھیلایا تھا۔ کہ دنیا کی ۷ ہزار برس کی عمر ہے۔ وہ ہو چکی۔ اب حضرت امام مہدی کے ظہور کا وقت ہے۔ سو وہ آپ ہیں۔ قاضی عبدالمسیح میانکالی قاضی القضاۃ تھے۔ اُن کا خاندان تمام ماوراء النہر میں عظمت اور برکت سے نامور تھا۔ مگر یہاں بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر یہ عالم تھا۔ کہ بازی لگا کر شطرنج کھیلنا ان کا وظیفہ حیات بن گیا تھا۔"

"ایک بڑے خاندانی مشائخ تھے۔ بادشاہ کو دیوی برہن کی خوابگاہ پہ جاتے دیکھ کر انہیں بھی شوق پیدا ہوا۔ اور ایک حیلہ کی کمند پھینک کر خوابگاہ پہ پہنچنے لگے۔ بہت مقاصد قرآن کے اور مطالب پران کے ملا کر ایک کر دئے۔ وحدت وجود کی بنیاد رکھ کر ہمہ اوست کا منارہ بلند کیا۔ اور فرعون کو بھی مومن ثابت کر کے کسی کو بھی ایمان سے محروم نہ رکھا۔ بلکہ منقوش خاطر کر دیا۔ کہ مغفرت کی امید ہمیشہ خوف وعذاب پہ غالب ہے۔"

حضور اقدس ان بڑے بڑے مشائخ نے بجائے اکبر کی اصلاح کے قرآن

اور پران کو باہم ایک ثابت کرنے کی کوشش کی۔

علماسو کی فتوے بازی خوشامد اور چاپلوسی

دربار اکبری صفحہ ۷۰ و ۷۱

"ملا صاحب فرماتے ہیں ۹۸۳ھ جلوس کے بعد زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا۔ کیونکہ بعض دین فروش ملا بھی شامل ہو کر ان کے ساتھ ہمداستان ہو گئے۔ نبوت میں کلام وحی میں سکوت ہونے لگے معجزے کرامت۔ جن۔ پری۔ ملائک جو آنکھ سے غائب اس کا انکار۔ قرآن کا تواتر۔ اس کا کلام الٰہی ہونا سب باتوں کے لئے ثبوت طلب۔ تناسخ پر رسالے لکھے گئے۔ اور قرار یہ پایا۔ کہ اگر مرنے کے بعد ثواب یا عذاب ہے۔ تو تناسخ ہی سے ہوسکتا ہے۔ اس کے سوا کوئی صورت ہی ممکن نہیں۔ ایک فقرہ کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے۔ مامن مذہب الا و فیہ قدم راسخ للتناسخ اتنی سی بات کو بڑھا کر بہت سے پھیلاوے پھیلائے۔ ارباب زمانہ اس قسم کے اشعار پڑھتے تھے۔ اور خوش ہوتے تھے۔

درحقیقت بدست گورے چند
مصحفے ماند و کہنہ گورے چند
گو یا کس سخن سنے گوید
سر قرآن کسے نمے جوید"

حضور اقدس جب علمانے اکبر کی طبیعت تناسخ پر مائل دیکھی۔ تو حضرت ملا صاحبان خود تناسخ کے حق میں مفتی بن کر فتوے دینے لگ گئے۔ اکبر نے گویا اگر کفر کی طرف منہ پھیرا۔ تو ان حضرات نے اس کی اس طرف کو ہاتھ

پکڑ کر راہ نمائی کی۔

اکبر کے لئے سجدہ جائز کر دیا گیا

ملاحظہ ہو صفحہ ۷۰ و ۷۱ دربار اکبری

"انہوں نے ثابت کر دیا۔ کہ انسان کامل جو پہلے پیغمبر تھے۔ وہ اب خلیفۃ الزمان ہے۔ اور وہی عین واجب ہے۔ کم سے کم اس کا پَر تو ضرور ہے۔ پس قبلۂ مرادات اور کعبۂ حاجات وہی ہے۔ سجدہ اُس کے لئے جائز ہے۔ کہ فلاں فلاں پیروں کو اُن کے مرید کیا کرتے تھے۔ شیخ یعقوب کشمیری نے۔ کہ اپنی مشہور تصنیفوں سے مرشد اور مقتدائے وقت مشہور تھے۔ اس معاملہ میں بعض تمہیدیں عین القضات ہمدانی سے نقل کیں اور ایسی ایسی بہت سی گمراہیاں پھیلائیں"

اکبر کے لئے سجدہ کا جواز

دیکھو صفحہ ۷۴ دربار اکبری

"ابوالفضل و فیضی کا ناحق نام بدنام ہے۔ کر گئے داڑھی والے پکڑے گئے مونچھوں والے۔ غازی خاں بدخشی نے کہا۔ کہ بادشاہ کو سجدہ جائز ہے۔ علماء نے کان کھڑے کئے غل مچایا۔ گفتگو کے سلسلے پھیل کر اُلجھے۔ معترض ملاؤں کے جوش نہ دم لیتے تھے۔ نہ لینے دیتے تھے۔ جواز کے طرف دار بڑی ملائمت سے انہیں روکتے اور اپنی بنیاد جماتے جاتے تھے۔ کہتے تھے کہ عہد سلف پر نظر کرو۔ امت ہائے قدیمہ کو دیکھو۔ وہ عموماً اپنے بزرگوں کے سامنے

تحفۂ عجز و نیاز سمجھ کر ادب سے پیشانی زمین پر رکھتے تھے۔ ملائکہ کا سجدہ حضرت آدم کو کیسا تھا۔ ج ظاہر کہ تعظیمی باپ اور بھائیوں کا سجدہ حضرت یوسف کو کیوں تھا۔ ج تحفۂ ادب پیش کیا تھا۔ نہ کہ پرستش بندگی بس وہی سجدہ یہ ہے پھر انکار کیوں۔ اور تکرار کیسا؟"

"لطیفہ۔ طرہ اس پر یہ ہے۔ کہ ملا عالم کابلی ہمیشہ افسوس کیا کرتے تھے کہ ہائے مجھے یہ نکتہ نہ سوجھا حریف بازی لے گیا۔"

حضور اقدس کی ذات پاک تو سہو و نسیان سے کلی پاک ہے۔ کہ جب میں اپنے بیان کے اندر یہاں پہنچا تھا کہ ہائے افسوس اور ندامت ہے۔ کہ ہندوستان کی وہ سرزمین جہاں مسلمان بادشاہوں نے ۹۰۰ سو برس کامل سلطنت اور حکمرانی کی ہو۔ جس فضا کے اندر ہزاروں برس تک یہ پرچم اسلامی لہراتا رہا ہو۔ جہاں محمود غزنوی کے زمانے سے لے کر انگریزی عملداری کے آغاز تک ہر طرف اللہ اکبر کے نعروں کی گونج رہی ہو۔ ہمارے لئے بڑے شرم اور ندامت کا مقام ہے کہ آج اسی ممالک ہند کی سرزمین کے اندر ہم مسلمان کمزور ہوں۔ اقلیت میں ہوں اور بزور ان کو ہندو بنایا جاتا ہو۔ آج مسلمان بھارت کے اندر اسی اقلیت کے باعث ہندوؤں اور سکھوں کے رحم اور کرم پر جی رہے ہیں۔ اور بالکل غلامانہ قسم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تو حضور اقدس اس پر وکیل علما سو کو سخت غصہ آیا تھا۔ اور اس نے مسلمانوں کے ضعف اور اقلیت کی ساری ذمہ داری علماء کے بجائے اکبر کی قسم کے بے دین بادشاہوں کے سر تھوپنے کی کوشش فرمائی تھی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہ مغلیہ خاندان کا سب سے نامی بادشاہ اکبر ہو گزرا ہے۔ اکبر خود ملحد اور بے دین تھا۔ وغیرہ وغیرہ

اس لئے میں نے بھی حضور اقدس کی خدمت میں عہد اکبری کو لے کر

مستند تاریخی واقعات سے یہ بات ثابت کر دی ہے۔ کہ اکبر شروع عہد حکومت میں بڑا دیندار تھا۔ اور ایک پکا مسلمان تھا۔ لیکن اس کو خراب کرنے والے بھی وہی (اس زمانے کے) علمائے اسلام اور مشائخ کبار ہی تھے۔ میں نے اسی زمانے کے ثقہ مورخین کے کئی واقعات نکال نکال کر پیش کئے ہیں۔ اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کہ کس طرح سے ان علمائے عبید الدنیا نے شہنشاہ اکبر کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے خدا کو اپنے رسول کو اور اس کی شریعت کو پس پشت پھینک دیا تھا۔

بادشاہ نے اگر شراب پیا ہے۔ تو ان بزرگواروں نے بھی ہاتھ بڑھا کر اس جام شراب کو نوش فرمایا ہے۔ اگر شہنشاہ نے داڑھی منڈانے کا خیال کیا ہے۔ تو ان حضرات نے نہ صرف داڑھیاں منڈھائی ہیں۔ بلکہ اس کے جواز کے فتاویٰ بھی پیش کر دیئے ہیں۔ اگر بادشاہ کی طبیعت کتوں کی طرف مائل ہو گئی ہے۔ تو کئی بزرگوں نے نہ صرف کتوں کی تعریف اور توصیف کی ہے۔ بلکہ ان میں سے بعضوں نے تو خود کتوں کی بے حد تعریف اور توصیف کے پل باندھ دیئے ہیں۔ کئی دوسرے مصاحبین نے تو بادشاہ کی رغبت طبعی کو دیکھ کر کتوں کی زبانیں اپنے منہ میں لیکر چوسنا شروع کر دیں ہیں۔

دور اکبری کے سب مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے۔ کہ شہنشاہ اکبر کو خوش کرنے کے لئے علمائے دنیا پرست نے نہ صرف خود اس کو سجدہ کیا ہے۔ بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی سجدے کرنے کے جواز کے فتویٰ دیئے گئے ہیں۔ درحقیقت اکبر بادشاہ ان علمائے دربار کے کرتوتوں سے گھبرا گیا تھا۔ اس لئے اس نے چاہا کہ ان سے مخلصی حاصل کی جائے۔ اب وہ علما کا اقتدار ہاتھ میں لے لینا چاہتا تھا تو سب علما نے ملکر دستخط دے دیئے اور اکبر جیسے ایک ملحد بادشاہ کو "امام

عادل" کا فتویٰ دے دیا۔

حضور اقدس کیا ان واقعات پر نظر کرتے ہوئے میں اور میرے ہم خیال احباب حق بجانب نہیں ہیں۔ کہ مسلمانوں کی موجودہ جاہلیت ان کی اقلیت اور دوسری ساری کمزوریوں کی ذمہ داری علما کے اس طبقے پر پڑتی ہے۔ جنہوں نے اسلامی دور حکومت کو یوں فضولیات اور ذاتیات کے اندر ضائع کر دیا۔ اور ان اسلامی سلطنتوں اور حکومتوں کے ہزاروں برس کے اندر اقتدار سے علماء نے قوم کو تو کچھ بھی فائدہ نہ پہنچایا۔ بلکہ باہمی لڑائیوں ہوس پرستیوں، زر اندوزیوں کفر و کافری کے فتووں، مسلمانوں کو باہم دیوبندی اور بریلوی کے نام پر لوٹ اور لشکر کے حیلے بہانے سے۔ شیعہ سنّی وہابی وغیرہ کہہ کہہ کر باہم سر پھٹول کراتے رہے۔ یہی ہیں وہ اسباب جنکے باعث مسلمان آج جاہلیت اور غلامی کی زندگی گزارنے کے لئے مجبور ہو رہے ہیں۔

اے اللہ! ہمارے ان تین بڑوں یعنی ہمارے علما فقرا اور امرا کی حالت فی زمانہ سخت ناگفتہ بہ ہو گئی ہے۔ ان کے متعلق حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ علم کے ایک جھوٹے مدعی یعنی کسی عالم بدکار نے ایک درویش سے پوچھا کہ آپ نے یہ سیاہ ماتمی لباس کیوں پہنا ہے۔ اس درویش سیاہ پوش نے کہا کہ نبی کریمؐ سے دنیا میں تین چیزیں باقی رہی ہیں یعنی فقر، علم اور تلوار۔ تلوار بادشاہوں کو دی گئی تھی۔ افسوس کہ انہوں نے اس کا بے موقعہ ظلم ظالمی کے اندر استعمال کیا۔ علم علما کو ملا تھا لیکن انہوں نے فقط پڑھنے پڑھانے پر اکتفا کیا یعنی اس علم پر عمل نہیں کیا۔ فقر فقیروں اور درویشوں کو ملا تھا لیکن انہوں نے اس کو حصول زر کا آلہ بنا لیا۔ درویش مذکور نے کہا کہ میں نے ان تینوں گروہوں کے سوگ موت اور بربادی پر یہ سیاہ ماتمی لباس پہنا ہے۔ اور یہی ہیں بدنصیبان ازلی جن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ قرآن میں صاف صاف فرما چکا ہے اُولٰئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدیٰ فما ربحت تجارتھم وما کانوا مھتدین یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی خرید لی ہیں ان کی تجارت کچھ نفع مند ہوئی اور وہ نہیں تھے ہدایت یافتہ۔

پروردگار عالم اور اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسلمانوں کو اتحاد اور اتفاق کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ مثلاً (قرآن) واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم (یعنی) اللہ اور اس کے رسولوں کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں مت جھگڑو ورنہ سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضھا بعضا یعنی ایک مومن دوسرے مومن کے ساتھ مل کر عمارت کی طرح ہیں جس کے اجزا باہم ایک دوسرے کو استحکام

دیتے ہیں۔ ایک اور حدیث شریف میں رسول اللہؐ نے فرمایا جس کا مقصد یہ ہے:۔ ہر مومن دوسرے مومن کے لئے اعضا کی طرح ہے کہ ایک عضو کو تکلیف پہنچنے کی صورت میں سارے اعضا کی بے چینی اور بیقراری ضروری اور لازمی بنجاتی ہے ـــــ نیز آپؐ نے فرمایا کہ لاتقاطعوا ولاتدبروا ولاتحاسدوا وکونوا عباداللہ اخواناً (ایک دوسرے سے تعلقات مت توڑو۔ ایک دوسرے سے پشت مت پھیرو۔ ایک دوسرے پر حسد مت کرو اور تم سب خدا کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔) جو لوگ اتحاد اور اتفاق کو ترک کہہ کر نئی راہیں نفاق اور انتشار کی اختیار کرتے ہیں آنحضرتؐ نے اس کی مثال اس بکری سے دی ہے جو اپنے ریوڑ کو چھوڑ کر دور چلی جائے اور بھیڑیوں کا شکار بن جائے۔ قرآن نے کہا ہے کہ انما المومنون اخوۃ فاصلحو بین اخویکم (تحقیق مومن باہم بھائی بھائی ہیں پس اپنے بھائیوں کے اندر اصلاح اور درستی کی کوشش کرو) ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولیٰ (الخ) یعنی جو کوئی ہدایت کے صاف واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کر کے مومنوں کا راستہ چھوڑ دیگا ہم اس کو (دنیا میں) اپنے اعمال کے سپرد کر دیں گے۔ اور آخرت میں جہنم کی آگ میں جھونکیں گے جو برا ٹھکانا ہے۔)

لیکن افسوس صد افسوس کہ اتحاد اور اتفاق کی ایسی اعلیٰ تعلیم
کے باوجود ان علمائے سو نے اپنی بیہودہ فتویٰ بازیوں اور کفر و کافری کے
تذکروں، اپنی بے سود علمی جدال اور مناظروں، باہمی تعصب، عجب اور
ریا کاری کے ڈائینمیٹ سے اتحاد اور اتفاق کے ان مضبوط اور آہنی قلعوں کو
مسلمانوں کے قلوب اور اذہان کے اندر استوار کئے گئے تھے اڑا دیا
ان فتویٰ باز علما نے ضرورت بے ضرورت فتوے دے دیکر
معمولی معمولی باتوں پر باہم جدال جھگڑے اور مناظرے برپا کر کے حبل اللہ
یعنی اللہ کی اس مضبوط رسی کو ٹکرے ٹکرے کر دیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم
قوم کا شیرازہ بکھر گیا اور وہ چھوٹے چھوٹے فرقوں، گروہوں، اور
ٹولیوں میں بٹ گئی۔ اور اس طرح اس کی وہ دیرینہ عظمت اور
ہیبت ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئی۔

اے رب العزت! دراصل ہمارے علما سو کے اس قسم کے مناظرے جھگڑے، بحث وجدال، ان کی فرقہ بندیاں اور دھڑا بازیاں اس زمانہ سے شروع ہوئی ہیں جبکہ مقصود اصلی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ اسوۂ رسول اللہ کے جاننے والے اور اسلامی لٹریچر پر پورا پورا عبور رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ حضور سرور عالم نے مسلمانوں کو اس قسم کے بے ہودہ مناظروں، بحث وجدال، فضول نمائشی فتوٰی بازیوں سے ہمیشہ منع فرمایا ہے

احیاء العلوم باب علم فصل ششم علم کی آفتیں

امام غزالی لکھتے ہیں :- "بعض اکابر فرماتے ہیں کہ صحابہ چار چیزوں کو ایک دوسرے پر ٹالا کرتے تھے۔ اول امامت۔ دوم وصیت۔ سوم امانت۔ چہارم فتوٰی۔ اور بعضے یہ فرماتے ہیں کہ جس کسی کو علم کم ہوتا تھا وہ تو جلد فتوٰی دینے کے لئے تیار ہو جاتا تھا لیکن جو زیادہ پرہیز گار ہوتا تھا وہ عموماً فتوٰی کو سب سے زیادہ دوسروں پر ٹال دیا کرتا تھا۔ اس کے برعکس صحابہؓ اور تابعینؒ کا شغل پانچ چیزوں کی طرف ہوتا تھا۔ یعنی قرآن کی تلاوت۔ مسجدوں کی آبادی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ اچھی باتوں کا حکم کرنا۔ اور بری باتوں سے منع کرنا۔ ابن حصینؒ فرماتے ہیں کہ فی زمانہ علما ایسے ایسے (پیچیدہ) مسئلوں کا جواب جھٹ سے کہہ دیتے ہیں کہ اگر وہی مسئلہ حضرت عمرؓ کے سامنے بھی پیش ہوتا (تو وہ تنہا اس کا جواب نہ دیتے) بلکہ تمام صحابہؓ اہل بدر کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے۔"

احیاء العلوم کی جلد اول باب العلم کے اندر حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

علماے ربانی وحقانی کی ایک علامت یہ ہے کہ فتوٰی دینے میں جلدی نہ کریں

بلکہ جب تک اس سے بچے رہنے کی کوئی سبیل معلوم ہو تب تک توقف اور احتراز کرے۔ پس اگر کوئی ایسا مسئلہ پوچھے جس کو قرآن یا قطعی حدیث یا اجماع یا قیاس ظاہر سے یقین کے ساتھ جانتا ہو تب تو حکم بتلا دے۔ لیکن اگر کوئی ایسا مسئلہ پوچھا جائے جس کا حکم غالباً اپنے اجتہاد او تخمین سے اس کو صحیح صحیح معلوم نہیں ہے تو اس میں احتیاط کرے اور دوسرے علما پر حوالہ کر دے کہ ان سے پوچھ لو۔ ور اگر دوسرا ٹھیک بتا سکتا ہو۔ احتیاط کا مرتبہ یہی ہے کہ اجتہاد کا خطرہ اپنی گردن پر اٹھانا برا ہے۔ اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے العلم ثلاثۃ کتاب ناطق وسنت قائمہ ولا ادری (ترجمہ) علم تین ہیں۔ ایک کتاب ناطق۔ ایک سنت جاریہ۔ ایک لا ادری یعنی میں نہیں جانتا۔ گویا لا ادری (میں نہیں جانتا) کہہ کر جان چھڑا لینا یہ بھی ایک عمدہ جواب ہے۔ شعبیؒ کہتے ہیں کہ لا ادری (یعنی یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا ہوں) یہ نصف علم ہے۔ اور جو عالم ایسے موقع پر کہ کوئی مسئلہ نہ جانتا ہو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے خیال سے اگر چپ رہ جائے تو ایسے شخص کا اس آدمی سے ثواب کم نہیں ہوگا جو ٹھیک ٹھیک جواب جانتا ہو کیونکہ نہ جاننے کا اقرار کرنا نفس پر نہایت سخت گذرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عادت اصحابؓ اور اکابر سلفؒ کی اسی طرح تھی۔ حضرت ابن عمرؓ کا دستور تھا کہ جب آپ سے کوئی فتویٰ پوچھتا تو آپ فرماتے کہ اس حاکم وقت کے پاس جاؤ جو لوگوں کی حکومت کا ذمہ دار اور کفیل بنا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کا بوجھ میں کیوں اٹھاؤں۔ یہ لیجا کر اسی کی گردن پر ڈال دو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں۔ جو شخص کہ لوگوں کو ہر ایک مسئلہ میں فتویٰ دیتا ہے وہ مجنوں یعنی دیوانہ ہے۔ اور آپ نے فرمایا کہ علم کی ڈھال "لا ادری" یعنی میں نہیں جانتا ہوں کہہ کر اسکی ذمہ داری سے خود کو چھڑانا ہے۔ ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں کہ شیطان پر اس عالم سے زیادہ

سخت کوئی نہیں جو علم کے ساتھ باتیں کرے اور علم ہی کے ساتھ سکوت کرے۔
ایسے سکوت کے وقت شیطان کہتا ہے کہ اس شخص کو دیکھو کہ اس کے بولنے
سے اس کا چپکا رہنا مجھ پر سخت گراں گزرتا ہے ۔ ایک بار حضرت علیؓ اور حضرت
عبداللہ بن عباسؓ ایک شخص پر گزرے کہ وہ لوگوں کے سامنے کچھ تقریر کر رہا تھا
آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ گویا یوں کہہ رہا ہے "مجھے جان لو" مجھے جان لو" یعنی اپنی
تقریر سے اس کا منشا اپنی نمائش کرنا ہے اور کچھ نہیں ۔ امام غزالیؒ احیاء العلوم
میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ بعض اکابر کا قول ہے کہ عالم وہ ہے جب کسی مسئلہ
کو اس سے دریافت کیا جائے تو وہ ایسا محسوس کرے گویا کہ اس کی ڈاڑھ نکالی
جا رہی ہے ۔ حضرت ابن عمرؓ فرمایا کرتے کہ تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ایک پل
بنا لو اور ہم پر سے گزر کر دوزخ میں چلے جاؤ ۔۔۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ کو مسئلے
جواب کی ذمہ داری کا اتنا احساس تھا کہ اگر کوئی آپ سے کوئی فتویٰ پوچھتا تو
آپ کے آنسو بہہ نکلتے اور آپ اس کو مخاطب کرکے کہا کرتے کہ کیا تمہیں کوئی
دوسرا نہیں ملا جو مجھ غریب پر چڑھائی کر دی ۔

اسی باب العلم میں آگے چل کر امام غزالیؒ لکھتے ہیں

فقہائے سلف میں ایسے لوگ بہت کم تھے جو یہ کہہ دیتے ہوں کہ میں
جانتا ہوں ۔ ان میں "لا ادری" میں نہیں جانتا ہوں کہنے والے بہت تھے ۔۔
سفیان ثوری ۔ مالک بن انس ۔ احمد بن حنبل ۔ فضیل بن عیاض اور بشیر بن
حارث رحمہم اللہ تعالیٰ سب ایسے ہی بزرگ تھے جو اکثر لا ادری کہہ کر جان خلاصی
کیا کرتے تھے ۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں ایک سو
بیس صحابہؓ دیکھے وہ سب کے سب میں نے ایسے ہی پائے کہ جب ان میں سے

کسی سے فتویٰ پوچھا جاتا۔ یا کوئی حدیث پوچھی جاتی تو ان میں کا ہر ایک یہی چاہتا کہ دوسرا بھائی اس سوال کے جواب سے ہمیں بچالے۔ اور ایک روایت ان سے یوں ہے کہ جب کوئی سوال ان میں سے کسی پر پیش ہوتا تو وہ اس کو دوسرے کے پاس بھیجتے۔ دوسرا تیسرے کے پاس یہاں تک کہ ہوتے ہوتے پھر وہ سائل اسی پہلے صاحب کے پاس واپس آجاتا۔

افسوس کہ ہمارے زمانہ میں علما کی فتویٰ بازی کا معاملہ کیسا

الٹا ہو گیا ہے کہ جس چیز (یعنی فتویٰ دینے) سے کہ پہلے لوگ بھاگتے تھے وہ اب مطلوب اور مقصود بن چکی ہے۔ اور جو چیز کہ سلف کے بزرگوں کو مطلوب تھی اس سے اب لوگ نفرت کرنے لگے ہیں۔ بلکہ علما کی حرص فتویٰ بازی کا یہ عالم ہے کہ ان کی حالت کو دیکھ کر فی زمانہ یہ ضرب المثل بن گئی ہے کہ "مولوی آن است کہ ہیچ نشود" گویا لاادری کی بالکل ضد کہ خواہ کچھ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو نہ کہے کہ "میں نہیں جانتا" خواہ مسئلہ معلوم ہو یا نہ معلوم سب بولتا چلا جائے اور بکتا چلا جائے تو وہ بڑا مولوی صاحب سمجھا جائے گا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

حالانکہ جب سے انگریزی حکومت کا اقتدار قائم ہوا ہے

اس وقت سے ہر قسم کے مقدمات دیوانی ہوں یا فوجداری سب سرکاری عدالتوں میں قانون کے ذریعہ طے ہوتے ہیں۔ اس لئے حقیقت میں تو مفتیوں کی ضرورت ہی باقی نہ رہی۔ لیکن جائے حیرت ہے کہ کسی ملک میں بھی اس قدر فتوے بازی اور کفر کافری کی مشق نہیں ہو رہی ہو گی۔ جس قدر ہمارے ملک میں بلا ضرورت محض

پیدا ہو گئے ہیں۔ ہماری بدنصیبی اور بدقسمتی دیکھو کہ باوجود مفتیوں کی عدم ضرورت کے دیکھا یہ جا رہا ہے کہ ہر طرف مفتیوں کی بھرمار ہے۔ ہر ملا اور مولوی ضرورت یا بلاضرورت مفتی بنا بیٹھا ہے۔ کفر و کافری اور مسلمانوں کے خلاف ارتداد کے فتوے جاری ہوتے رہتے ہیں۔ انگریز نے مسلمان علما سوء کی اس حسن کفر گری کو اپنے کاغذی نوٹوں کے زور سے خوب چمکایا ہے۔ شروع شروع میں انگریز ابن سعود کو اپنا دشمن تصور کرتا تھا۔ مولوی نے اس کو زور زنا دنی کے ذریعہ اسلام سے خارج کر دیا۔ جیسا کہ ایک مولوی صاحب نے تو حد کر دی تھی۔ اس کے طالب علم اور حواری ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے مسجدوں کے دروازوں پر مولوی صاحب کا فتویٰ ہاتھ میں پکڑے کھڑے رہتے اور آنے جانے والوں سے کہتے کہ فلاں مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ ابن سعود کافر ہے اور جو اس کو کافر نہ کہے اور اس پر لعنت نہ کرے تو اس کی عورت اس کے نکاح سے خارج ہو جاتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ سب نمازی لوگ ابن سعود کو کافر کہتے اور اس پر لعنت کر کے اپنی مخلصی حاصل کرتے۔ لیکن جب بیچارے ابن سعود نے دیکھا کہ انگریز اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اور انگریز کے یہ کافر گر پجاری اور مفتیان زیر دست اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے تو آخر الامر وہ مجبور ہوا اور اس بیچارے ابن سعود کو انگریز کی دہلیز پر سر ٹیکنا پڑا۔ جب ابن سعود انگریز کا سجدۂ ادب بجا لایا تو انگریز کی طرف سے "سب ٹھیک ہے" کا الارم بجنا شروع ہوا تو دیکھتے ہی دیکھتے وہی کافر اور وہی مرتد ابن سعود فوراً مرد مومن بن گیا۔

یہ ہے وہ جادو جو سر پہ چڑھ کے بولے

حتیٰ کہ مسلمانوں نے خود بھی علما سوء کی اس مشق تکفیر کو ایک دوسرے کے خلاف

خوب چمکایا۔ اور دل کھول کر کفر و کافری کے تیر برساتے رہے۔ آج زید مرتد ہو رہا ہے تو کل بکر، یہ عورت طلاق کی جا رہی ہے۔ اور اس کی اولاد ولدالحرام قرار دی جا رہی ہے۔ علماسو کے حجروں اور کتب خانوں میں بننے والا یہ پیٹنٹ سیاہی کا پاؤڈر ارزاں نرخوں پہ بکنا شروع ہوا۔ جس مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان کا منہ کالا کرنا ہوتا تو دس پانچ روپے کی ادائیگی کے بعد مولوی صاحب کی دوکان سے یہ پیٹنٹ پاؤڈر خرید کر بے خوف و خطر مل دیا جاتا۔ مفتیان دین فروشں کی دوکانوں کے اس سیاہ پاؤڈر سے کئی نورانی چہرے اور کئی سفید اور متبرک ڈاڑھیاں سیاہ کر دی گئیں۔ اور ہزاروں نیک اور پارسا و متبرک بزرگوں کے خلاف تکفیر کے اس مہلک قسم کے تیز ہتھیار کو آج سے نہیں بلکہ اوائل ایام سے ہی لوگوں نے استعمال کیا ہے۔ امام غزالیؒ کی تصنیفات سے نہ صرف مسلمان ہی مستفیض ہوتے رہے اور تا قیامت ہوتے رہیں گے بلکہ اہل یورپ نے بھی جو فوائد حاصل کئے اور علمی قدردانی کی وہ اظہر من الشمس ہے لیکن علمائے کفر گر نے انہیں بھی معاف نہیں کیا۔ اور اتنے بڑے صوفی اور جید عالم پہ بھی جو کہ اپنی زندگی کے اندر حجت الاسلام مانا گیا تھا کفر کا فتویٰ لگایا۔ ان کی تصنیفات کو چن چن کر جمع کیا گیا اور انہیں نذر آتش کر کے علمائے سو نے اپنے سینوں کی بھڑاس نکالی۔ ان علمائے سو اور جھوٹے پیروں کی عنایت سے وہ اسلام جو تفرقہ بندیوں کے بت توڑنے اور مسمار کرنے کے لئے دنیا میں آیا تھا آج وہ خود فرقہ بندیوں اور دھڑا بازیوں کا شکار بن چکا ہے۔ یعنی قادری نقشبندی چشتی دیوبندی۔ بریلوی۔ اہل حدیث۔ اہل قرآن۔ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ شیعہ سنی۔ چکڑالوی۔ ندوی۔ بشری وغیرہ خدا جانے اس قسم کے اور کتنے فرقے پیدا ہو گئے ہیں جن کو باہمی محبت، الفت اور یکجہتی کے بجائے ایک دوسرے

کے ساتھ عداوت ہے۔ ہر فرقہ کا اپنا اپنا ایک چودھری بنا بیٹھا ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ ایک مسجد بنا رکھی ہے۔ یہی ہیں وہ چودھری جو ان غریب عوام کو باہم دست و گریبان کئے ہوئے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی دستار فضیلت کی تراش کا غم لگا ہوا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی ہمدردی کسی کے دل میں نہیں رہی۔ ان بدنصیب عوام اور ان راہ گم کردہ چودھریوں کو ہندوستان کے بٹوارے پر جو جو تکالیف۔ خون ریزی اور عصمت فروشی کے واقعات پیش آتے رہے افسوس کہ ان بدنصیبوں نے اس سے بھی کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔ اگر وہ آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے نہ ہوتے تو یہ واقعات بڑے سبق آموز تھے۔ کیا کوئی سکھ کسی کو وہابی یا شیعہ سمجھ کر معاف کر دیتا تھا یا جو بھی کلمہ گو ان کو نظر آتا تھا اس کو تہہ تیغ کر ڈالتا تھا؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

مسلمان سب بھائی بھائی ہیں خواہ شیعہ ہوں یا سنی

ہوں یا اہل حدیث وغیرہ۔ کفر و کافری کی رزمگاہ میں شیعہ سنی وغیرہ کے نام پر دونوں مذہبوں کو علماء اپنی دوکانداری گرمانے کے لئے عموماً کفر کے تیر چلاتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس روشنی اور تہذیب کے زمانے میں بھی شیعہ اور سنی باہم دست بگریباں ہیں۔ حالانکہ علمائے حق نے اس کفر و کافری کے مسئلہ کو غلط ثابت کیا۔ امام غزالیؒ نے اس باب میں ایک ناطق فیصلہ کر دیا ہے۔ تکفیر مسلم کی جو جو وجہیں علمائے کفر گر نے قائم کی تھیں امام غزالیؒ نے ان سب کو مردود قرار دیا اور دلائل قطعیہ کے ساتھ یہ چیز پایہ ثبوت تک پہنچا دی کہ سب کلمہ گو باہم مسلمان ہیں۔ اس قسم کے فروعی اختلافات کا اسلام سے کچھ تعلق نہیں۔ مسلمان کلمہ گو سب باہم بھائی بھائی ہیں۔ اس قسم کی

اجتہادی اور فروعی باتوں کا تعلق اسلام اور کفر سے کچھ نہیں بلکہ ان میں صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ایک صحیح ہے اور دوسرا غلط

اس باب میں امام غزالیؒ کا دست رواداری اس قدر وسیع

ہو گیا ہے کہ مسلمان تو در ہے ایک طرف۔ آپ کفار کے اس گروہ کو جن کے سامنے اسلام کی حقیقت پورے طور پر ظاہر نہ کی گئی ہو مثلاً نصاریٰ روم اور ترک جو امام صاحبؒ کے زمانہ میں تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ان کو بھی رحمت الٰہی انشاء اللہ شامل ہو گی۔

شیعہ، سنی اختلافات کا نتیجہ۔ سادات بارہ اور فرخ

سیر کے حالات میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے اندر اسلامی حکومت کا تنزل نہ سکھوں کے سبب سے ہوا اور نہ مرہٹوں کے سبب سے بلکہ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہندوستان کے غوری اور لودھی افغان بادشاہ سارے کے سارے سنی حنفی تھے اور مغل بادشاہ عموماً شیعہ تھے۔ اس لئے ہمایوں کے وقت سے شیعہ سنی کے درمیان میں بھڑکائی ہوئی اختلافات کی یہ آگ اس وقت تک نہ بجھی جب تک کہ مسلمانوں کے اقتدار کا چراغ ہندوستان میں گل نہیں ہو گیا۔ حتیٰ کہ مورخ طباطبائی جو کہ خود بھی شیعہ تھا اس کو یہ حقیقت مجبوراً کہنی پڑی کہ "بمرور تمام مملکت ہندوستان را فرو گرفتہ اقتدار سلاطین تیموریہ بالمرۃ برباد رفت"۔ سینکڑوں برس ہندوستان میں افغانوں اور مغلوں۔ سادات اور غلاموں کے خاندان حکومت کرتے رہے لیکن بدقسمتی سے شیعہ سنی کی بھڑکائی ہوئی یہ آگ روز افزوں ترقی کرتی چلی گئی اور آخرکار

اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ دیکھو کتنا بڑا ظلم ہے کہ ۸ سو برس تک جس ملک میں خود مسلمان حکمراں رہے ہوں، وہاں بھی آج مسلمان اقلیت میں ہوں کس قدر شرمناک بات ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے کہ مسلمان علما نے اسلام کی دعوت اور تبلیغ کا فرض قطعاً بھلا دیا تھا۔ بلکہ یہ ساری مدت فضول اختلافات اور دوانی جھگڑوں میں مبتلا رہے۔ اور اس طرح دن بدن کمزور سے کمزور تر ہوتے چلے گئے۔ آخر کار اس دربدری اور خاک بسری تک نوبت آن پہنچی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شیعہ سنی کی بیماری کہاں سے آئی؟ دراصل یہ بیماری بھی ان علماء سو کی پیدا کردہ تھی۔ ورنہ اگر یہ علمائے اسلام اس تباہی اور بربادی کے نتائج پر غور کرتے۔ شیعہ سنی اختلافات کی آگ پر تیل چھڑکتے، لوگوں کو باہم لڑانے کی اگر کوشش نہ کرتے تو کیا یہ ناممکن تھا کہ آج سارے کا سارا ہندوستان مسلمان ہو چکا ہوتا۔ اور ہمارے عہد کے بدنصیب مسلمانوں کو یہ برا دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا کہ آج لاکھوں مسلمانوں کو گھر سے بے گھر ہونا پڑ گیا ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں پردہ نشین عورتوں کی عصمت دریاں ہوئی ہیں۔ کروڑوں مسلمان آج بھی ہندوستان کے اندر خطرے میں پڑے ہوئے غلامانہ بلکہ غلاموں سے بھی بدتر قسم کی مخدوش زندگیاں گذارنے پر مجبور ہیں۔ کون آدمی اس کی ساری ذمہ داری علما کے ماسوا اور کسی پر ڈال سکتا ہے۔ سچ فرمایا ہے امام غزالیؒ نے کہ ملک اس لئے تباہ ہوئے کہ بادشاہوں نے عدل اور انصاف کرنا چھوڑ دیا اور بادشاہوں نے انصاف کو اس لئے چھوڑا کہ علما نے ان پر سے حق گوئی اور امر معروف کی گرفت ڈھیلی کر دی اور علما نے امر معروف اور حق گوئی کا کام اسی لئے چھوڑ دیا کہ ان میں جاہ پرستی اور زر پرستی پیدا ہو گئی۔ گویا اس ساری تباہی کی آخری ذمہ داری علما پر پڑتی ہے۔ ہمارے اس زوال، ہماری پستی اور پسماندگی کا علاج

یہی اور صرف یہی ہے کہ ہمارے علما اس حقیقت کو بخوبی سمجھ جائیں کہ ان کی فرض ناشناسی۔ ان کی حب جاہ اور حب زر۔ ان کی ذاتیات اور ذاتی اغراض ان کے تعصب اور کفر کا فری وغیرہ کا نتیجہ ہے۔ کہ مسلمان قوم کی حالت آج دن بدن بد سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ مسلمان قوم کے زوال کا جیسا کہ کئی دفعہ پہلے ذکر آ چکا ہے یہ ہے کہ مسلمان کے ہاتھ سے علم اور عمل دونوں نکل گئے ہیں۔ قوموں کی ترقی کے لئے علم او رعمل دونوں لازمی چیزیں ہیں۔ علم کے معنی ہیں کسی چیز کا جاننا اور عمل کے معنی ہیں اس جانی ہوئی چیز پر گامزن ہونا۔ اقدام کرنا، اور چل پڑنا۔ مثلاً لاہور جانے کا راستہ جاننا اور پھر اس راستہ پر چل پڑنا۔ ان دونوں امور کو باہم ملا دینے سے انسان لاہور پہنچ جاتا ہے۔ محض لاہور کا راستہ جان لینا لاہور پہنچنے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اسی طرح محض لاہور کے خیال پر کسی راستہ پر لاہور کا راستہ جانے بغیر چل پڑنے اور اقدام کرنے سے لاہور پہنچنے میں کامیابی نہیں ہو گی۔ الغرض کسی مقصد کسی نصب العین کو پا لینے کے لئے اس کا علم اور عمل، دونوں لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔ نہ صرف علم سے مقصد حاصل ہو گا اور نہ صرف عمل سے۔ اس لئے قرآن میں آمنو و عمل الصالحات کی سر انجام دہی پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ہمارے علما سو چونکہ خود عمل سے عاری ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنے جلسوں میں، اپنی تقریروں میں، اپنے وعظ و نصیحت میں غزلیں گا گا کر یا نو لوگوں کے لئے دماغی عیاشی۔ تفریح اور نمائش یعنی بلا ٹکٹ ناٹک گھروں کا سا تماشا اور کھیل جما دیتے ہیں۔ یا پھر نوحہ خوانی سے انہیں رلا کر اپنا رنگ جماتے ہیں۔

ہسٹری آف دی مورش ایمپائر ان یورپ کا فاضل

مصنف مسٹر ایس پی اسکاٹ فتح مند عربوں کے زوال پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے

"نظامی خرابی ہی عرب فاتحین کی فال بد ثابت ہوئی۔ ان کی فرقہ بندی اس سرنگ سے بھی زیادہ خطرناک بن گئی۔ جس نے سلطنت گا نھک کی بنیادوں کو اڑا دیا تھا۔"

اے رب العالمین۔ علمائے سو پر مجھے غصہ اس لئے آتا ہے

کہ انہوں نے مسلمانوں کی حکومت تسلط بادشاہی سے اپنا الو سیدھا کیا۔ قوم اور ملت کی کچھ خدمت نہ کر سکے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نجیب الدولہ کی اسلام دوستی خدمت علمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود (الخ) یعنی نجیب الدولہ کے پاس نو سو عالم رہتے تھے۔ جن میں سے ادنی درجہ کے علما کو پانچ اور اعلیٰ کو پانچ سو روپیہ روزانہ ملتے تھے۔" اب بتایئے مسلمان امیر اور امرا اس سے زیادہ علم اور علما کی کیا قدردانی کرتے۔ علما کا حال ملاحظہ ہو کہ جن امرا کے پاس نو سو علما رہتے تھے ان کے گھروں کی حالت یہ تھی۔ اس کو بھی شاہ عبدالعزیزؒ کی زبان سے سنئے۔ "درخانہ قمرالدین خان عورات غسل اخیر از گلاب می کردند (الخ) یعنی قمرالدین خاں کے گھر میں عورتیں آخری غسل گلاب سے کیا کرتی تھیں۔ ایک دوسرے نواب کے یہاں تین سو روپیہ روز صرف پھول۔ پان عورتوں میں جاتا تھا۔"

مندرجہ بالا واقعات کو پڑھکر کیا یہ بات صاف صاف نہیں نظر آتی ہے کہ امرا تو علما کی خدمت بجالاتے لیکن افسوس کہ علما نے اسلام اور اسلامیوں کی نمک حرامی کا بین ثبوت دیا۔ جن امرا کے دروازے پر نو سو علما وظائف کھا رہے تھے ان امیروں کے گھروں میں گلاب سے غسل کرنا" اور تین تین سو روپیہ روزانہ فقط عورتوں میں پھول اور پان پر اڑایا جاتا تھا کیا ان نمک حرام علما کا یہ فرض نہیں تھا کہ

چادریں جھاڑ کر کھڑے ہو جاتے اور ان امیروں اور ان کی بیگمات سے ان غیر شرعی امور کے خلاف جہاد کرتے۔ ان کی اصلاح اور امر معروف کا حق ادا کرتے اور انہیں سیدھی راہ پر لگا دیتے۔ جن امرا کی حویلیوں میں اس قدر اصراف ہو رہا تھا وہاں خدا جانے اور کیا کیا خلاف شرع حرکات بھی ہوتی ہونگی۔

ایک امیر کے دروازے پر نو سو علما کا بیک وقت جمع ہونا اور وظائف کھانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ علما وہ حقیقی علما نہیں رہے تھے۔ انہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام تھا۔ امرا کی عیاشیوں کو دیکھتے رہنا اور لب نہ ہلانا۔ ان کی خلاف شرع حرکات کو دیکھتے رہنا اور کچھ نہ کہنا ثابت کرتا ہے کہ انہیں دین کے ساتھ نہ وہ لگن تھی اور نہ حمیّت۔ انہیں اپنے عیش و آرام سے کام تھا اور بس۔

غضب خدا کا نو سو عالم جب ایک امیر کے دروازے پر بیٹھے ہوں وہاں اس قدر خلاف شرع اسراف اور فضولیات ہو رہی ہوں اور اسکے خلاف ایک حرف زبان پر نہ لائیں۔ علما کی یہی ناروا حرکات تھیں اور انکی یہی فرض ناشناسی تھی کہ آٹھ۔ نو سو برس اسلامی حکومت ہونے کے باوصف ہندوستان میں آج تک مسلمان اقلیت میں ہیں اور جو اقلیت میں ہیں وہ بھی اسلامی اصولوں سے سخت نابلد اور بالکل ناواقف محض ہیں حتیٰ کہ اکثر مسلمانوں کے نام بھی آجتک ہندوانہ ہیں۔ غضب بالائے غضب یہ کہ ختنہ تک نہیں کرائے جاتے۔ اگر یہ علما کام کرتے اور اپنا فرض سمجھکر کام کرتے تو آج ہندوستان کے مسلمانوں کو کیوں یہ روز بد دیکھنا پڑتا۔

حیف صد حیف کہ شیعہ سنی کے اختلافات کو اس قدر چمکایا گیا ہے کہ آنکھیں خیرہ ہو گئی ہیں۔ اور حقیقت حقہ آنکھوں سے اوجھل ہو رہی ہے ورنہ شیعہ اور سنی سب کا اسلام مذہب ہے۔ ان کا خدا ہی خدا ہے۔ انکا رسول

نہ ہی رسول ہے۔ ان کی الہامی کتاب نہی ایک ہے۔ یعنی قرآن پاک۔ اگر بنظر عمیق دیکھا جائے تو شیعہ اور سنّی کا باہم اختلاف صرف خلافت اور منصب خلافت پر تھا۔ خلافت کا مسئلہ بالکل سیاسی نوعیت کا ہے۔ جس طرح آج وزارت یا صدارت کے دو امیدواروں میں اختلافات ہو جایا کرتے ہیں۔ خلافت کا مسئلہ آج سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس بیشتر کا سوال ہے۔ اوائل اسلام میں خلافت کے دو امیدواروں اور ان کے پیروؤں میں جھگڑا ہو گیا تھا۔ ایک فریق قابضین خلافت کو برحق تصور کرتا تھا اور دوسرا انہیں صحیح حقدار نہیں مانتا تھا۔ اب یہ معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ وہ خلافت جاتی رہی اور وہ سوالات بھی نہ خلافت کا سوال ہے اور نہ خاتون جنت یا ان کی اولاد کا ہے۔ نہ باغ فدک اور اس کی میراث کا کہیں وجود۔ میں نے مدینہ جا کر باغ فدک کا حال پوچھا تو لوگ حیران ہو کر کہنے لگے کہ ہزاروں برس پہلے باغ فدک کی زمین کا وہ ٹکڑا مسجد نبوی کے صحن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ خرمے کے دو چار درخت جو باغ فدک میں تھے وہ کاٹ کر عرصہ ہوا جلا دیے گئے ہیں۔ پھر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمان قوم کی کیا شامت ہے کہ وہ ناچیز چیز پہ باہم آج تک یوں دست بگریباں ہو رہی ہے، ہمارے یہ بزرگ علمائے سو شیعوں کو (اپنی جگہ) اور سنّی علما سنیوں کو (اپنی جگہ) مشتعل کرتے اور بھڑکاتے رہتے ہیں۔ کسی درد دل رکھنے والے شاعر نے خوب کہا ہے۔

چوں خدائے ما یکے ست و یک رسول	وا گذار ایں اختلافات فضول
آں یکے گر در نماز خویش دست	پس چہ شد گر بر فراز سینہ بست
واں دگر گر دست ہا را بر کشاد	خود بگو آخر چہ چیز از دست داد
گر بدیں سے حالت شیعہ و سنّی خراب	ہم عمر گیر لیتے ہم بو تراب

یعنی اس شاعر بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ جب تمہارا خدا اور رسول ایک ہیں تو اے مسلمانوں فضول اختلافات کو جانے دو۔ اگر کسی نے نماز کے اندر سینہ کے اوپر ہاتھ باندھ لئے تو کیا۔ اور اگر کسی نے ہاتھ کھول کر نماز ادا کی تو کیا (حرج ہے) آگے چل کر فرماتے ہیں اے شیعہ اور اے سنی لوگو اگر آج حضرت عمرؓ اور حضرت علیؑ زندہ ہوتے تو یقیناً دونوں تمہاری اس خراب حالت پر آنسو بہاتے۔

شیعہ حضرت علیؑ کو اور سنی حضرت ابابکر صدیق وغیرہؓ کو حقدار خلافت بتلاتے ہیں۔ کوئی ان دونوں سے پوچھے کہ چودہ سو برس کے بعد ان مرحومین کے حقوق کا فیصلہ ہندوستان میں صادر کرنا کونسی دانشمندی اور معقولیت کی بات ہے شیعہ صاحبان سے کوئی پوچھے کہ اگر خلافت حضرت علیؑ کا حق تھا تو انہوں نے خود اپنا حق کیوں نہ لیا؟ یقیناً اس کا جواب یہی ملیگا کہ انہوں نے صبر کیا اور سکوت فرمایا پھر بھلا دیکھو تو سہی جب مالک مال یا حق دار خلافت خود صبر کرتا ہے تو آپ صبر و سکوت کیوں کھو بیٹھے ہیں اور اس طرح اپنی بے صبری اور غلط روی سے مسلمانوں کے اندر نفاق کی خلیج کیوں وسیع کر رہے ہیں۔ تبتع علیؑ کے دعویدار اور ان کے طرز عمل سے انکار۔ آخر یہ کس قسم کی پیروی ہے؟ جب خود انہوں نے صبر کیا ہے تو تم کو بھی صبر کرنا چاہیئے۔ اس بدکلامی، بدزبانی، تبرا بازی، مسلم آزاری سے کیا فائدہ

یقیناً اگر ہر دو فریق کے علما منبروں پر چڑھکر آج بھی انہیں اتفاق اور اتحاد کی باتیں پوری دیانتداری اور ایمانداری کے ساتھ سمجھاتے اور اگر وہ نہ مانتے تو ان سے بیزار ہو جاتے تو یقیناً یہ اختلافات فوراً ختم ہو سکتے تھے لیکن یہی معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہر فریق کا ملا اپنے اپنے فریق کو خوش کرنے کے لئے مضامین لکھتا ہے۔ رسالے نکالتا ہے۔ کتابیں تصنیف کرتا ہے۔ منبر پہ چڑھکر

غلاظت اچھا لگتا ہے اور آپس میں باہم لڑا کرنا موری اور شہرت پیدا کرنا ہے۔

علماء سو کے لایعنی فتاوے

آج تمباکو کی حلت اور حرمت پر سر پھٹول ہو رہا ہے تو کل آمین کے زور سے پڑھنے یا آہستہ کہنے پر جوتی پیزار ہے۔ کبھی نماز میں رفع یدین (ہاتھ کھول کر) اور کبھی ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے میں جھگڑا ہے۔ کبھی ضالین اور ظالین کے لفظوں پر مٹ بھیڑ ہے۔ الغرض لایعنی فتاوی کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف کفر و کافری کی مشق ہو رہا ہے۔ اور مسلمانوں کی عسکری قوت کو اس قسم کے لفظی ہیر پھیر میں ڈال کر ضائع کیا جا رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو غلامی، ذلت اور مفلسی کے تاریک غاروں میں دھکیلا جا رہا ہے۔ ان ملانوں نے شاہ ولی اللہ محدث رح اور ان کے خاندان کے خلاف بھی اپنی فتویٰ بازی کے ترکش کے مہلک تیر چلانے میں کوتاہی نہیں کی۔ اس کا ثبوت ہم سے نہیں بلکہ خود شاہ عبدالعزیز رح کی زبان سے سنیئے۔ جس کا ذکر مولانا مناظر احسن گیلانی نے اپنی کتاب "تذکرہ شاہ ولی اللہ" میں متعدد جگہ کیا ہے۔ اس کے چند جستہ جستہ عبارات کے ٹکڑے سنداً درج ذیل کئے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رح اپنے متعلق تحریر فرماتے ہیں

"روز سے ذکر حضرت علی علیہ السلام بود۔ چنانچہ عادت ما سنیاں است کہ ہر صحابی کہ اند بجان ودل مناقب وفضائل او بیان می کنم ہمیں جنایت کردم (لیکن او) بندہ را شیعہ فہمید و آمدن درس موقوف کردہ"

اسی طرح شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز رح فرماتے ہیں۔

"ہم چنیں شخصے از والد ماجد مسئلہ تکفیر شیعہ پرسید۔ آنحضرت اختلاف حنفیہ کہ دریں باب ہست بیان کردند۔ وچوں مکرر پرسید ہماں شنید"

شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں (کہ اس پر وہ بگڑ گیا) میں نے اپنے کانوں سے خود سنا کہ وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے متعلق کہنے لگا

"شنید کہ اومی گفت ایں شیعی است"

کتاب "الینانع الجنی" کے مولف حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے کی سنگین ملایانہ حنفیت کی تصویر ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔ میں اس کا اردو ترجمہ درج ذیل کرتا ہوں۔

"ان کا (یعنی متعصب ملانوں کا) یہ حال تھا کہ جب ان کے کان میں کوئی ایسی آواز پہنچ جاتی۔ جو ان کے اس تقلیدی امر کے خلاف ہوتی جسے کل وہ اچھا سمجھتے تھے تو ان میں جو کوئی قریب ہوتا تو اس شخص پر چڑھ بیٹھتے جس کے منہ سے اس قسم کی کوئی مخالف بات نکل آتی اور غصہ میں اس کے مقابلہ میں بھرجاتا اور اس کی گردن کی رگیں پھول جاتیں۔ اس کے رخسار سرخ ہوجاتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا جھاؤ کی لکڑی کے انگارے برس رہے ہیں"

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی مخالفت

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ذات بابرکات کو کون نہیں جانتا۔ مستند کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ دلی کے بعض مولویوں نے آپ سے اختلاف کیا اور عوام کو بھڑکایا اور اس قدر بدظنی پھیلائی کہ ایک مرتبہ مسجد فتحپوری میں تقریباً سو سوا سو بدمعاش لفنگوں کی جماعت کے ساتھ ان ملانوں نے آپ کو گھیر لیا مجمع باضابطہ تلواروں اور دوسرے اسلحہ سے مسلح تھا۔ شاہ صاحب کے ساتھ

صرف چند رفیق تھے اور ہاتھ میں بالکل پتلی سی ایک چھڑی تھی۔ آپ اس پتلی سی لکڑی کو ہاتھ میں لیکر غیر معمولی جوش کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ مارتے ہوئے مجمع کو چیرتے پھاڑتے بخیریت گذر گئے۔

شاہ صاحب جیسی بزرگ ہستی پر ایسا خوفزدہ حملہ معلوم ہے کہ کیوں کیا گیا؟ ایسا کیا قصور کیا تھا کہ تلواروں سے لیس ہو کر آپ پر خونی حملہ کیا جاتا۔؟ شاہ صاحب کا قصور یہ تھا جیسا کہ تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ نے قرآن کا ترجمہ کیا تھا تاکہ عوام کو قرآن سمجھنے میں آسانی ہو۔

علمار سوء کے شرمناک افعال

اے عالم الغیب والسریات! علمائے سوء کے اس تعصب اور مشق تکفیر نے مسلمانوں کو کچھ کام کرنے نہیں دیا۔ شاہ ولی اللہؒ کی ذات بابرکات کا قرآن کو عام فہم کرنے پر ان کے خلاف عوام کو بھڑکانا اور تلواروں سے لیس مجمع سے حملہ کرانا یہ کس قدر شرمناک افعال ہیں۔

اسلامی حکومت کفار کے نرغہ میں

اے اللہ۔ اسی شاہ صاحب کے زمانہ میں اسلامی حکومت ہر طرف سے کفار کے نرغہ میں گرفتار تھی۔ پنجاب وغیرہ شمالی علاقوں میں سکھ سر اٹھائے تھے۔ جنوب کی طرف سے مرہٹوں نے اسلامی حکومت کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ ہندو اور سکھ گو باہم دو جدا جدا قومیں تھیں لیکن حلقہ بگوشان اسلام کے خلاف ان کا متحدہ محاذ تھا۔

رنج دہ بات

اے اللہ! یہ کس قدر دکھ اور رنج کی بات ہے کہ ان ملانوں کو سکھوں کے خلاف اور مرہٹوں کے ساتھ جہاد کرنے ۔ عوام کو متحد کرنے کا تو خیال تک نہ آیا لیکن اگر مسلح حملہ ضروری سمجھا گیا تو وہ تھا مترجم قرآن محدث دہلویؒ کی ذات بابرکات پر ۔

علماء سو کی پارٹی بندی

اے خداوند عالم! مجھے علمائے سو سے اس لئے نفرت ہے کہ ان بدنصیبوں نے باہم تعصب اور فرقہ بندی کی آگ مشتعل کی ہوئی ہے جس کے سبب کچھ مسلمان ایک ملا کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور کچھ دوسرے کے پیچھے ۔ یہ ملا اپنی پارٹی کی فتح و کامرانی اور نیک نامی کی خاطر ایک دوسرے کے خلاف زہر اگلتے رہتے ہیں ۔ پروپگنڈا کرتے ، نفرت و حقارت کا بیج بوتے اور مسلمانوں کے اندر نفاق و عداوت کی خلیج روز افزوں پاٹتے جاتے ہیں ۔

سوچنے کا مقام ہے کہ جو قوم اور ان کے لیڈر شب و روز ان واہیات مشاغل کے اندر گرفتار ہوں وہ علم و عمل ۔ غلبے اور حکومت ۔ آزادی اور حریت کے متعلق کیا سوچ سکتے ہیں اور کیا عمل کر سکتے ہیں ۔ وہ لات و منات نفس امارہ کے لات ۔ زر پرستی اور زندہ باد کے عزیٰ ۔ تعصب ۔ عجب اور فرقہ بندی "لوگوں کو باہم لڑاؤ اور حکومت کرو" کے فرنگیانہ پالیسی کے ہبل کی سر وقت اور ہر آن پرستش کرتے رہتے ہیں ۔

(قرن اولی کے کافر مٹی کے بتوں کی پوجا کرتے تھے ان میں سے ایک

کا نام لات تھا۔ دوسرا منات، تیسرا ہبل اور چوتھا عزیٰ - لیکن اب بتوں کی شکلیں تبدیل ہوگئی ہیں - اُن مٹی کے سرخ و سفید بتوں کی بجائے اب خواہش نفسانی کے مختلف بت کھڑے کر دیئے گئے ہیں اور بدقسمتی سے ہم اور ہمارے علما ان کی پرستش میں لگے رہتے ہیں -

ہماری تباہی کا سبب

اے اللہ العالمین ! ایسی قوم جس کے خواص اور عوام ایسی فضولیات کے اندر راتوں کو دن اور دنوں کو رات کر دیں وہ کسی غیر قوم کا کیا خاک مقابلہ کر سکیں گے - وہ کیا جہاد کریں گے - کیا علم پڑھیں گے - کیا اعمال صالحہ کریں گے - سچ تو یہ ہے کہ ایسی قوم نہ اچھی حکمراں قوم بن سکتی ہے نہ اچھی محکوم قوم -

ہم ہندو مسلمان متحدہ ہندوستان کے وقت جب انگریز کے ماتحت اور محکوم تھے مجھے یاد ہے کہ ہندو اس محکومیت کے باوجود تجارت میں ہم سے آگے تھا - تعلیم میں ہم سے سبقت لے گیا تھا - ملازمتوں میں اس کا قبضہ تھا - وہ بھی ہمارے ساتھ آزاد ہو چکا ہے - لہذا میرا خیال ہے کہ ہم نہ اچھے محکوم ثابت ہوئے اور نہ عادل اور کارکن حاکم - اس کی وجہ خواہ کوئی کچھ کہے میں تو یہی کہوں گا کہ ہماری خانہ جنگیاں اور ہماری موجودہ فرقہ بندیاں اس ساری تباہی کی ذمہ دار ہیں - اور اس کا سہرا بادی النظر میں جاکر علماء سو کے سروں پر بندھتا ہے -

قائد اعظمؒ کے حصول پاکستان کا مقصد

بیہات ثم بیہات - بیچارے قائد اعظم نے پاکستان کی اسلامی حکومت اس لئے حاصل کی تھی کہ مسلمانوں کی اس دینی اور اسلامی حکومت کے اندر قرآن اور سنت رسول اللہ کے مطابق مسلمانوں کا ایک جامع قانون تیار ہوگا۔ اور سب مسلمان قرآنی احکام تلے ایک پاکیزہ زندگی گذار سکیں گے۔ اور ان کی پارلیمانی اکثریت اسلامی قوانین، اسلامی اصولوں، قرآن اور سنت رسول اللہ پر چلنے کے لئے مجبور ہوگی۔ اس طرح سے پاکستان کا آئین اسلامی قرآن اور شریعت پاک کی روشنی میں جدید طرز کا قانون مکمل ہو جائے گا۔ جس سے مسلمان قوم کا سر فخر کے ساتھ بلند ہوگا۔ اور وہ دوسری قوموں کو دکھا سکے گا کہ نبی امیؐ کے لائے ہوئے قرآن اور اس کی شریعت پر عمل کرنے سے دنیا کے پیچیدہ ترین مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ اور قرآنی احکام انسان کی دین اور دنیا کی راہنمائی کے لئے کافی ہیں لیکن کیا کیا جائے کہ ہمارے یہ چودھری اپنی کلاہ اور دستار کی سربلندی چاہتے ہیں۔ انہیں اسلام اور شریعت کی سربلندی سے کچھ بھی سروکار نہیں۔ ہمارے نوجوان وزیر اعظم مسٹر محمد علی بیچارے اسلامی دستور بنانے کیلئے جس محنت اور عرق ریزی کے ساتھ شب و روز دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ کس سے پوشیدہ ہے؟ لیکن ایسے وقت میں شیعہ علما نے ایک اعلان جاری کر کے اپنی تنگ نظری اور نفاق کا ثبوت دیا ہے۔

ذیل میں شیعہ علما کے اس فیصلہ کی جو کہ حال ہی میں اخبار انجام مورخہ $14\frac{10}{53}$ کو شائع ہوئی ہے ایک نقل پیش کرتا ہوں۔

پاکستان کے دستور کے متعلق شیعہ علما کا متفقہ فیصلہ

سید اسرار حسین صاحب ایڈووکیٹ سکریٹری ادارہ عالیہ تحفظ حقوق شیعہ صوبہ کراچی دسندھ اطلاع دیتے ہیں کہ:۔

شیعہ علما نے ایک اجتماع میں پاکستان کے دستور اساسی کے متعلق یہ متفقہ فیصلہ کیا ہے کہ شیعان پاکستان کو ایسا کوئی دستور قابل قبول نہ ہوگا جس میں مندرجہ ذیل تحفظات صراحتاً درج نہ ہوں۔

۱۔ قرآن وسنت کی وہ تعبیر جو کسی ایک فرقہ اسلامی کے نزدیک درست ہو کسی دوسرے فرقہ پر عائد نہ ہوگی۔

۲۔ تمام مسلمہ فرقوں کو اپنے عقائد کی تبلیغ واشاعت اور رسوم مذہبی کی ادائیگی کی مکمل آزادی حاصل ہوگی۔

۳۔ ہر مسلمہ فرقہ اسلامی کے لوگوں کے شرعی نزاعات اور معاملات مثلاً نکاح طلاق، میراث وغیرہ کا فیصلہ اسی فرقہ کے فقہ کے مطابق ہوگا۔

۴۔ ہر مسلمہ فرقہ اسلامی کے طلبا وطالبات کے لئے دینیات کی تعلیم کا انتظام اسی فرقہ کے عقائد کے مطابق کیا جائیگا۔ اور اسی فرقہ کے منتظمین تعلیم دیں گے۔

۵۔ اگر حکومت کی طرف سے تبلیغ مذہب اوقاف یا دیگر فرائض مذہبی کے لئے کوئی ادارہ قائم کیا جائے گا تو شیعوں کے لئے جداگانہ ادارہ کا قیام ضروری ہوگا جس کی نگرانی شیعہ ارکان سے متعلق ہوگی۔

اے خداوند عالم! ہندوستان اور پاکستان کے بٹوارے کے موقع پر جو قیامت خیز اور لرزہ اندام واقعات خونریزیاں عصمت دریاں اور بربادیاں رونما ہوئیں جس سے ہزاروں نہیں لاکھوں بندگان خدا کو بلا وجہ خوار اور خراب ہونا پڑا۔ جس کا اثر نہ صرف سنیوں بلکہ شیعہ۔ اہل حدیث وغیرہ سارے فرقوں پر یکساں پڑا۔ لیکن افسوس ہے کہ ان حادثات کا بھی مسلمان کی غفلت، جہالت باہمی فرقہ بندی وغیرہ پر کچھ مفید مطلب اثر نہ ہوا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان خونی حادثات کو دیکھنے کے بعد مسلمان غفلت سے بیدار ہو جاتے اور اپنی کھوئی ہوئی وحدانیت اور روایتی اخوت کے جذبات کو کام میں لاکر باہم گلے ملتے۔ شیعہ۔ سنی۔ اہل حدیث سب ایک ہو جاتے۔ جیسا کہ قرون اولیٰ میں نہ کوئی شیعہ تھا نہ سنی۔ نہ اہل حدیث نہ اہل قرآن۔ ساری قوم مسلم اور فقط مسلم ہوتی تھی کیونکہ ان کو اسلام اور بانیٔ اسلام محمد رسول اللہ صلعم کا یہ ارشاد گرامی اور یہ وصیت جو کہ آپ نے حضرت حذیفہ رضؓ کو کی تھی ہر وقت پیش نظر رہتی تھی۔ (حدیث)

آنحضرتؐ نے حضرت حذیفہؓ کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ فاعتزل تلک الفرق کلھا ولو ان تعض باصل شجرۃ حتی یدرکم الموت ۔ یعنی اے حذیفہ جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اور ایک راہ یا سبیل نہ رہے اور لوگ بہت سارے طریقوں اور مذہبوں میں بٹ جائیں تو طالب حق کو چاہیئے کہ ان سارے بناوٹی مذہبوں اور جماعتوں سے الگ ہو جائیں۔ اور صرف "مسلم و مومن" رہیں۔ اگر ایسا کرنے میں نوبت دلسکیپی کی وجہ سے درختوں کی جڑیں چبا چبا کر ہی جینا پڑے تو اس کو بھی

گوارا کریں۔ مگر الگ الگ مذہب بنانے والوں کا ساتھ نہ دیں۔ (پوری روایت صحیحین میں ہے)

کسقدر رنج اور افسوس ..... کا مقام ہے کہ ایسی اعلیٰ تعلیم کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کے یہ چودھری بجائے ایک ہوجانے کے خود بخود فرقہ بندی پر زور دے رہے ہیں۔ اس اعلان کو پڑھنے کے بعد غور کرنے سے صاف صاف طور پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ علما مسلمانوں کی پرانی خلیج نفاق اور فرقہ بندی کو پاٹنے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ نہیں چاہتے کہ یہ فرقہ بندیاں ختم ہوجائیں۔ کیونکہ فرقہ بندی کے ختم ہوجانے سے ان کی دستار فضیلت اور چودھری پنے میں رخنہ پیدا ہوتا ہے اور ان کا ذاتی وقار ختم ہوجاتا ہے۔

میں اپنی کتاب پڑھنے والوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ سوچیں اور غور کریں کہ اس اعلان کے بانی مبانی کون ہیں۔ شیعہ عوام یا شیعہ علماء؟ اعلان میں صاف لکھا ہے کہ شیعہ علما! بس اس ایک ہی مثال سے ہمارا یہ دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتا ہے کہ شیعہ اور سنّی۔ اہل قرآن اور اہل حدیث کے نام سے جو جھگڑے۔ فساد اور سر پھٹول ہو رہا ہے۔ یہ سب ان فرقوں کے ایسے چودھریوں کا کام ہے جو اپنی ذاتی اغراض اور ذاتی نفع اندوزی کے لئے سادہ لوح مسلمانوں کو باہم دست و گریباں رکھتے ہیں۔

قارئین کرام حضرت رسول اللہ کی وصیت کو جو آپ نے اپنے محرم اسرار صحابی حضرت حذیفہؓ کو فرمائی تھی جس کا اوپر ذکر ہوا اس کو اور شیعہ علما اور شیعہ چودھریوں کے اس اعلان کو اپنی نیز یہ ساتھ ساتھ رکھیں اور بغور پڑھیں تو ان کو یقیناً معلوم ہوجائے گا کہ یہ اعلان وصیت اور سنت رسول اللہ کی محض

ب ضد ہے۔ اور بالکل برعکس اور بالکل مخالف حرکت ہے۔ جہاں
ول اللہ مسلمانوں کو ایک جماعت۔ ایک راہ۔ ایک سبیل کی تعلیم دیتے ہیں
یعہ علما اس کے بالکل برعکس فرقہ بندی کو برقرار رکھنے، اس کی احیا اور
برائے تئے کوشاں ہیں۔ مسلمانوں کو فرقوں فرقوں میں بانٹتے انہیں
یعہ، سنی وغیرہ ناموں سے زندہ رکھنے اور اس طرح سے مسلمانوں کی
حدت یونٹی اور اخوت کی جڑ کھود کر اس کو برباد کرنے پر تلے ہوتے ہیں۔

سوچنے اور غور کرنے کا مقام

سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ اگر شیعہ حضرات کو اپنا علیحدہ قانون
رعی تنازعات اور معاملات کا مثلاً نکاح، طلاق میراث وغیرہ کا فیصلہ ان
ے مذہب اور گروہ کے قانون کے مطابق دیدیا جائے اور ہر فرقہ کے
لبا اور طالبات کے لئے دینیات کی تعلیم کا انتظام اسی فرقہ کے عقائد کے
طابق دیدیا جائے تو پھر وحدت اسلامی۔ قانون قرآنی۔ سنت رسول اللہ
اکیا بنا۔ اگر سنی کا علیحدہ قانون ہوا اور شیعہ کا علیحدہ۔ تو پھر اہل حدیث
ہل قرآن وغیرہ وغیرہ نے کیا گناہ کیا ہے کہ انہیں اس حق سے محروم رکھا جائے
در اگر اس طرح کیا جائے تو پھر اسلام کی وحدانیت پارہ پارہ ہو کر گھر گھر کا اپنا
علیحدہ قانون۔ علیحدہ دستور اور علیحدہ شریعت بن جائے گی اور یہی ہے وہ
یز جو کہ دراصل یہ ملّا لوگ چاہتے ہیں

آج بھی اگر علمائے اسلام (سنی، شیعہ۔ اہل حدیث وغیرہ) کی نیت
رست ہو جائے تو وہ باہم کوڈے جوڑ کر بیٹھ سکتے ہیں اور تمام مذاہب
کے مسلمہ اصولوں کو یکجا کر کے ان فروعی اختلافات کو قرآن اور سنت

کی روشنی میں رفع کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن ہمارے ان چودھریوں کا خانہ خرا
وہ ہمیں کچھ کام کرنے نہیں دیتے۔ انہوں نے اپنے اغراض نفسانی کی خاطر
قومی اتحاد اور اتفاق کی مضبوط رسی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے ۔

قارئین یہ شیعہ علما جو مسلمانوں کے ایک بڑے فرقہ کے لیڈر ہو
دعویٰ کرتے ہیں اور جن کے سینے (بقول ان کے) نور اور عرفان قرآنی
معمور بتائے جاتے ہیں ان کا بیان تو آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اب ذیل میں تو
تعلیم سے نا آشنا، عربی علوم سے نابلد۔ انگریزی سکولوں اور کالجوں کے تعلیم
مسٹر محمد علی وزیر اعظم پاکستان کا اقدام ۔ تازہ وہ بیان جو کہ انہوں نے حال
ساز اسمبلی کے تاریخی اجلاس میں دیا تھا درج کرتا ہوں ۔ اس کو بھی مطالعہ کر
اور سوچیں کہ ان دونوں میں کتنا فرق ہے ۔ جہاں شیعہ علماء کا بیان وحد
اسلامی کو پارہ پارہ کر رہا ہے وہاں اس عربی علوم سے نا آشنا، کوٹ پتلو
ہیٹ پہننے والے بنگالی نوجوان کا بیان، روٹھوں کو منانے، بگڑوں کو بنانے شک
دلوں کو جوڑنے ۔ ٹوٹے ہوئے قلوب کو پیوند لگانے کا ایک دوستانہ پیغام

اخوت

وزیر اعظم نے کہا۔ اس کے علاوہ وہ بنیادی اصولوں کی رپورٹ میں جو تجاویز
ہیں وہ ان ترمیمات کے ساتھ ہم پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ایک ایسے آئین کے لئے موزو
بنیاد بن سکیں گی جو ان اعلیٰ اصولوں کے مطابق ہو جن کے لئے پاکستان بنا ہے
ان اعلیٰ اصولوں کے مطابق پاکستان میں ایک جمہوری آئین بنے گا جس
کے تحت ملک کے لئے عوام کا معیار زندگی بلند کرنے ۔ اسلامی اخوت کے
اسلامی نظریہ کو ترقی دینے ۔ مذہب و فرقوں کی مصنوعی حدود کو توڑنے ا

لامی اصولوں کے مطابق سماجی انصاف برتنے کی پالیسی مرتب کی جائیگی۔
اور آزادی، مساوات اور برداشت کے اصولوں پر چلنے کے مواقع فراہم
ہیں۔ ان تجاویز میں ایک طرف یہ ضمانت دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگیاں
لامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کے مواقع فراہم کئے جائیں گے۔ دوسری
ن ان میں اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے مذہب
زادی سے چل سکیں اور اپنے کلچر کو ترقی دے سکیں۔

ہر شہری کو بنیادی انسانی حقوق مثلاً برابری کا درجہ۔ برابری کے مواقع
ن میں برابری اور سماجی۔ معاشی وسیاسی انصاف کی گارنٹی دیجائیگی
کی سالمیت اور آزادی کی پوری پوری حفاظت ہو گی۔ یہ تجاویز جو بنیادی
لوں کی رپورٹ میں شامل ہیں پاکستان کے عوام کو ترقی کرنے اور اقوام
م میں اپنے لئے باعزت جگہ پیدا کرنے کا موقع دیں گی۔ آخر میں میں ایوان
یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آئین بنانے میں پہلے سے بہت تاخیر ہو گئی ہے اور اب
ید تاخیر کی گنجائش نہیں ہے۔

ہم پر عوام کی طرف سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ایسا آئین بنائیں جو ان
ے نظریات اور خواہشات کا حامل ہو اور اس آئین کو بلا تاخیر مکمل کریں۔ اب
ہ وہ مشکلات جن سے آئین سازی میں رکاوٹ پڑ رہی تھی دور ہو چکی ہیں ہمیں
د از جلد آئین بنا لینا چاہیئے۔ تجویز یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو پوری بنیادی اصولوں
رپورٹ پر اس اجلاس میں غور و خوض مکمل کر لیا جائے۔ در اصل ہمارا مقصد
ہے اور غالباً اس کا ذکر کرتے ہوئے میں اس ایوان کے ممبروں کی خواہشات
ن کر رہا ہوں ۔"

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ وہ دین اسلام جو دنیا سے جہل اور

تاریکی، فرقہ بندی اور دھڑہ بازی کو مٹا کر وحدت اور اخوت کا سبق دی
اور سنگ وخشت کے معبود بتوں کو توڑنے کے لئے آیا تھا۔ آج اس
رسول کی امت (سنی شیعہ۔ اہل حدیث وغیرہ) کے جہلا نہیں
علماء۔ عوام نہیں بلکہ خواص اور مشائخ پتھر کے بتوں کے بجائے اپنے
نفسوں اور خواہشات نفسانی کی۔ ریاکاری اور جاہ کی۔ عجب اور خود
کی شہرت اور ناموری کی۔ دکھاوے اور نمائش کی۔ زندہ باد اور مردہ باد
خوبصورت بتوں اور مورتیوں کی شب وروز پوجا اور پرستش کر رہے
ہم مسلمانوں سے بت پرستی آجتک نہیں گئی۔ ہاں البتہ بتوں کی شکلیں اور
کے مجسمے ضرور بدل دیے گئے ہیں۔ اسلام سے پہلے لات۔ ہبل اور عزیٰ
مٹی کے مجسموں کی پوجا ہوا کرتی تھی تو آج خود غرضی اور خواہشات نفسانی
پوجا پاٹ بدستور جاری ہے یعنی نہ ہم پہلے تھے نہ اب موحد ہونے کا صحیح دعوے
کر سکتے ہیں علامہ اقبال رح نے کیا خوب اس کو ادا کیا ہے۔

مسلم از سر نبی بیگانہ شد - باز این بیت الحرم بتخانہ شد
از منات ولات وعزیٰ وہبل - ہر یکے دارد بتے اندر بغل
شیخ ما از برہمن کافر تر است - زانکہ او را سومنات اندر سر است

ہمارے دین فروش علماء سُو

اگر ایسے دین فروش علمائے سُو قرآن، حدیث اور فقہ کے پڑھنے
بجائے ایک کلہاڑی لے لیتے اور ایک موٹا رسہ خرید لیتے اور کسی جنگل میں
جا کر صبح سے شام تک لکڑیاں کاٹ کاٹ کر گٹھا بناتے اور ان لکڑیوں کا
گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر بازاروں میں لکڑی بیچ بیچ کر اپنا گذر اوقات کرتے

ان کی اس قرآن خوانی سے اور ان کی اس عربی دانی سے ان کا ایسا فعل یقیناً بدرجہا بہتر ہوتا۔ کیونکہ ان علما عبیدالدنیا نے لکڑی بیچنے کے بجائے آج قرآن بیچا۔ فتویٰ بیچنا۔ دین بیچا اور ایمان بیچنا شروع کر دیا ہے۔ تو اس سے تو لکڑی بیچنا کیوں نہ بہتر ہوتا۔ (اقبال)

صوفی ما چشم بر تبخانہ دوخت	مفتیِ دین متیں فتویٰ فروخت

چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما	رخ سوئے تبخانہ دارد پیر ما

لڑاؤ اور حکومت کرو

علمائے سو نے اپنی مشق تکفیر اور فتویٰ بازی کے تیروں سے مسلمانوں میں ہو بہو وہی انگریز کی پالیسی یعنے Devide and rule گویا لڑاؤ اور حکومت کرو کا مشغلہ اور طریق جاری کر رکھا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر کسی کو شیعہ بنا دینا۔ کسی کو وہابی کہہ دینا۔ کسی کو کافر کسی کو ملحد۔ الغرض ان کی نظروں میں کوئی مسلمان مسلمان نہیں رہا۔ ان کی اس فتویٰ بازی کا نتیجہ آج جا کر یہ نکلا ہے کہ شیعہ سنی کا دشمن ہو گیا ہے اور سنی اہل حدیث کا دیوبندی بریلوی سے شمشیر بکف ہے اور بریلوی کو دیوبندی سے عداوت۔ الغرض گھر گھر دشمنی اور عداوت کا زہر پھیل گیا۔ آج باہم مسلمانوں میں نہ محبت ہے نہ الفت۔ نہ اتحاد ہے نہ اتفاق۔ ایک دوسرے کی بربادی اور بے غیرتی پر مسرور اور شاداں نظر آتا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہ سب کچھ ان علمائے فتویٰ باز کی مہربانی کا نتیجہ ہے۔ فتویٰ کے اندر یہ ملاّ نے یہاں تک آگے کو نکل گئے ہیں کہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے والد بزرگوار حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسے کاملین زمانہ کو بھی شیعہ ہونے کا فتویٰ دیتے

رہے۔ اور تعصب و فرقہ بندی کی آگ کو حسد اور عجب کے سبب زیادہ سے زیادہ مشتعل کرتے رہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ ملانوں نے نہ خود کبھی کوئی ٹھوس کام کیا ہے اور نہ کسی دوسرے کو کام کرنے دیا ہے۔ ان علما کی یہ بدعت جاریہ اور عادت بن گئی ہے کہ خود زر پرستی اور جاہ طلبی میں غرق رہتے ہیں لیکن اگر کوئی نیک اللہ کا کارکن بندہ قوم اور ملت کی اصلاح اور خدمت کا درد لیکر میدان میں آتا ہے تو یہ بدنصیب اس کے خلاف فوراً ایک محاذ بنا کر اس کی ساری محنت اور کوشش ضائع کر دیتے ہیں۔

اتحاد اور اتفاق

جب میں نے اتحاد اور اتفاق پر زور دیا تو وکیل علما سو بگڑ کر کہنے لگا اے خداوند عالم اتحاد بین المسلمین کی بھی خوب کہی۔ اتحاد اور اتفاق کی آڑ لیکر ان لوگوں نے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنا شروع کر دی ہیں۔ آج ملحد۔ مشرک۔ شیعہ۔ وہابی۔ کسی کی کوئی باہمی تمیز نہیں رہ گئی ہے۔ ہر شخص مسلمان بنا ہوا ہے اور اہل حق کے منہ آ رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس اتحاد بین المسلمین کا مطلب کیا لیا جاتا ہے؟ شیعہ صحابہ کبار امیر عمرؓ اور صدیق اکبرؓ جیسی متبرک ہستیوں کو نعوذ باللہ سب و شتم کریں تو پھر اتحاد کے معنی یہ ہوتے کہ ہم ان کے ساتھ مل جل جائیں۔ اسی طرح وہابی فقہ کی تقلید نہ کریں تو ستی بھی ان کے ہم نوا ہو جائیں۔ یہ اچھا اتحاد ہے جو ہمیں سکھایا جا رہا ہے۔

منشائے اتحاد

میں نے کہا حضور مولوی صاحب! ہم جب اتحاد بین المسلمین کی دعوت دیتے ہیں تو ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہوا کرتی جو کہ آپ نے بدقسمتی سے سمجھ لی ہے۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ سب مسلمانوں کے فرقے اپنے اپنے عقائد کو چھوڑ کر ایک عقیدہ پر جمع ہو جائیں یہ بات بھلا آپ لوگ کیسے ہونے دیں گے؟ اتحاد بین المسلمین سے فی الحال ہماری مراد یہ ہے کہ ہر شخص اپنے عقیدے کے مطابق عبادت نماز روزہ تقویٰ اور طہارت کرتا رہے یہ اختلافات سب فروعی ہیں۔ یہ پڑے ہوتے رہیں۔ چونکہ اصول اسلام میں سب فرقے باہم متفق ہیں۔ صرف ہماری گذارش اس قدر ہے کہ سارے مسلمان خواہ وہ شیعہ ہوں خواہ حنفی خواہ اہل حدیث، سب کو اسلام کی حمایت، حفاظت، تبلیغ اور اشاعت میں باہم ایک ہو جانا چاہیے۔ قومی معاملات میں اتحاد ہونا چاہیے۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ایک ہو جانا چاہیے خواہ عقائد میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کسی کو کافر، مشرک وغیرہ ناموں سے ہرگز یاد نہیں کرنا چاہیے۔ اور نہ باہم نفرت اور حقارت ہونی چاہیے۔ نہ تذلیل اور تحقیر۔ جہاں بھی ملک اور ملت دین اور مذہب کا سوال آن پڑے اپنے ذاتی اختلافات کو یکسر بھول جانا چاہیے جس طرح کہ غیر قومیں جب مسلمان کے خلاف محاذ قائم کرتی ہیں تو اپنے ذاتیات نسلی اور مذہبی اختلافات سب کو بھول جاتے ہیں۔ ہمیں اگر اتنی سمجھ نہیں ہم میں اتنی عقل نہیں تو اوروں کو دیکھکر ہی ہم کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ ہندوستان اور پاکستان کے بٹوارے کے موقع پر کیا ہندو اور سکھ نے کسی مسلمان پر حملہ کرتے وقت یہ تمیز روا رکھی۔ اور کسی سے پوچھا کہ تم سنی ہو یا شیعہ یا اہل حدیث ہو۔ بلکہ جہاں یہ سمجھا کہ مسلمان ہے آنکھیں بند کر کے اس پر ہاتھ صاف کرتے رہے۔ مسلمانوں کو بھی اسی طرح اتحاد قائم کرنا

چاہیئے - اتفاق اور اتحاد کی جیسی عملی تعلیم مسلمانوں کو دی گئی ہے کسی دوسرے مذہب والوں کو یقیناً نہیں دی گئی - لیکن تعجب کی بات ہے کہ آج جس قدر خانہ جنگی - بغض اور عناد ان میں پایا جاتا ہے یقیناً کسی اور قوم میں نہیں -

اگر ذرا غور اور فکر سے کام لیا جاتا تو ہندوستان اور پاکستان کے بٹوارے میں جس طرح ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کو بلا تمیز اس بات کے کہ وہ سنی ہیں یا شیعہ - اہل حدیث ہیں یا اہل قرآن - محض مسلمان سمجھکر چن چن کر مارا اور چن چن کر ان کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کرتے رہے - صرف یہی واقعات اور حادثات ہماری عبرت اور سبق آموزی کے لئے بالکل کافی تھے لیکن دیکھا یہ جا رہا ہے کہ بٹوارے کے بعد بھی آجتک ہماری خرمستیاں بالکل وہی ہیں - ان میں ذرا بھی فرق نہیں آیا ہے - ؏

وہی چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

کتب تواریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے دو تین ہزار برس پیشتر ہندو قوم بھی اپنے مذہبی اختلافات کے سبب اسی طرح سے باہم دست و گریبان رہتی تھی جس طرح کہ آج مسلمانوں کی حالت ہے - بلکہ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ بارہا ہندو راجاؤں نے دوسرے ہندو راجہ کے خلاف باہر کے لوگوں کو حملہ کرنے کی ترغیب و تحریص اور اشتعال دیا - لیکن جب کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے بے اتفاقی اور باہمی لڑائی جھگڑوں کے برے نتائج پر غور کیا تو وہ فوراً بیدار ہوئے اور آئندہ کے لئے انہوں نے ایسے برے کردار سے بیزاری اختیار کی اور آج بھی اگرچہ ہندوؤں میں سینکڑوں عقائدی اختلافات ہیں اور یہ اختلافات صدہا برس پہلے سے چلے آرہے ہیں - ان کے باہمی اختلافات ایسے

ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے ہاتھ کا کھانا بھی نہیں کھاتے۔ باہم کسی قسم کی وجہ یگانگت نہیں رکھتے۔ لیکن باوجود اس کے بھی ان میں خدا کو نہ ماننے والے بھی ہندو ہیں۔ خدا پرست بھی ہندو ہیں۔ وید مقدس کو الہامی کتاب ماننے والے بھی ہندو ہیں اور وید مقدس کو انسانی خیالات کا مجموعہ بتانے والے بھی ہندو ہیں۔ آواگون کا قائل بھی ہندو اس کا منکر بھی ہندو۔ شرادھ کرنے والے اور ان پر طعنہ کرتے والے اذناروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے والے اور انہیں عزت نہ دینے والے یہ سب ہندو ہیں۔ ہندو مذاہب کی چھان بین کرنے والے علما کا قول ہے کہ ان میں کوئی بھی وجہ مشارکت نہیں ان اضداد اور اختلافات کے باوجود سب ہندو ہیں۔ سب ایک قوم اور ایک جان ہیں۔ باہم اختلافات سہی لیکن غیر کے مقابلہ میں سارے کھڑے ہو جائینگے دور جانے کی ضرورت نہیں۔ حال ہی میں کشمیر کے تنازعات کے موقعہ پر باوجود اس کے کہ ہندو۔ مہاسبھا اور جن سنگھ وغیرہ کانگریس اور پنڈت نہرو سے سخت مخالف ہے لیکن مسلمان کا جب سوال پیدا ہوا تو سارے اختلافات کافور ہو گئے۔ اور مسلمان کے خلاف سب کے سب کس طرح ہم زبان اور ہم خیال ہو کر جنگ کے لئے سینہ سپر نظر آنے لگے۔

ذیل میں ہندو مہاسبھا اور جن سنگھی ہندوؤں کے اعلانات ملاحظہ ہوں۔ وہ یوں تو باہم سخت مخالف ہیں اور مخالف رہیں گے۔ لیکن جب ایک غیر قوم یعنی مسلمان کا سوال بیچ میں آگیا تو وہ سب کے سب باہم متحد اور متفق ہو کر لڑنے کا عہد کر رہے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

بھارت کے لاکھوں نوجوان کشمیر کیلئے خون کا آخری قطرہ تک بہانیکو تیار ہیں۔

ہم غافل نہیں ہیں جن سنگھ کے قائمقام صدر کا اعلان

نئی دہلی۔ ۹ ستمبر۔ بھارتیہ جن سنگھ کے قائمقام صدر پنڈت مولی چند شرما نے اعلان کیا ہے کہ اگر پاکستان نے کشمیر پر حملہ کیا تو جن سنگھ بھارتی وزیر اعظم پنڈت نہرو کی حمایت کرے گا۔ انہوں نے برکانیر میں ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کشمیر کی جنگ آزادی پر پاکستان کے امور کشمیر کے وزیر مسٹر شعیب قریشی کی مظفر آباد کی تقریر کا حوالہ دیا اور کہا کہ ہم اس قسم کی دھمکیوں میں نہ آئیں گے۔ ہم غافل نہیں ہیں۔ نہرو یا کانگریس سے اختلافات ہونے کے با وجود ہم اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ لاکھوں نوجوان اپنے وزیر اعظم کی پکار کے منتظر ہیں۔ وہ کشمیر کے دفاع کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک گرانے کو تیار ہیں۔

پنڈت شرما نے کہا کہ مسٹر شعیب قریشی کی تقریر سے علی نہرو معاہدہ کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ پنڈت مولی چند شرما نے پنڈت نہرو سے درخواست کی کہ وہ مسٹر محمد علی سے بات چیت سے انکار کر دیں "

یہ ایک اعلان آپ نے پڑھ لیا جس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ اپنے ملک کے مفاد اور اتحاد و اتفاق کی برکتوں کے پیش نظر کس طرح اپنے اختلافات کو منٹوں میں ختم کر دیتا ہے۔ نیز اس سے ہندو کی غیرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ معلوم نہیں مسلمان کی غیرت ملی کو کیا ہو گیا ہے اور وہ

کیوں ایک مرکز پر مجتمع نہیں ہوتا۔ اب دوسرا بیان ملاحظہ ہو۔

پاکستان کشمیر میں ایک رضاکار بھیجے گا تو بھارت چھ بھیجے گا

جنگ چھڑنے پر سب ہندو بھارتی حکومت کا ساتھ دینگے

ڈاکٹر کھرے کی پاکستان کو دھمکی

نئی دھلی ۔ ۱۲ ستمبر ۔ کل پاکستان کے وزیر امور کشمیر مسٹر شعیب قریشی نے مظفر آباد میں جو تقریر کی تھی اس کا جواب دیتے ہوئے ہندو مہاسبھا کے نائب صدر ڈاکٹر این بی کھرے نے آج کہا کہ شعیب قریشی کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اگر پاکستان ایک رضاکار میدان میں بھیجے گا تو بھارت بڑی آسانی سے چھ یا اس سے بھی زیادہ رضاکار میدان میں لے آئے گا۔ انہیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اتحاد، یقین محکم، اور تنظیم پاکستان کی جاگیر نہیں ہے۔ اگر پاکستان کی حماقت سے جنگ چھڑی تو مجھے یقین ہے کہ بھارت کے سب ہندو چاہے وہ کسی طبقۂ خیال سے تعلق رکھتے ہوں متحدہ طور پر بھارتی حکومت کا ساتھ دینگے

ڈاکٹر کھرے نے کہا کہ مسٹر شعیب قریشی کا یہ الزام غلط ہے کہ ہندو مہاسبھا ایک فاشسٹ تنظیم ہے۔ اگر ملک کے دفاع، سالمیت، اتحاد اور ہم آہنگی کے لئے کام کرنا فاشزم ہے تو ہم ضرور فاشسٹ ہیں۔

ڈاکٹر کھرے نے کہا کہ ابھی کچھ ہی دن کی بات ہے کہ شعیب قریشی قوم پرست تھے اور پنڈت نہرو کے گہرے دوست تھے۔ انہوں نے بڑی غیر ذمہ دارانہ تقریر کی ہے۔ پاکستان کے ذمہ دار مدبروں کی غیر ذمہ دارانہ تقریروں سے بھارت و پاکستان کے تعلقات کی بنیاد کمزور ہوتی ہے۔

مسلمانوں کی تفرقہ بازی کا علاج

میرے ناقص خیال میں اس تفرقہ بازی سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایسے علما کو جو مسلمانوں کو باہم لڑاتے رہتے ہیں اور کفر و کافری اور فتویٰ بازی کا بازار گرم رکھتے ہیں۔ سب مسلمانوں کو ان کے خلاف محاذ قائم کرنا چاہیئے۔ اور ایسے علمائے فتنہ پرداز کو اپنی مسجدوں اور امامت سے صاف جواب دیدینا چاہئیے۔ انہیں کھلم کھلا کہدینا چاہیئے

"حضور مولوی صاحب اسلام اور مذہب کے
نام پر آپ ہمیں خوب لڑاتے رہے۔ اور
اپنے حلوے مانڈے کا خوب چرچا کرتے
رہے۔ اب ہم آپ کو سمجھ چکے ہیں۔ آپ کا
مقصد یہ ہے کہ ہم باہم لڑتے رہیں۔ ہمارا
سرکھٹول ہوتا رہے۔ ہم دن بدن قعرِ ذلت میں
گرتے جائیں۔ ذلیل اور غلام ہوتے چلے جائیں
اور آپ ہماری حماقتوں کا فائدہ اٹھاتے رہیں"

اگر عام مسلمان بیدار ہو کر فرقہ پرست ملاؤں اور رہبروں کو اس طرح دو ٹوک جواب دیدیں تو یقیناً مسلمانوں میں پھر اتحاد پیدا ہو سکتا ہے لیکن یہ کام نہ ایک آدمی کا ہے نہ دو کا۔ یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ شیعہ۔ سنی۔ اہل حدیث الغرض سب مسلمانوں میں بیداری کی ایک لہر پیدا ہو جائے۔ اور وہ سب اپنے اپنے فرقہ پرست علما کو دو ٹوک جواب دیدیں۔ اور باہم گلے لگ جائیں۔ اور ہر ایک کی زبان پر یہ شعر ہو

ہم میں تم میں بھی کبھی دوست جدائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دشمن کی اڑائی ہو گی

علمائے سو کا مشقِ تکفیر

کتب تواریخ کا بغور مطالعہ کرنے والوں سے یہ حقیقت کچھ چھپی ہوئی نہیں کہ ہر زمانے اور ہر دور کے اندر علمائے سوء و عبید السلاطین اور عبید الدنیا (یعنی بندگان حکومت اور بندگان دنیا) کس طرح اپنی فتویٰ فروشیوں سے اپنی زرپرستی اور خود غرضیوں سے۔ اپنے عجب اور بڑائی سے۔ اپنی نفس پرستی اور نمائش اور ریاکاریوں سے دنیا کے لئے ایک زحمت اور ایک لعنت ثابت ہوتے رہے ہیں۔

ان علمائے سو کے حالات جاننے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ انہوں نے مشق تکفیر کے شوق میں کس طرح کتمان حق کیا۔ اور کس طرح اپنی بات منوانے کے لئے طرح طرح کے حیلے بہانے تراشے۔ اپنی بات منوانے اور اپنی نام آوری کی خاطر اس بات کی پرواہ نہیں کہ کسی کو کوڑے لگیں۔ کوئی مظلوم مقتول ہو یا مارا جائے لیکن حضرت کا فقط مسئلہ اور ان کا بول بالا ہونا چاہیئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اختلاف جدل اور فتویٰ دینے میں ان کا منشا خدا طلبی اور حق کی سربلندی نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی ذاتی سربلندی شہرت اور نیک نامی مقصود ہوتی ہے۔ حالانکہ اللہ کے نیک بندوں یعنی علمائے ربانی کی حالت بالکل دگرگوں ہوا کرتی ہے۔

آگے علمائے ربانی کے حالات کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ ان کے کردار سے حق پرستی کا بول بالا ہوتا ہے ——

امام شافعیؒ کے حالات میں امام غزالیؒ لکھتے ہیں

"آپ کا یعنی امام شافعی کا ارشاد ہے کہ میں نے کبھی کسی سے مناظرہ اس طرح پر نہیں کیا کہ یہ چاہا ہو کہ وہ خطا کرے۔ اور میں نے جب کبھی کسی سے گفتگو کی ہے تو ہمیشہ یہ چاہا ہے کہ اس کو توفیق اور رہنمائی اور اعانت ملے۔ اور اس کے اوپر خدا تعالیٰ کی حفاظت اور حمایت رہے۔ اور جب کبھی بھی میں نے کسی سے کلام کیا ہے تو یہ پرواہ نہیں کی کہ امر حق خواہ میری زبان خواہ اس کی زبان سے نکلے۔ نیز فرمایا کہ جب میں نے امر حق اور حجت کو کسی پر پیش کیا اور اس نے حق بات کو قبول کیا تو میں اس سے ہیبت رکھتا ہوں اور اس کی محبت کا معتقد ہوتا ہوں۔ اور جو امر حق پر مجھ سے زبردستی کر کے حجت توڑتا ہے تو وہ میری نظر سے گر جاتا ہے۔ اس سے ملنا چھوڑ دیتا ہوں"

ایک دفعہ یحییٰ ابن معینؒ نے امام احمد حنبلؒ کو دیکھا کہ امام شافعیؒ کے خچر کے پیچھے پیچھے جاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ اے ابو عبد اللہ تم نے سفیان ثوریؒ کی حدیث کو باوجود ان کی بزرگی کے ترک کر دیا ہے۔ اور اس گبھرو یعنی نوجوان کے خچر کے پیچھے جاتے ہو اور ان سے علم حدیث سننے کی کوشش کرتے ہو۔ امام احمد حنبلؒ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم ان کے علم کی قدر و قیمت کو جانتے ہوتے تو اس خچر کے ایک طرف میں جا رہا ہوں تو دوسری طرف تم بھی چلتے۔ احمد حنبلؒ نے فرمایا کہ اگر سفیان ثوریؒ کا علم ان کی برتری کے سبب نہیں ملا تو انکسار اور تواضع اختیار کرنے سے تو کم از کم حاصل ہو جائے گا۔

افسوس ہزار افسوس کہ ان علمائے سو نے بجائے لوگوں کو مسلمان کہنے اور اسلام کی قوت اور جمعیت کو مضبوط تر بنانے کے ذرا ذرا سے اختلافات پر بڑے بڑے کامل علماء خادمان دین اسلام پر فتوے لگا لگا کر شہید کرتے رہے۔ بعضوں کو زندگی بھر جیلوں اور زندانوں میں محبوس کراتے رہے جسکی کہ ایک مختصر سی فہرست اسی کتاب میں کسی اور مقام پر دی گئی ہے۔ حالانکہ اسلام کے اندر اتنی سختی نہیں تھی۔ ابوسفیان سب سے بڑا دشمن اور وحشی قاتل امیر حمزہ نے جب کلمہ پڑھا تو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے سے ان کے سارے جرم اور گناہ بخش دیے گئے لیکن افسوس کہ شیخ علائی اور اس قسم کے دوسرے بزرگوں کو کلمہ تو ایک طرف رہا سراپا علم و عمل قرآنی ہونے کے باوجود بھی ان فتویٰ فروشوں نے خارج از اسلام بنا کر چیروں اور ٹکڑوں سے بھی بدتر موت مروا ڈالا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

افتراق بین المسلمین کا آغاز

جب تک مسلمانوں پر توحید الٰہی۔ وحدت قومی۔ اتحاد ملل اور اخوت ایمانی کی سعادت سایہ افگن رہی۔ اس وقت تک تمام حلقہ بگوشان اسلام کا صرف ایک مذہب اسلام رہا۔ اور کسی شخص نے نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے بالمقابل مخالف کے لئے بھی کسی دوسرے نام کے ساتھ کوئی نسبت امتیازی قائم کرتے ہوئے خلیج افتراق نہیں پیدا کی تھی۔ لیکن افسوس کہ کچھ زمانہ بعد یہ توحید الٰہی۔ وحدت قومی۔ اتحاد ملل اور اخوت اسلامی علیحدہ فرقوں میں متفرق اور پراگندہ ہو گئی۔ جن کو ہم ذیل میں نمبروار درج کرتے ہیں۔

پہلی جماعت کا سنگ بنیاد حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل کی اسی بیعت کے وقت میں رکھا گیا کہ جس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہونے کے باعث شریک نہیں ہو سکے تھے۔ ان لوگوں نے جو ایسے مواقع کی تلاش میں رہتے ہیں اپنی اپنی جگہ پر تفضیل۔ تحقیر اور وصی کی روایات وضع کرنی شروع کیں مگر خلافت ثلاثہ کے عہد میں جناب علیؓ ہمیشہ اسلامی مہموں میں برابر نہ دل سے مصروف کار رہے۔ اس لئے یہ آگ افتراق پسندوں کے سینوں کے اندر ہی اندر دبی رہی۔ لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں اس کا کچھ کچھ اظہار ہوتا رہا۔

آگے چل کر یہ جماعت خود متحد نہ رہی بلکہ واقعات مابعد اور بہت سے فروعی معاملات مثلاً اصولی اور اختیاری بنا پر بیس فرقوں میں متفرق ہو گئی مثلاً فرقہ باطنیہ۔ فرقہ اسمٰعیلیہ۔ فرقہ سبعیہ۔ فرقہ محمرہ۔ فرقہ قرامطہ۔ فرقہ حرمیہ۔ اور فرقہ تعلیمیہ بھی خود کو اسی جماعت سے وابستہ کرتے ہیں۔

ان متحرالذکر گروہوں کے بعض متشددین میں سے کوئی حضرت علیؓ کو نبی کوئی تمام انبیا میں سے افضل ترین اور بعض تو ان کی الوہیت تک کے قائل تھے۔ معہذا ان کے بعض فرقے احکام شرع کی تعمیل کو غیر ضروری اور اپنے پیر و مرشد کے اقوال اور اوراد کو نہایت ضروری خیال کرتے تھے۔ مگر اپنے عقیدوں اور اپنے خیالات کو اخفا میں رکھنا فرض اور واجب سے بھی زیادہ ضروری جانتے تھے۔ یہ تمام کے تمام فرقے خود کو شیعان علیؓ اور ان کے مخالف ان کو روافض کہنے لگے۔

(۲) دوسری جماعت کا آغاز حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں ہوا۔ مگر یقینی طور پر آپ کی شہادت پر ان کا خروج ہوا۔ یہ لوگ جب شیخین

بلکہ خلفائے ثلاثہ میں مبالغہ اور حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد کے بغض میں نہایت غلو کرتے مگر احکام شرع کی پابندی اور عبادات مثلاً نماز روزہ وغیرہ میں ان کا پورا پورا انہماک تھا۔ اس تیسری جماعت کا آغاز بھی آخر زمانہ صحابہؓ میں ہوا ہے۔ یہ لوگ خدا اور اس کی صفات ملائکہ اور ان کی صفات کتاب اللہ حشر نشر حساب۔ کتاب۔ جنت دوزخ کے اعتقاد میں عموماً فلسفہ اور خصوصاً جبکہ یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہوا تو اس کے اصولوں کے مطابق جو ہوتا اس کو تو تسلیم کرتے اور باقی میں یا تو انکار کرتے یا ایسی بعید از عقل اور نقل رکیک قسم کی تاویلیں کرتے کہ درحقیقت اکثر اوقات ایسی تاویل کا صحیح مفہوم بھی صادق نہیں آتا۔ یہ اہل کلام کی جماعت تھی۔ جو کہ آگے چل کر رفتہ رفتہ بیس فرقوں میں متفرق ہو گئی اور ان جملہ فرقوں کو ان کے مخالفین معتزلہ کہتے تھے۔

(۴) یہ چوتھی جماعت ان معتزلہ کی ضد میں پیدا ہوئی۔ یہ لوگ قرآن مجید کے تمام الفاظ میں سوائے حقیقی معنی کے مجاز اور دیگر علم معانی کی رعایت کو قطعی جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ روایات اور اخبارات کے بارے میں اس جماعت کو اس قدر غلو تھا کہ اجتہاد صحیحہ اور علمی تحقیقات بدیہیہ کے بالمقابل روایات ضعیفہ بلکہ اخبارات موضوعہ کو بھی ترجیح دیتے تھے۔ یہ جماعت بھی متفرق ہو کر سات فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ ان کے مقابل والے ان کو مشتبہ اور مجسمہ اور اہل ظواہر کہتے ہیں۔

(۵) اس پانچویں جماعت کی ابتدا بھی اخیر صحابہ کے عہد کے اندر عالم شہود میں آئی۔ اس جماعت کا غلو زیادہ تر انسان کی اسباب قدریہ تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جو کچھ انسان چاہے اپنے اختیار اور قدرت سے

کر سکتا ہے۔ کیونکہ ان کو ہر کام پر ہر طرح سے قدرت حاصل ہے تقدیر اور مشیت وغیرہ کوئی شے اس کے کام میں حائل نہیں ہو سکتی۔ اس جماعت کے مقابل والے اس کو قدریہ کہتے ہیں۔

(۶) چھٹی جماعت قدریہ کے بالمقابل پیدا ہو گئی جو اس کا ضد ہے یعنی ان کو انسان کی نفی استطاعت میں غلو ہے۔ یہ لوگ انسانی اختیارات اور اکتساب عمل جو کچھ انسان اپنے اختیارات سے کر سکتا ہے اس کے بالکل منکر ہیں آخر کش یہ جماعت بھی متحد نہ رہی۔ آگے چل کر تین فرقوں میں متفرق ہو گئی ان کے مخالف ان کو جبریہ کہتے ہیں۔

(۷) یہ ساتویں جماعت وہ ہے کہ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلب کا نام ہے۔ اور ایمان کے ہمراہ کوئی معصیت اس طرح ضرر نہیں کرتی جس طرح کہ کفر کے ساتھ اطاعت بکار آمد نہیں ہوتی۔ اس جماعت کی اصلیت یہ ہے کہ ان کو اثبات وعدے میں بہت غلو ہے۔ اور وعید کو محض تنبیہاً خبریں تصور کرتے ہیں۔ آخر کش یہ جماعت بھی باہم متحد نہ رہی اور تین فرقوں میں بٹ گئی۔ ان کے مخالفین ان کو مرجیئہ کہتے ہیں۔

(۸) یہ آٹھویں جماعت ساتویں جماعت کے بالمقابل ان کی ضد ہے یعنی ان کو وعید اور خوف میں نہایت درجہ غلو ہے۔ چنانچہ اس جماعت کا خیال ہے کہ باوجود ایمان اور ادائے فرض کے بھی اور گناہوں کے سبب سے انسان ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیگا۔ ان کے مخالف ان کو جبریہ کہتے ہیں۔

(۹) اس نویں جماعت کو عدم رویت خدا نفی صفات اور قرآن مجید کے مخلوق ہونے میں نہایت درجہ کا غلو تھا۔ ان کے مخالفین ان کو جہمیہ کہتے ہیں ــــ

(۱۰) ان کے مقابل جماعت ہے۔ یہ لوگ حسین نجار کے پیرو تھے۔ ان میں بھی آگے چل کر اتحاد نہ رہا۔ اور یہ لوگ تین فرقوں میں متفرق ہو گئے۔ ان کو ان کے مقابل والے نجاریہ کہتے ہیں۔

الغرض تمام ممالک اسلامیہ کیا بلاد مغربیہ یعنی اندلس اور کیا افریقیہ و مصر بلکہ بلاد مشرقیہ عراق۔ حجاز۔ شام۔ خراسان۔ ماوراء النہر۔ بحرین۔ یمن۔ کوفہ۔ اور بصرہ وغیرہ۔ ہر ایک ملک میں ان فرقوں نے افتراق، اختلاف، اور انتشار کی اشتعال انگیز شعلہ باری اور خاص کر فرقہ باطنیہ اور ان کے رفقائے کار نے تو تمام اسلامی ممالک کو نہایت شعلہ زن آتش سے تشتت سے کرۂ نار بنا دیا تھا۔

ان فرقوں میں سے بعض فرقہ ہائے متشددین کے زعما بلاشبہ حکومت ہائے حربیہ کے ایجنٹ بھی تھے جو عین جنگ کے موقعوں پر اندرونی اسلامی ممالک میں نہایت خلفشار پیدا کرتے رہتے تھے۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وہ توحید الٰہی وحدت قومی اور اتحاد ملی کو ایک آنکھ دیکھنا نہیں گوارا کرتے تھے۔ ان کو خود سلک وحدت اور اخوت میں منسلک رہنا ایسا ناگوار معلوم ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ کسی اور شے کو اپنے اوپر گراں نہیں تصور کرتے تھے۔

جب بدبختی اور شومیٔ قسمت دل کھول کر مسلمانوں کی دامنگیر ہو گئی۔ تو ان جماعتوں نے ایک تو ان تمام ناگہانی واقعات اور اچانک کے حوادثات حائلہ کو آگے رکھ لیا۔ اور تمام مبالغہ آمیز رنگین روایات، وضع کردہ روایات مجروح اور اصول الروایت و اصول الدرایت سے گری ہوئی احادیث نیز آیات متشابہات سے استدلال کرنے میں سرمو کمی نہیں کی۔ سوم علوم و فنون و مبادیات کے علما، محدثین، مجتہدین۔ فقہا۔ متکلمین اور صوفیہ کرام

کے ان تمام مختلف فیہ امورات سے جن کا دائرہ محض تحقیقات علمی تک محدود ہے اور افتراق مذہبی سے ان کو سر مو کوئی علاقہ نہیں ان حضرات نے ان سے بھی ناجائز فائدہ اٹھانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ جا سب سے بڑھکر جو عوام میں اشتعال انگیزی کا پہلو اختیار کیا وہ یہ تھا کہ عقیدے کے وہ معتقد جس خیال کے وہ حامی، اور جن اعمال کے وہ عامل ہوتے ان کو ضروری، فرض، اور انہیں کو عین ایمان اور شعائر اسلام قرار دیتے ہوئے انہیں پر نجات جاودانی اور انہیں کو خلد بریں کا موقوف علیہ قرار دیا۔ اور پھر یہ ستم ظریفی یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اس پر شعلہ فشانی اور شرر باری یہ کی گئی کہ اپنے مخالفین کے عقائد۔ خیالات اور اعمال و افعال فسق و فجور اور عین کفر و شرک اور شعائر ارتداد قرار دیتے ہوئے ان کو مخلد و فی النار کا مستحق قرار دیا۔

الغرض اس طرح سے ان طالبان تفوق نے پہلے تو عام مسلمانوں پر اپنا اقتدار کا سکہ جماتے ہوئے اپنے موافقین کی ان شر انگیز نعروں سے شیرازہ بندی کی اور بعدہ ان کے ذریعے سے ان اہل علم زعما اور اہل ثروت علما نے وحدت قومی اور اتحاد ملی کو پارہ پارہ کرتے ہوئے اس مقصد میں دست درازی کی جو ان کا مطلوب و مقصود یا بالفاظ دگر محبوب اور معبود تھا۔ جہاں اکثر علما سو اس قسم کے فتنوں میں مصروف کار تھے وہاں علمار حق ایسی فضول حرکات اور افتراق کے خلاف جہاد فرما رہے تھے۔

غزالی کا جہاد بالقلم

امام غزالیؒ نے ان کفر گر علما سے ساری زندگی بھر سلسلہ جہاد قائم رکھا

اور اس طبقہ کے علما سو بھی امامؒ کو کافی سے زیادہ تنگ اور پریشان کرتے رہے ۔

امام غزالی کے زمانہ میں مشق تکفیر کا بازار خوب گرم تھا۔ اشاعرہ معتزلہ کو اور معتزلہ اشاعرہ کو کافر کہتے رہتے تھے ۔ فرقہ قدریہ اور جبریہ کو عام طور پر مجوسی اور جہنمی کہا جاتا تھا ۔ امام رح نے اپنی تصنیفات میں بالخصوص رسالہ ملاقی المشکلات ۔ الاحیا میں اس بات کو خوب واضح کر دیا ہے جسکی عبارت کا ضروری ٹکڑہ من وعن درج ذیل ہے ۔

"فرقہ قدریہ والوں کو اکثروں نے کافر کہا ہے اور اہل بدعت کی شان میں خاص وعام دونوں طرح کی حدیثیں موجود ہیں اور قدریہ کے حق میں تو یہ خاص حدیث موجود ہے کہ وے اس امت کے مجوسی ہیں ۔ تو تم کو جاننا چاہیئے کہ گو ان لوگوں کو اکثروں نے کافر کہا ہے لیکن جن لوگوں نے کہ ان کو مسلمان قرار دیا ہے یا جن لوگوں کو ان کے کفر اور اسلام میں تردد ہے ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں بلکہ کافر کہنے والوں سے زیادہ ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے فریق مقابل ہیں جن کا فیصلہ اس دربار میں ہوگا جو سب سے بڑا عالم اور دانا ہے ۔"

کفر اور کافری کا سلسلہ امام غزالیؒ کے زمانہ سے بھی بہت عرصہ پہلے سے جاری تھا ۔ حنابلہ ۔ اشاعرہ ۔ اور معتزلہ باہمدگر صرف اس بات پر لڑ جھگڑ رہے تھے کہ حنابلہ کہتے تھے کہ کسی لفظ کی تاویل ناجائز ہے بلکہ ہر لفظ کے ظاہری معنی سے لینے چاہئیں ۔ اور حنابلہ اس کے خلاف کرنے والوں کو کافر کہتے تھے ۔ اشاعرہ ان کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ تاویل ہونی چاہیئے

لیکن اتنی نہیں جتنی کہ معتزلہ روا جانتے ہیں۔ لیکن غضب یہ کہ جس قدر وسعت تاویل کو اشاعرہ ٹھیک جانتے تھے اس سے کم و زیادہ والوں کو وہ بھی کافر کہتے تھے۔ یعنی ان کے نزدیک معتزلہ کافر ٹھیرتے تھے۔ امام غزالیؒ نے ان تینوں فرقوں کو بہتیرا سمجھایا اور اس باب میں تصنیفات چھوڑیں اور اپنی تصنیفات میں امر حق کو ثابت کیا کہ تاویل کا مسئلہ جس پر لاکھوں حنابلہ اشاعرہ کو اور لاکھوں اشاعرہ معتزلہ کو کافر قرار دے رہے ہیں اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کر رہے ہیں کوئی شئی اہم بات بھی نہیں کیونکہ تاویل سے کسی بھی طبقہ (یعنی اسکول آف تھاٹ) والوں کو چارہ کار نہیں ہے۔ ہر فرقہ کو لامحالہ کہیں نہ کہیں تاویل سے کام لینا ضروری ہوجاتا ہے۔ مثلاً حنابلہ جو کہ تاویل کو کفر جانتے ہیں انہیں بھی کئی حدیثوں میں تاویل کرنی پڑ جاتی ہے۔ مثلاً اس حدیث میں کہ "حجر اسود خدا کا ہاتھ ہے" چونکہ تاویل ہر مکتب خیال کے لوگوں کو لابدی ہے لہٰذا کسی کو کسی پر اس امر میں کافر کہنے کا حق نہیں۔

امام غزالیؒ کے زمانہ میں ایک طرف تو حنابلہ اشاعرہ اور معتزلہ کی کفرگاہ میں کفر و کافری کے اکھاڑے ہو رہے تھے۔ تو دوسری طرف تکفیر کا ایک اور اکھاڑہ بھی محو تکفیر بنا ہوا تھا۔ یہ لوگ "انکار تواتر" والوں کو کافر کہتے تھے۔ مثلاً ان کا کہنا تھا کہ جب کوئی مسئلہ روایات متواترہ سے ثابت ہوجائے۔ اس کا انکار کفر ہے۔ امام غزالیؒ چونکہ مسلمانوں کی تکفیر کے خلاف تھے۔ آپ نے اس باب میں بھی بڑا زور لگایا اور ان کفرگر حضرات کو سمجھایا کہ بے شک تواتر کا انکار کفر ضرور ہے لیکن نفس تواتر کا ثابت ہونا بھی بڑا مشکل ہے۔ قرآن مجید کے ماسوا کسی چیز کا تواتر سے ثابت ہونا نہایت مشتبہ ہے۔ کیا یہ ناممکن ہے کہ ایک گروہ یا جماعت کثیر کسی روایت پر متفق ہوجائے لیکن حقیقت میں وہ روایت صحیح نہ ہو

مثال کے طور پر آپ سمجھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل کو لاکھوں کروڑوں شیعہ (حضرات) متواتر خیال کرتے ہیں۔ حالانکہ در اصل ایسا نہیں۔ ان کفر گر علما کو خدا اللہ اعلم کیوں مسلمانوں کو تکفیر کے حیلے بہانے بنا کر انہیں خارج از اسلام کرنے میں کوئی خاص لطف اور خوشی ہوتی تھی۔ علاوہ مندرجہ ذیل ذرائع کفر کافری کے تکفیر مسلم کے لئے ایک بہانہ یہ بھی گھڑ لیا گیا تھا کہ "اجماع کا انکار کفر ہے"۔ یعنی فلاں مسئلہ پر چونکہ اجماع ہو چکا ہے لہذا اس کا منکر اول تو کافر ہے ورنہ اگر یہ کفر گر حضرات کسی درجہ مہربانی بھی فرماتے تو اس کو "فاسق اور فاجر" کا خطاب تو ضرور دے دیا کرتے تھے۔

امام غزالیؒ نے اس "قتل گاہ تکفیر" کے خاتمہ اور استیصال کے خلاف اپنی قوت علمی اور عملی اور استدلالی کے ہزاروں تیر چلائے اور اجماع کے انکار کے بہانے مسلمانوں کی تکفیر کے سلسلہ کو بند کرنے کی بڑی کوشش فرمائی لیکن ذوق تکفیر کے دلدادوں نے خود امام صاحب کی ذات پر مشق تکفیر کے حربوں سے وار کیا اور یورش کی حتیٰ کہ آپ پر نہ صرف کفر کے فتوے لگائے گئے بلکہ اسپین میں احیاء العلوم کے سارے نسخے جہاں جہاں بھی دستیاب ہوئے جمع کر کے نذر آتش کرا کر اپنے سینوں کی بھڑاس نکالی۔

یہ تو آٹھ نو سو برس پیشتر کے واقعات ہیں۔ آج جبکہ اس قدر عرصہ منقضی ہو چکا ہے۔ اور پھر ہمارے ملک پر انگریزوں نے دو۔ اڑھائی سو برس تک حکومت بھی کی ہے اس لئے ہم میں اور ہمارے علما میں علاقی۔ پروپگنڈا۔ نفاق، کے اثرات چھوڑے ہیں۔ علما کو باقاعدہ وظائف ملتے رہے ہیں تو غور کا مقام ہے کہ فی زمانہ ہماری حالت کہاں سے کہاں پہنچی ہوگی۔

مشق تکفیر اور انگریز

انگریز نے مسلمان مفتیوں کی اس مشق تکفیر کا بازار خوب گرمایا اور اساس کا فرگری کی توپ سے اس نے جتنی تباہی کی ہے اور جتنا بھی شکار کیا ہے اتنا وہ کسی دوسرے حربہ سے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ اس مشق تکفیر کے ایٹم بم نے ترکوں کی سلطنت کو پامال کیا۔ عربوں۔ عراقیوں۔ ایرانیوں۔ ہندوستانیوں کی سلطنتوں کو تہ و بالا کیا۔ ہمارے مظلوم امان اللہ کو دیس بدر کرایا۔

انگریز نے ہمارے مفتیوں کی کمزوریوں سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کے لئے اس قسم کے علماء سو کو چن چن کر ماہوار وظائف دیئے اور ان وظائف کی سنہری مہروں کے ساتھ علماء سو کے سینوں اور منہوں پر مہریں لگا دیں۔ غضب بالائے غضب یہ کہ وہ انگریز کے مقرر کردہ رشوتی وظائف آج تک بھی پاکستان ہو جانے کے باوجود بدستور چند علماء کو مل رہے ہیں۔ ہمارے علاقہ سبی کی تحصیل میں ایک بڑے گدی نشین حضرت صاحب کو آج تک -/۲۵ روپیہ کا وہ انگریزی وظیفہ ٹھیک ٹھیک مل رہا ہے۔ سچ کہا ہے اقبال نے ؏

طب مغرب کے مزے میٹھے اثر خواب آوری

اپنی ذاتی ڈائری میں مولانا عبید اللہ صاحب سندھی صفحہ 27 اپر لکھتے ہیں کہ حکومت افغانستان کا تختہ الٹنے کے لئے پیر صاحب چہار باغ کو مکہ بلایا گیا واپسی پر اس نے کئی قسم کے جھوٹ گھڑ لیے اور کہا کہ مکہ معظمہ میں اس نے خواب دیکھا ہے وغیرہ اور اس طرح سے سازش کا موجب بنا۔

اے رب العزت ان علما کی جاسوسی کا حال خود علما کی زبانی معلوم کر کے کس قدر دکھ اور اذیت روحانی ہوتی ہے کہ حضرت صاحب چہار باغ جس کے

ماننے والے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہوں گے۔ وہ حضرت انگریز کے اشارے پر مکہ معظمہ جاوے اور واپس آکر جھوٹ اور بدگمانی کا جال پھیلا کر کہے کہ اس کو خود رسول اللہ نے خواب میں ایسا ایسا حکم دیا ہے۔ کس قدر شرمناک فعل ہے کہ ایک کافر کی خوشنودی کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول اور اللہ کے گھر کا نام لے لیکر جھوٹے پیغام گھڑ گھڑ کر ایک خادم اسلام بادشاہ کو زندگی بھر کے لئے دربدر کر دے۔ ایسے روپیہ کو لیکر گوشت اور پلاؤ کھانے سے مٹی اور گوبر کا کھانا بہت بہتر ہے۔ (مثنوی) ؏

خاک خوردے کاشکے حلق و دہان

نجدی کا کفر و تکفیر

انگریز جب نجدی کے حجاز پر قابض ہو جانے اور اس کے مقرر کردہ ٹھپو شاہ حسین کو بھگا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نجدی کی جنگی قوت کو دیکھ کر انگریز نجدی سے خوف کھانے لگا۔ پھر کیا تھا اس نے اپنے ان مولوی ایجنٹوں کو اشارہ کر دیا۔ یہ حضرات محض اشارہ کے منتظر کھڑے تھے۔ اشارہ پاتے ہی چھوٹ دوڑے۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے نجدی کے خلاف چار دانگ عالم سے کفر اور کافری کے فتاوے آنا شروع ہو گئے۔ نہ صرف کفر بلکہ اس پر لعنت اور پھٹکار کرائی گئی۔ ہمارے علاقہ کے ایک بڑے نامور مولوی صاحب خدا ان کو مغفرت کرے۔ انہوں نے سبی تحصیل کے گرد و نواح اور گاؤں میں جمعہ کے دن اپنے شاگرد اور دوست باہر بھیج دیئے ان کو حکم تھا کہ وہ مسجدوں کے بیرونی دروازے پر کھڑے ہو جائیں۔ جوں جوں لوگ نکلتے جائیں آپ ان کو سمجھا دیں کہ فلاں حضرت صاحب کا یہ فتویٰ ہے۔ اگر تم نجدی کو لعنت کہو تو پھر بے شک چلے جاؤ ورنہ تمہاری عورتیں اس انکار کے ساتھ ساتھ

طلاق ہو جاتی ہیں۔ بیچارے سادہ لوح لوگ خود کو طلاق اور خانہ بربادی سے بچانے کے لئے جھٹ لعنت وغیرہ جو کچھ یہ لوگ انہیں سکھلانے یا کہلاتے کہہ کر مخلصی حاصل کرتے جاتے۔

لعنت کس کو روا ہے

ذیل میں لعنت کس کو روا ہے ؟ اور کس کو نہیں ؟ کے مسئلہ پر ایک محققانہ شرعی تبصرہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "المومن لیس بلعان" (ترمذی) مومن لعنت کرنے والا نہیں ہوا کرتا۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے (حدیث) حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک روز آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو سنا کہ آپ اپنے کسی غلام کو لعنت کرتے تھے۔ حضور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے ابو بکر کیا صدیق بھی لعنت کیا کرتے ہیں ؟ (کلا ورب الکعبہ) یعنی ہرگز نہیں۔ قسم ہے خدائے کعبہ کی ! حتیٰ کہ اس آخری جملہ کو آپ نے بار بار دہرایا (الخ) اندریں بارہ حضرت امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔

" لعنت کسی خاص شخص کا نام لیکر کہنا ناروا اور خطرناک ہے۔ مثلاً زید اگر بدعتی یا فاسق ہے تو درکنار اگر وہ کافر بھی ہو تب بھی زید کا نام لیکر لعنت کرنا ناجائز ہے۔" آگے چل کر امام صاحب کہتے ہیں " لیکن اس زمانہ کے کسی شخص معین کو خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو لعنت کرنا اچھا نہیں۔ شاید کہ وہ مرنے سے پہلے توبہ کرلے اور ایماندار ہو جائے۔" تو پھر کس طرح اسکو (لعنت) یعنی خدا کی رحمت سے دور رہنے کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ آگے چل کر امام صاحب کہتے ہیں کہ پس اگر کوئی یہ کہے

کہ جب کسی مسلمان کو حالت اسلام کے اندر رحمۃ علیہ کہہ سکتے ہیں (حالانکہ اس کی عاقبت کا کیا علم ہے کہ وہ مسلمان مرتا ہے یا کافر) تو ایسا ہی ایک کافر کو بھی جبکہ وہ کفر کی حالت میں ہو لعنت کرنا جائز متصور ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جس طرح کہ ایک کافر میں احتمال ہے کہ وہ مسلم ہو کر مرے۔ ویسا ہی ایک مسلمان میں بھی شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ کافر ہو کر مرے۔ (خود امام غزالیؒ اس کا یہ جواب دیتے ہیں) تو اس کا جواب یہ ہے کہ رحمۃ اللہ سے مراد یہ ہے کہ خدا اس کو مرتے دم تک مسلمان رکھے جس سے کہ قابل رحمت ہو۔ لیکن یہ بات لعنت میں ٹھیک نہیں۔ یعنی نہیں کہہ سکتے کہ خدا فلاں کو مرتے دم تک کافر رکھے۔ چونکہ اسکی لعنت کا موجب بنانا ہے۔ کیونکہ شریعت میں یہ سوال کفر ہے۔ ایسا سوال بذاتہ کفر ہے۔ آگے چل کر امام صاحب لکھتے ہیں جبکہ خود کافر کا یہ حال ہوا تو کسی گناہگار اور بدعتی مسلمان کو لعنت کرنا تو ہرگز ہرگز جائز نہیں ہوگا۔ چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ آنحضرتؐ ان کافروں کو دعائے قنوت کے اندر مہینہ بھر تک لعنت کرتے رہے جنہوں نے کہ بیر معونہ کے لوگوں کو مارا تھا۔ اس پر یہ آیت اتری (قرآن) لیس لک من الامر شیئ او یتوب علیھم او یعذ بھم فانھم ظلمون (یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاکؐ کو کہتے ہیں) تیرا کچھ) اختیار نہیں یا ان کو توبہ دلوے یا ان کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں۔ یعنی اللہ تعالےٰ کا مطلب یہ تھا کہ تم کس طرح ان کو لعنت یا عذاب کی خواہش کرتے ہو۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور اس طرح سے مخلصی پا جائیں۔

چونکہ کسی کی عاقبت اور انجام کا حال معلوم نہیں۔ اس لئے کسی کو لعنت کرنا سخت ناروا کام ہے۔ لیکن آجکل کفر اور لعنت کرنا اتنا ارزاں اور اتنا عام ہو گیا ہے کہ اگر کسی سے ذرا سا بھی اختلاف عقیدہ ہو گیا تو اس پر فوراً لعنت کا فتویٰ اور

کفرو کافری کا حکم کردیا جاتا ہے۔

ایک اور جگہ امام غزالیؒ لعنت کرنے اور کفر کافری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " اگر بالفرض شیطان ہی کو کوئی لعنت نہ کرے اور سکوت اختیار کئے ہوئے ہو تو بھی کچھ اندیشہ نہیں ہے بھلا پھر شیطان سے زیادہ کون مستحق لعنت ہوگا۔"

کسی اور مقام پر یزید کی لعنت کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ

" رہا یزید کی لعنت کا سوال کہ اگر اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا یا اجازت دی تھی قتل کرنے کی تو آیا اس کو لعنت کہنا درست ہے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قتل کرنا اور اجازت قتل دینا یہ دونوں باتیں پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہیں لعنت کا کیا سوال ہے جب تک کہ اس کا قتل و اجازت قتل ثابت نہ ہو تب تک اس کو قاتل یا اجازت دہندہ بھی نہیں کہنا چاہیے۔ اس لئے کہ قتل گناہ کبیرہ ہے۔ اس کی نسبت کسی مسلمان کی طرف کو بلا ثبوت کے کرنا جائز نہیں۔

(حدیث) نہیں ہوتا مومن طعنہ کرنے والا۔ نہ لعنت کرنے والا۔ نہ زبان دراز۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ :-

(حدیث) چار آدمی ایسے ہوں گے کہ دوزخ کے لوگوں کو باوجود ان کی ایذا کے اور (زیادہ) ایذا دیں گے۔ یعنی وہ تو اپنی مصیبت میں گرفتار ہوں گے کہ کھولتے ہوئے پانی اور آگ میں دوڑ رہے ہوں گے اور اپنی خرابی اور تباہی پر فریاد کر رہے ہوں گے۔ اس پر یہ چاروں آدمی ان جلنے والوں کو اور زیادہ جلادیں گے۔ ان میں سے ایک شخص ایسا ہوگا کہ اس کے منہ سے پیپ اور خون بہتا ہوگا تو وہ دوزخی اس سے پوچھیں گے کہ اے پھٹکارے ہوئے (مردود) بتا تیرا ایسا حال کیوں ہوا ؟ تو نے تو ہمیں دکھ پر دکھ دیا ہے۔ وہ کہے گا کہ جو برا کلمہ اور پلید بات (اس دنیا کی زندگی

کے اندر) مجھے سوجھتی تھی میں جھٹ منہ سے نکال دیا کرتا تھا اور ان باتوں میں مجھے ایسا مزہ آتا تھا جیسا کہ جماع میں یا خواہشات نفسانی کی بجا آوری میں آتا ہے۔

نیز آنحضرت صلعم کی ایک حدیث ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کافر یا فاسق کہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوگا تو یہ کفر اور فسق کا لفظ کہنے والے پر ہی لوٹ آئے گا۔

علمائے کفر گر

اے اللہ العالمین تو نے اپنے قرآن میں فرقہ بندی کے خلاف کس قدر تہدید آمیز احکام نازل فرمائے ہیں۔

قرآن میں فرقہ بندی۔ دھڑا بازی۔ لڑائی اور حکومت کردہ کے متعلق صاف صاف الفاظ میں کہا گیا ہے کہ (قرآن) لاتکونوا من المشرکین من الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا۔ جس کا مقصد بالکل غیر مبہم الفاظ کے اندر یہ ہی کہ مشرک لوگ وہ ہیں جنہوں نے دین اسلام کے اندر تفرقہ ڈالا اور الگ دھڑے، ٹولیاں یا فرقے بنا لئے اور مشرکوں کے متعلق تو صاف صاف احکام آتے ہیں کہ باقی سارے گناہگار بخشے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر نہیں بخشے جائیں گے تو صرف مشرک!

اے خداوند عالم! تیرے قرآن میں کفر کافری اور فرقہ بندی کے خلاف تو یہ احکام ہیں اور تیرے رسولؐ کی احادیث اور سلف صالحین کے اقوال میں کسی مسلمان کو کفر یا لعنت کے الفاظ سے مخاطب کرنے کے متعلق میں نے مندرجہ بالا احادیث اور اقوال بزرگان دین کافی سے زیادہ پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ مسلمان تو بجائے خود رہے کسی کافر پر بھی لعنت کرنا نا روا ہے۔ لیکن باوجود تیرے ان احکام قرآنی اور اقوال بزرگان دین کے ان علمائے سو نے کافر تو بجائے خود رہے مسلمانوں میں

چوٹی کے علماء اور برگزیدگان حق کو ان لوگوں نے چن چن کر کفر کے فتوے دیے
بعضوں کو سولی پر چڑھا یا کتنوں کو دیس بدر کرایا۔ کتنوں کو زندگی بھر جیلوں کی
تاریک کوٹھریوں میں تا زیست قید اور محبوس رکھوایا۔ ذیل میں اس کی ایک مختصر سی
فہرست پیش کرتا ہوں۔

مثال کے طور پر ترکی کے نجات دہندہ مصطفےٰ کمال کے **قتل کا فتویٰ**
برطانوی اور فرانسیسی سامراج کے مطالبہ پر ترکی کے کچھ مولویوں ہی نے دیا تھا۔
برطانوی سامراج کے زرخرید مولویوں نے افغانستان کے رجعت پرست
جاگیرداروں کے تعاون سے شاہ امان اللہ کو تخت سے دستبردار ہونے پر مجبور
کردیا۔ ایران جدید کے بانی رضا شاہ پہلوی کے خلاف بھی کچھ اقتدار پرست
مولویوں نے محاذ قائم کر دیا تھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ تمام علما نے اسی طرح فتوے
فروشی اور جمہور دشمنی کو اپنا پیشہ بنایا۔ بہت سے دیانت دار علمائے کرام
نے بلاشبہ ملک کی آزادی کی خاطر بیرونی حاکموں سے ٹکر لی ہے۔ جن کے نام
تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ جلی حروف میں لکھے جائیں گے۔ لیکن تاریخ کے کسی بھی دور
میں اقتدار پرست اور ایمان فروش مولویوں کی بھی کوئی قلت نہیں رہی ہے۔

ذیل میں شیخ علائیؒ کی زندگی کے مختصر سے حالات درج
کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ ان مختصر سے اذکار کے اندراج
سے ہمارا منشا یہ ہے کہ دنیا دیکھے کہ ان علمائے دربار نے کیسے کیسے
بندگان حق کو کفر کافری کے بہانہ سے شہید کرایا ہے اور اپنے

اقتدار اور ذاتی عناد کی بھینٹ چڑھا کر اپنے سینوں کی بھڑاس نکالی ہے۔

شیخ علائی کی توبۃ النصوح کرنے اور شیخ نیازیؒ کے مرید ہو جانے کے بعد اس کی حالت میں ایک انقلاب رونما ہوا۔ آباؤ اجداد سے وہ سجادہ نشین اور ایک گدی نشین قسم کے پیر ہوا کرتے تھے۔ شیخ نیازیؒ کی بیعت کے بعد اس کی حالت بالکل دگرگوں ہو گئی۔ آپ نے اپنی جدی پدری گدی نشینی اور سجادہ نشینی کو مع تمام لوازمات کے ایک دم خیرباد کہہ دیا۔ نفس میں تواضع اور منکسر المزاجی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کی جوتیاں سیدھی کرنے میں بھی عار نہ تھا جن لوگوں سے لڑے جھگڑے تھے ان میں ایک ایک کے پاس گئے۔ ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑ جوڑ کر۔ گڑگڑا گڑگڑا کر معافیاں مانگیں۔ مریدوں مصاحبوں اور رفیقوں کا ایک ہجوم ساتھ ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے خدا کی راہ میں گھر بار لٹایا تھا۔ رات دن لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کا بیڑا اٹھائے پھرتے ان میں سے چند ایک جاتے اور دن کو محنت مزدوری کرتے۔ جو کچھ ملتا اس کا دسواں حصہ راہ خدا میں خرچ کرتے اور جو بچ رہتا سارے درویش گھر کے ایک کنبہ کی طرح سے باہم مل کر رہتے اور کھاتے تھے۔ بیماروں کی خدمت کرنا کمزوروں اور معذوروں کی اعانت۔ ان کا ہر روز کا کام اور مشغلہ تھا۔ اگرچہ مفلس اور نادار تھے۔ لیکن شاہنشاہوں کی سی بے نیازی چہروں سے ٹپکتی تھی۔ امر معروف اور نہی عن المنکر ان کا شب و روز کا مشغلۂ زیست تھا۔ جوش حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ برائی اور گناہ کو دیکھنے کی تاب نہیں لاتے تھے۔ جماعت کے سارے افراد ہر وقت مسلح رہا کرتے تھے۔ صبر و ثبات کا یہ حال کہ ملامتیں

سننے۔ گالیاں کھانے ۔ فقر و فاقہ کے اندر مست ادت کی طرح گردنیں اوپر کو اٹھائے اپنا کام کرتے چلے جاتے ۔ شیخ علائی کے متعلق ملا بدایونی فرماتے ہیں

"شیخ علائی را نفس گیرائی مؤثر چناں بود۔ کہ در وقت تفسیر قرآن از و ہر کسے کہ می شنید۔ اکثرے خود دست از کاروبار دنیوی باز داشتہ آں صحبت اختیار می کردند و ترک خانماں وعیال و اطفال نمودہ در شدت فقر و فاقہ صبر کردہ۔ دیگر نزدیک کسب و کار خود نے گشتند ۔

طبقات اکبری میں اسی کے لگ بھگ شیخ علائی کی تعریف اور توصیف کی گئی ہے ۔

"ہر روز در وقت نماز تفسیر قرآن مجید بہ نوعے می گفت کہ ہر کس کہ در مجلس او حاضر می بود۔ اصلاً پئے کار خود نمی رفت و ترک اہل وعیال کردہ داخل دائرہ مہدویہ می گشت یا از معاصی تائب شدہ مرید می گردید۔"

شیخ علائی کی تاثیر اور کشش قلبی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ حج کرنے کو نکلے تو ملا بدایونی کی چشم دید شہادت ہے کہ سات سو خاندان آپ کے ہمراہ ہو لئے تھے۔ تاثیر اور روحانی کشش ملاحظہ ہو کہ ایسے زمانہ میں جبکہ حج کے لئے جانا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا تھا۔ بیک وقت سات سو آدمی نہیں بلکہ سات سو خاندانوں کا مع اہل وعیال اور زن و فرزند کے آپ کے ہمراہ حج کرنے کے لئے چل دینا یقیناً ایک زندہ کرامت اور بیّن ولایت ہے ۔ آپ کے اثر اور تاثیر روحانی کو دیکھکر مخدوم الملک وغیرہ علما کو حسد اور دشمنی پیدا ہوئی اور اس وقت کے مفتیان دین فروش جن کا یہ ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ ان کو صالحین اور نیکو کار لوگوں سے اللہ واسطے کا بغض اور عناد رہتا ہے ۔ ان کی اس عالمگیر ہر دل عزیزی اور

تقنا طبیبی کشش کو دیکھ کر نحل درآتش ہو گئے اور مخدوم الملک اور اسکی قبیل کے دوسرے علماء سونے وقت کے بادشاہ سلیم شاہ کو پولٹیکل خطرہ دکھاکر خوب بھڑکایا اور غصہ وغضب سے بھر دیا۔

شیخ علائی کے خلاف جو فتویٰ گھڑا گیا تھا اس کے صحیح صحیح الفاظ منتخب التواریخ میں یوں درج ملتے ہیں۔

"ایں مبتدع دعویٰ مہدویت می کند و مہدی خود بادشاہ روئے زمین خواہد شد۔ چوں سر خروج دارد واجب القتل است"

قصہ کوتاہ اس بیچارے شیخ علائی کو سلیم شاہ بادشاہ وقت کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ شیخ علائی حاضر ہوئے اور اپنے اعداء اور قاتلوں کے مجمع میں ایسی تقریر کی کہ امراء اور خود بادشاہ وقت بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکے۔ اور بھری مجلس کے اندر گڑگڑا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے۔ سلیم شاہ کے دل میں شیخ علائی کی حق گوئی اور بے گناہی کے تیر گڑ چکے تھے۔ علمائے دربار کے اصرار کے باوجود سلیم شاہ نے شیخ علائی کو دکن کی جانب جلاوطن کر دیا۔ لیکن چراغ جہاں جائیگا روشنی اس کے گرد ضرور پھیلے گی۔ پھولوں کا گلدستہ خواہ کوڑے کرکٹ میں بھی رکھ دیا جائے گا۔ اس کی خوشبو بکھرتی رہے گی۔ شیخ علائی دکن پہنچے تو وہاں بھی لوگوں کا ہجوم ان کے گرد پہلے سے بھی زیادہ جمع ہو گیا۔ اور مخدوم الملک نے پھر بادشاہ کے حضور میں شیخ علائی کی شکایات کی سلسلہ جنبانی شروع کر دی۔ بادشاہ نے علمائے دربار کے اصرار اور ہٹ دھرمی سے مجبور ہو کر پھر شیخ علائی کو آگرہ بلوا بھیجا۔

سلیم شاہ خود جاہل تھا لیکن وہ جانتا ضرور تھا کہ ایک ایسا عالم بے بدل یوں علمائے دربار کی خود غرضیوں اور نفس پرستیوں کے سبب بے گناہ مارا

نہ جائے لیکن علما کے اثر سے وہ مجبور تھا۔ جبکہ علما کا باہم گٹھ جوڑ دیکھا تو مجبور ہو کر اس کا معاملہ اس کے دشمن مخدوم الملک کے حوالہ کر دیا۔ اگرچہ شیخ علائی بیمار تھا لیکن پھر بھی مخدوم الملک نے حکم دیا کہ کوڑے لگائے جائیں۔ جلاد نے تیسری ہی ضرب لگائی تھی کہ اس شہید حق کی روح پرواز کر گئی۔

بجرم عشق تو ام مے کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اگر شیخ علائی شہید کو چوروں اور راہزنوں کی طرح کوڑے سے پٹوا پٹوا کر مارڈالا جاتا اور پھر آپ کی بے جان لاش کی بے حرمتی نہ کی جاتی تب بھی خیر تھی لیکن ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ بیچارے شیخ علائی کو اس طرح سے مار ڈالنے کے بعد بھی ان ظالم علمائے سو کی انتقام گیری کی پیاس نہیں بجھتی۔ بلکہ آپ کی نعش کیساتھ ایسا برا سلوک ہوا جو کفار انگریز کے زمانہ میں غازیان اسلام کے ساتھ بھی نہیں برتا گیا۔ اسلام کے دور میں خود کفار بدر یا احد کے ساتھ بھی کبھی روا نہیں رکھا گیا تھا۔

ملا بدایونی اس دور کے فاضل مورخ لکھتے ہیں کہ آپ کی نعش مبارک کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھکر چروا دیا گیا۔ اور اسکی ہڈیوں اور گوشت پوست کے ٹکڑوں کی سارے لشکر میں تشہیر کرائی گئی۔ باوجود ایں ہمہ بغض وعناد کے ان مجسموں نے مظلوم کی لاش پہ پہرہ بٹھا دیا تاکہ دفن بھی نہ ہونے پائے۔

یہ ہے ان علمائے سو کی خبث باطنی کا حال کہ محض تھوڑے سے مذہبی اختلاف پر ایک عالم ربانی کے ساتھ کیسا برا کتنا غیر انسانی کس قدر وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا۔ حالانکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ نے فرمایا (حدیث) اختلاف امتی رحمت یعنی میری امت یعنی مسلمانوں میں نیک نیتی

سے اگر کسی موضوع پر اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف کچھ برا نہیں بلکہ ایسے اختلافات کو آپ نے رحمت فرمایا۔ یہ مسلمہ اسلامی اصول بن گیا ہے کہ اس اختلاف کے اندر ضرور ایک فریق حق پر ہوگا اور دوسرا غلطی پر۔ لہٰذا جو حق پر ہوگا اس کو دو ثواب یعنی درجات ملیں گے۔ لیکن اس اختلاف کے اندر جو فریق غلطی پر ہوگا اس کو بھی ایک ثواب یا درجہ ملے گا۔ لیکن علمائے سو کو دیکھو کہ ایک تھوڑے سے اختلاف پر ایک متقی اہل اللہ کے ساتھ کیسا برا سلوک روا سمجھا گیا۔ ع تفو بر تو اے چرخ گردوں تفو

اے خداوند عالم! علمائے سو کی یہ تنگ دلی اور تعصب دیکھکر مجھے یقیناً ان پر سخت غصہ آتا ہے کہ شریعت میں کفر کافری کی اس قدر تاکید کے باوجود بھی یہ لوگ اپنی مذموم حرکات سے باز نہیں آتے۔

مسئلہ تکفیر مسلم

حالانکہ تکفیر کے باب میں امام محمدؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ (حدیث)

ایما امرئ قال لاخیہ کافر فقد باء بھا احدھما۔ یعنی جس نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو گیا۔ اس حدیث کے بعد خود ہی امام موصوفؒ نے اس کی یوں تفسیر فرمائی ہے۔ لا ینبغی لاحد من اھل اسلام بذنب اذنب یکفر الخ یعنی امام موصوفؒ فرماتے ہیں کہ کسی اہل اسلام کو مناسب نہیں کہ دوسرے مسلمان کو کسی گناہ کے کرنے پر کافر کہے چاہے اس نے کتنا بڑا گناہ کیوں نہ کیا ہو۔ اور یہی قول ہے امام ابو حنیفہؒ اور عام فقہا حنفیہؒ کا۔

ان علمائے کفر گر پر اگر اس فتویٰ کفر کافری کے متعلق اعتراض کیا جائے تو

وہ کہتے ہیں کہ ہم تو کافر اور مرتد ہی کو کافر کہتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ایک مسلمان کی تعریف کر دی جائے ۔ صحیح مسلمان کی تعریف خود سرور کائنات نے فرمائی ہے کہ (حدیث) من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فھو فی ذمۃ اللہ ورسولہ ۔ یعنی جو شخص کہ ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ سمجھے ہمارے ذبح کردہ جانور کا گوشت کھائے وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہے ۔ نیز فرمایا ہے من کان لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ دخل الجنت ۔ دوسری روایت کے مطابق من قال آخر کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ دخل الجنت ۔ یعنی جس شخص نے مرنے سے پہلے منافقانہ نہیں بلکہ سچے دل سے کلمہ پڑھا وہ جنت میں داخل ہوگا ۔ نیز قرآن مجید میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے ۔ شرک کے بغیر اگر میں چاہوں گا تو سب کچھ بخش دوں گا عام صحیح احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ گنہگار کلمہ گو جہنم میں سزا پانے کے بعد داخل جنت ہوں گے ۔ جبکہ صد سالہ کافر دشمن اسلام بھی کلمہ پڑھنے سے مسلمان کا بھائی بن جاتا ہے ۔ تو گنہگار مسلمان کا کیا کہنا ۔ جیسا کہ قرآن پاک میں خود خدا نے فرمایا فان تابوا واقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ فاخوانکم فی الدین ۔ یعنی اگر لوگ توبہ کریں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ کفار بھی جب نماز پڑھنے سے بھائی بن جاتے ہیں تو وہ مسلمان جو مسلمان کے گھر پیدا ہوا ہے اور کلمہ چھوڑ ساری آمنت باللہ پر ایمان لایا ہوا ہے وہ کیونکر کافر ہو سکتا ہے اور خارج از اسلام ۔

سارے فقہا کا یہ اصول ہے لا نکفر اہل القبلۃ یعنی ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے ہیں ۔ لیکن ان آنکھیں رکھنے کے باوجود بصارت سے محروم اور کان رکھتے ہوئے شنوائی سے بے نصیب علماء سو کون سمجھائے کہ اسلام کی تعلیم

اگر جاذبیت اور تسنا طبیعی کشش نہ ہوتی تو اسلام کس طرح اس تھوڑے سے قلیل عرصہ کے اندر تمام دنیا میں اس قدر عالمگیر اثرات کا حامل بن جاتا۔ اس کی آواز اگر تلخ۔ ایسی ترش۔ ایسی نفرت آمیز ہوتی۔ اگر علمائے اسلام اور سلف کے صالحین بزرگوں کا وطیرہ بھی ایسا سخت اور ایسا دل آزار اور ایسا کفر کا زری پر مائل ہوتا تو اسلام کس طرح دشت حجاز سے نکل کر اس قدر جلد اطراف اور اقوام عالم میں پھیل جاتا اور اس قدر جلد ہر دلعزیزی حاصل کر لیتا۔ افسوس ان علمائے سو کو کون سمجھائے کہ اسلام تو اغیار کو دوست بنانے آیا تھا۔ اسلام اخوت کے رنگ میں شہریت کے ان مقدس قوانین کی تعلیم دیتے آیا تھا جن پر کہ عمل پیرا ہونے سے بہت ہی تھوڑے عرصہ کے اندر مسلمان تمام اقوام عالم پر فوقیت اور برتری و بلندی حاصل کر گئے۔ لیکن اگر اس زمانے میں یہ علما سو ہوتے تو آج دنیا سے اسلام کا نام مٹ گیا ہوتا۔ کیونکہ وہ کافروں کو مسلمان بنانے کے برعکس رہے سہے مسلمانوں کو بزور فتویٰ کفر میں دھکیل دھکیل کر لے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام کے اندر اس بارہ میں یہاں تک نرمی برتی گئی ہے کہ آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کو ایک حبشی غلام نے قتل کیا تھا لیکن مرنے سے پہلے یہ شخص تائب ہو کر مسلمان ہوا تو اس پر بھی لعنت کرنا یا اس کو کافر کہنا بھی جائز نہیں۔ لیکن ان علمائے سو کی مشق تکفیر کے تیروں سے گھائل بڑے بڑے امام اور بڑے بڑے نیکوکار اہل اللہ ہو گذرے ہیں جس کی ایک مختصر سی فہرست ذیل میں درج کرتا ہوں۔

ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ ملاں عبداللہ سلطان پوری نے شیخ علائی کو شہید کرانے کے بعد اپنے وقت کے بڑے کامل بزرگ ولی اللہ شیخ عبداللہ نیازیؒ کی طرف نظر غضب منعطف کی اور اس بیچارے کو بادشاہ وقت سے اس قدر کوڑے پٹوائے گئے کہ وہ مظلوم اسی جگہ جاں بحق تسلیم کر گیا۔ انا للہ وانا

الیہ راجعون۔

اسی طرح سید محمد جونپوریؒ کو علمائے دربار نے کفر کا فتویٰ لگا کر شہید کرایا۔ یہ وہی سید محمد جون پوری ہیں جن کے متعلق مشہور محدث دہلوی شاہ عبدالحقؒ لکھتے ہیں۔

"در اعتقاد سید محمد جون پوری ہر کمالیکہ محمد رسول اللہ داشت در سید محمد جون پوری ہم بود۔ فرق ہمیں است کہ آنجا باصالت بود و ایں جا بہ تبعیت۔ و بہ تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہم چو او شد۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے بزرگ جن کی اس حد تک تعریف و توصیف فرماتے ہیں کہ شیخ محمد جون پوریؒ کو وہ سارا کمال روحانی حاصل ہو چکا تھا جو کہ خود رسول اللہؐ کو بذاتہ خود حاصل تھا۔ صرف اس قدر فرق تھا کہ حضور کو اصالتاً تو ادا کیا تھا لیکن شیخ محمد جون پوریؒ کو یہ تبعیت رسول یہ درجہ ملا تھا۔ اگلا فقرہ ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔ رسولؐ کی تابعداری سے اس درجہ کو حاصل کر چکا تھا کہ اس یعنی رسول جیسا ہو گیا تھا۔ سبحان اللہ ایسے بزرگوں کو بھی کفر کا فتویٰ لگا کر مروا ڈالا گیا۔

حدیث صحیح بخاری کے جامع امام بخاری کو اپنے شہر سے فتویٰ بازی کے فتنوں سے تنگ کر کے ایذائیں دے دے کر نکلوایا گیا۔ اور آپ کو اپنی کتاب صحیح بخاری کا نسخہ جس کو آج بعد از قرآن جامعیت اور صحت حدیث کا درجہ حاصل ہے اپنے سرہانے رکھے ہوئے غربت کے اندر کسی جگہ فوت ہوا پایا گیا۔

آپ کو ان مفتیوں نے اتنا تنگ کیا تھا کہ آپ نے خدا سے دعا مانگی کہ اے خدا تیری یہ وسیع اور فراخ زمین اب بخاری پر تنگ ہو گئی ہے اس لئے اے خدا مجھے اس زمین سے اٹھا لے تو تیری بڑی مہربانی ہو گی۔ کہتے ہیں کہ اس

دعا کے بعد آپ کسی جگہ عالم بے بسی کے اندر مرے پڑے دیکھے گئے۔

امام موسیٰ کاظمؑ تا زیست نذر زندان رہے۔

ابوعمرو بن العلا کو بنوامیہ کے ایک فرمانروا نے ۵۰۰ کوڑے پٹوائے

شیخ جمال الدین دہلوی کو دین اکبری کی حمایت نہ کرنے پر اور حق پر تلے رہنے پر تا زیست جلاوطنی کی سزا دی گئی۔

حلب میں علامہ نسیمی کی کھال کھنچوائی گئی۔

شیخ تاج الدین سبکی کو ۱۳۷۰ھ میں شام سے مصر تک پابزنجیر لایا گیا۔

امام ابوبکر ابنابلوسی کو الٹا لٹوا کر ان کی زندگی کے اندر کھال کھینچی گئی۔

مالک بن انس کی مشکیں کسوا کر منصور عباسی نے ان کو ستر درے لگوائے۔

علامہ محمد بن مرعی البعلی کو فقط اس قصور پر کوڑوں سے پیٹا گیا۔ کہ وہ امام ابن تیمیہ کی کیوں حمایت کرتا ہے۔

ایک بڑے ولی اللہ حضرت بختیار کاکیؒ پر ایک فاحشہ عورت نے اس وقت کے مفتی اعظم سے ۵۰۰ درہم رشوت لیکر علی الاعلان زنا کا الزام لگایا

ہمارے سنیوں کے مشہور متقی امام حضرت ابوحنیفہؒ کے قید و بند کا قصہ کس سے پوشیدہ ہے۔ حتیٰ کہ ان اعدائے اسلام نے تازیست آپ کو نہ چھوڑا اور آپ اسی قید و بند کے اندر وفات پا گئے۔

اسی طرح مشہور امام شافعیؒ پر ان علمائے مصر نے فتویٰ بازی کا ایسا طوفان برپا کیا اور گوناگوں شقتیں اور اذیتیں دی گئیں حتیٰ کہ آپ کو ایک بار مصر سے بغداد تک پیدل اور پابجولاں لایا گیا۔

حکومت اور بادشاہوں نے ہمیشہ علما کے ذریعہ اپنے معاندین اور مخالفین سے انتقام لیا ہے۔ اورنگ زیب عالمگیر نے جب داراشکوہ اپنے بڑے بھائی

کو گرفتار کرایا۔ تو انہیں علمائے سے اس کے کفر کا فتویٰ لیا گیا۔ بے چارے دارا شکوہ کو اورنگ زیب عالمگیر نے جب دارا شکوہ کو گرفتار کرا کر دہلی میں منگوایا تو اس کو قتل کرانے کے لئے علما سوء سے فتویٰ طلب کیا گیا۔ ان حضرات نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے بے چارے دارا شکوہ کو پکا کافر بنا ڈالا۔ جب جلاد قتل کرنے کے لئے اس کی کوٹھڑی میں پہنچا اور دارا شکوہ کو کہا گیا کہ علمائے دربار نے اس کے کفر کا فتویٰ دیا ہے اور اب اس کا سر قلم کیا جائے گا تو دارا شکوہ نے مرتے وقت اپنی بے گناہی پر خون کے آنسو بہاتے ہوئے یہ شعر کہا کہ۔

قسم بہ کعبہ حاجات و احمد مرسل

کہ پاکدامنیٔ من باعث گناہ من است

انہیں علمائے سوء نے سرسید کے دروازے پر لکھا تھا کہ

ڈھونڈتی پھرتی ہے لعنت کو بکجھ گھر کہاں سید احمد خان کا

حالانکہ سید احمد خان کی مضبوطیٔ ایمان ملاحظہ ہو

"جب گورنمنٹ نے غدر فرو ہونے کے بعد ایک بڑی جاگیر ان کو دینا چاہی تو آپ نے اس کے لینے سے فقط اس لئے انکار کر دیا کہ وہ جاگیری علاقہ ایک مسلمان کا ضبط شدہ علاقہ تھا۔ لیکن فی زمانہ وہ ملان جو کہ اس سرسید کو کافر بناتے ہیں۔ ان میں سے اکثر کا یہ حال ہے کہ تھوڑی سی شیرینی حلوے کی ایک پلیٹ یا ایک دو روپیہ کی رشوت کے سبب ایک منکوحہ عورت پر دوسرا نکاح فرضی پڑھتے پھرتے ہیں حتیٰ کہ ایک رات میں ایک عورت پر ان ملاؤں نے رشوت لے لے کر کئی کئی مردوں سے نکاح پڑھایا۔

میں نے گجرات پنجاب میں یہ واقعات بچشم خود ملاحظہ کئے ہیں۔ ایک منکوحہ پر ایک رات کے اندر کئی کئی فرضی نکاح کا فتنہ دیکھ کر انگریزی حکومت نے رجسٹر

نکاح کا قانون جاری کیا۔ لیکن اس کے باوجود بھی جھوٹے نکاح فرضی نکاح خوانی ہمارے یہ علماء سو بنا بنائے چلے جا رہے ہیں۔ جن کی اپنی حالت ایسی ہو۔ انہیں دوسروں پر فتوٰی دینا کفر کا فتریٰ اور لعنت کرنے کا کیا حق حاصل ہے ؟

علماء سو کا بادشاہوں سے گٹھ جوڑ

بادشاہوں نے فتوٰی حاصل کرنے کے لئے علما کو وارثانے انبیا کہا اور علما نے بادشاہوں کو ظل اللہ بنایا۔ اس طرح سے ان دونوں نے مل کر عوام کو خوب لوٹا۔ مرحوم اقبال کی نظر غالباً ایسے حالات پر پڑی ہو گی جبکہ اس نے یہ شعر کہا

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

کتب تواریخ کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ابومسلم کو ماننے والوں کا ایک طبقہ "راوندیہ" کے نام سے مشہور چلا آتا ہے۔ ان کا مذہب یہ ہو چکا تھا کہ بادشاہ یا خلیفہ وقت ابوجعفر منصور ربھم الذی یطعمھم ویسقیھم یعنی ان کا خدا اور ان کا رب منصور ہے۔ وہی ان کو کھلاتا ہے وہی ان کو پلاتا ہے یہ کوئی بڑے تعجب کی بات نہیں۔ ہندوستان کے ہندو اپنے راجوں اور مہاراجوں کو ان داتا مہاراج کہکر پکارتے تھے۔ ان داتا ہندی میں رب اور رزاق کو کہتے ہیں۔ راوندیہ اور ہندوؤں کو ایک طرف رہنے دو۔ خود ہمارے بلوچستان میں افغان اپنے بڑے کو ارباب یعنی بڑا رب یا بڑا ان داتا پکارتے ہیں۔ اور یہ خطاب اب تک جاری ہے۔

میری تقریر جب یہاں پہنچی تو وکیل علماءِ سو سے نہ رہا گیا
اثنائے تقریر کے اندر کود پڑا۔

فریاد اے خدا فریاد

مجھے یہاں کچھ کہنے کی اجازت عنایت کی جائے

درگاہِ رب العالمین سے حکم ہوا کہ ہاں ہاں کہو جو کچھ
کہنا چاہتے ہو۔

افسوس وہ علما جنہوں نے قرآن کی زبان کے سیکھنے۔ احادیث اور فقہ پڑھنے کے لئے اپنی قیمتی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ جنہوں نے بجلیوں کے قمقموں سے منہ موڑ کر بنگلوں اور محلات کی طرف سے پشت پھیر کر تاریک حجروں کو اپنا مسکن بنانا قبول کیا۔ سردیوں کی اندھیری راتوں کے اندر اپنے گرم بستروں کو چھوڑ کر جبکہ یہ معترض صاحب اور اس کی قسم کے دوسرے اشخاص محو خواب ہوا کرتے یہ لوگ ٹمٹماتے ہوئے چراغوں پر ٹکٹکی جما کر دین کے شوق اور شغف کے اندر عمریں گذار چکے ہیں۔ وہ اپنی جوانی اور بچپن کے عزیز لمحات اسی طرح گذارتے رہے ان پر منہ پھاڑ پھاڑ کر یوں اعتراضات کی بوچھاڑ کرنا کہاں کا انصاف ہے۔ اگرچہ علماء بھی اسکولوں اور کالجوں میں چلے جاتے تو اتنی مدت عمر میں وہ یقیناً بی۔ اے کیا ایم۔ اے اور پی۔ ایچ ڈی وغیرہ ہو گئے ہوتے۔ اور لوگ یقیناً آج ان کے بنگلوں کے گرد طواف کر رہے ہوتے۔ لیکن انہوں نے چونکہ اپنی زندگی احیائے اسلام اور شریعت کے

لئے وقف کر دی ہے۔ تو کیا یہ اس کا عوض ہے کہ جو ان کو دیا جا رہا ہے "عین" مجھے اعتراف ہو کہ واقعی انہوں نے شمع علم کے پروانے بن کر ایسے دور فتن اور الحاد کے اندر جبکہ عربی زبان اور اسلامی لٹریچر کی سوسائٹی کے اندر کوئی قدر و منزلت باقی نہیں رہی تھی۔ ان علمائے اسلام نے اپنی قیمتی زندگیاں اس کے حصول میں گذار دیں۔ یہاں تک تو یہ صحیح ہے اور ہم ان کے ان احسانات اور اس قسم کی خوبیوں کے اعتراف میں ہرگز بخل سے کام نہیں لیں گے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص اگر علم کا شوقین ہے اور حصول علم کے اندر اپنی ساری زندگی گذار چکا ہے لیکن از روئے عمل اور کردار صفر کے برابر ہے تو ہم خواہ مخواہ اس کے ایک وصف کی خاطر اس کے دوسرے غیر متعلقہ اوصاف ... کو بزور اور اس کے ساتھ مربوط کر دیں۔ ایک نوجوان آدمی جس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہوں لیکن اسکی ناک کٹی ہوئی ہو تو محض حسن چشمی کے سبب ایسے نوجوان کو حسینوں کی قطار اور شمار میں لانا یہ بھی تو انصاف نہیں ہے۔ اس کو کیونکر اچھا کہا جا سکتا ہے۔

حرص و آز پرستی کے سبب حکام کی دہلیز کا طواف کرنا۔ علما سو کے محض علمی تبحر کو دیکھکر ان کی مسلمانوں کے اندر دھڑا بندیاں کرنا۔ فتویٰ بازی کے ذریعے ان میں افتراق پیدا کرنا اس کو کیونکر اچھا کہا جا سکتا ہے۔

اقتدار اور مُلّائیت

اقتدار اور ملائیت

ابھی میں علما سو کی فتویٰ بازیوں، ان کی کفر کافریوں، ان کی دھڑا بندیوں اور مسلمانوں کو باہم لڑاؤ اور حکومت کرو کے فتنوں پر روشنی ڈال رہا تھا اور مستند تاریخی واقعات کا ذکر کر کے اس کی حقیقت بیان کر ہی رہا تھا کہ وکیل علما سو سیخ پا ہو گیا۔ اس نے دربار قدسی کو خطاب کر کے بڑا شور اور واویلا مچا کر کہا حضور اقدس! اس کی یہ ہزلیات تو ختم ہونے کی نہیں۔ میں اس سے ایک بات پوچھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

دربار رب العالمین سے ندا آئی! "پوچھو۔ پوچھو"۔ بے شک اجازت ہے لیکن آئندہ اس طرح سے فریق ثانی کی تقریر کے دوران میں شور و غل ہرگز برپا نہ کیا کرو۔

وکیل نے سجدہ ادب بجا لا کر کہا۔ حضور اس آدمی کا زندگی بھر یہ وطیرہ رہا ہے کہ وہ علمائے کرام سے، پیران عظام سے، سرداروں اور امیروں سے، الغرض ان تینوں گروہوں کا ہمیشہ مخالف رہا ہے۔ اس نے علمائے سو کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس میں اس نے وعدہ کیا ہے کہ علمائے سو کے بعد پیروں کے خلاف اور اس کے بعد امیروں کے خلاف باری باری سے ایک ایک کتاب لکھنا رہے گا۔ حضور اقدس آپ اس سے پوچھیں کہ "مجلس علما" کوئٹہ کے علمائے کرام نے جو کتاب بنام "اقتدار اور ملائیت" حال میں لکھی ہے۔ اگرچہ ان بزرگوں نے اس شخص کا نام تو نہیں لیا لیکن درحقیقت یہ کتاب اس شخص کی ان ہزلیات کے توڑ اور رد کے طور پر لکھی گئی ہے۔ اس میں اس کی تنقیدات اور ہرزہ سرائی اور نکتہ چینی کی، علما کی تحقیر، امرا اور سرمایہ داروں کی تخریب کی خوب قلعی کھولی گئی ہے

سب لوگوں کا خیال تھا کہ "اقتدار اور ملائیت" کے حقائق کو پڑھکر اس کی زبان ضرور بند ہو جائے گی لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک بھی باز نہیں آیا۔ حضور اقدس اس سے اندریں بارہ جواب مانگا جائے کہ اس کا کیا جواب دیتا ہے۔

مجھکو دربار رب العالمین کی طرف سے اس کا یعنی (اقتدار اور ملائیت) کا جواب دینے کے لئے حکم نازل ہوا لہذا میں بسر و چشم اقتدار اور ملائیت سے متعلق ذیل میں اپنا جواب پیش کرتا ہوں۔ باقی رہا پیروں اور امیروں کا سوال وہ اپنے اپنے موقعہ پر جب وہ کتابیں لکھی گئیں تو اس کا جواب عرض کروں گا۔

حضور والا۔ اقتدار اور ملائیت کے عنوان بالا کے ساتھ مجلس نا العلما کوئٹہ نے ایک مختصر سا پمفلٹ شائع فرمایا ہے۔ یہ پمفلٹ ہم نے یقیناً پڑھا ہے

(۱) پمفلٹ مذکور کے صفحہ ۳ میں علمائے کرام پر تنقید کے خلاف خوب زور قلم صرف کیا گیا ہے۔ گویا کہ تنقید اور نکتہ چینی سے گھبراہٹ ظاہر کی گئی ہے۔

(۲) صفحہ ۴ میں "تعمیر دنیا کو اہل دولت و اقتدار جانتے ہیں یا مبلغ قرآن یعنی ملا۔ اس پر کئی دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ ہم اس کی ایک ایک چیز کا علیحدہ، علیحدہ جواب عرض کریں گے۔

سب سے پہلے تنقید سے گھبراہٹ کے مضمون پر کچھ عرض کروں گا۔ اور پھر نمبروار اسی طرح سے ایک ایک چیز کو علیحدہ علیحدہ لونگا۔

تنقید سے گھبراہٹ کیوں ہو؟

اے اللہ العالمین! انسانوں کو جس طرح سے کہ پانی کی پیاس اور روٹی کی بھوک لگا کرتی ہے بالکل اسی طرح سے ان کو اقتدار کی بھی بھوک لگتی ہے۔ جوں جوں کہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں قرآن اور سنت رسول اللہ کے ماتحت نئے

دستور اور نئے قوانین کی بنا ویز سر اٹھا رہی ہیں۔ بالکل اسی نسبت اور اسی رفتار کے ساتھ ہمارے چند حجرہ نشین علما کی رگ اقتدار نے بھی پھڑپھڑانا شروع کر دیا ہے۔ بلوچستان کے علما میں سے چند بزرگوں نے تو "اقتدار اور ملائیت" کے عنوان کے تحت ایک پمفلٹ بھی دے مارا ہے۔ اس پمفلٹ کے ایک ایک فقرے پر ہم انشاء اللہ پوری تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔ پیشتر اس کے کہ ہم پمفلٹ مذکور کے مندرجات پر کچھ تحریر کریں. . . ہم بارے دیگر اذالہ ادہام کی خاطر یہ گذارش کرنا ضروری جانتے ہیں کہ ہمارے اخبار یا ہماری کتاب یا ہماری کسی دوسری تحریر و تقریر میں جہاں جہاں بھی علما سے کچھ شکایات یا نکتہ چینی کا ذکر ہو۔ اس سے علما سوء اور دوسرے ازیں قسم کے نا اہل علما مراد لیے جائیں نہ کہ علمائے ربانی ۔ یا علمائے حقانی۔

تنقید کا مقصد؟

تنقید کے معنی ہیں کسی چیز کا امتحان کرنا یا اس کو جانچنا یا پرکھنا وغیرہ۔ یہ فن تنقید اسلام کے گھر کی ایک دیرینہ کنیز ہے۔ لیکن جس طرح سے کہ ہماری کئی اور اچھی چیزوں کو مغرب نے ہم سے چرالیا ہے اور وہ اب بالکل مغربی چیزیں بن گئی ہیں۔ اسی طرح سے تنقید کا حال ہے۔ آجکل مغرب میں تنقید کا رواج بالکل عام ہو گیا ہے۔ وہاں پر کوئی چیز بھی قبولیت عامہ کا درجہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتی۔ جب تک کہ جو ہر یاب علم کی نقاد نظروں کے کامل العیار ترازوؤں میں تولی۔ جانچی وزن نہ کی جائیں نقادوں کی بھٹی سے جب کوئی چیز کامیاب ہو کر نکلتی ہے اور جس کو وہ سند درستی عطا کرتے ہیں تو اس کے بعد جا کر وہ چیز پبلک کے علماؤں سخنوروں اور قدر دانوں کی نظروں میں سماتی ہے۔ انگریزی میں ایسے نقادوں کو کرٹک (Critic) کہتے ہیں۔ کرٹک سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو

کسی فن کی کتاب کی تصنیف کسی تالیف وغیرہ کے متعلق کوئی رائے قائم کرے اور کھوٹے کھرے سے پرکھ کر جدا کر دے۔ نقل کو اصل سے شریف کو رذیل سے تمیز کرے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ ہمارے عوام بجائے خود رہے بجائے خواص یعنی علمائے کرام بھی جن کو کہ قرآن دانی کا دعویٰ ہے وہ بھی آج تنقید سے گھبرا رہے ہیں۔ فن تنقید یا رائے زنی کرنے سے ڈرنا (بے ادبی معاف) احساس کمتری کا ایک بین ثبوت ہے۔ ہمارے علماء عموماً تنقید کی بجائے تقریض کے عادی ہیں۔

میں اس قسم کے علماء سے پوچھتا ہوں کہ اگر علماء پر تنقید کرنا ایک ایسا ہی کام ہے جیسا کہ آپ اپنے پمفلٹ میں لکھتے ہیں کہ

"ان تنقیدوں سے علمائے اسلام کا بگڑتا کچھ نہیں ہے البتہ اتنا فائدہ ضرور ہے کہ خود تنقید کرنے والوں کے ارادوں کا سراغ مل سکتا ہے جن کے سینوں میں اسلام اور ہادیان اسلام کے خلاف تلخی موجزن ہے۔"

تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

"ان تنقیدوں سے نقادوں کے جذبات کی غمازی ہو جاتی ہے جن کو وہ مدت سے سینوں میں پوشیدہ رکھتے آرہے ہیں۔"

اگر تنقید بری ہے تو پھر خود خدا نے اپنے قرآن میں اور اس کے رسولؐ نے اپنے اخبار اور احادیث میں کیوں علما کا نام لے لے کر ان پر تنقید کی ہے؟ اور ان کی ساری باطنی تصویر اتار کر ہمیں ان کے حالات سے آگاہ فرمایا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ مسلمان ایسے علماء کے نام سے دھوکہ کھا کر کہیں غلط قسم کے لوگوں کے پیچھے نہ لگ پڑیں اور اس طرح سے کہیں وہ برباد اور ذلیل نہ ہو جائیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے علمائے کرام کیوں خدا اور اس کے

رسول کے احکام کا وہ حصہ چھپاتے ہیں اور محض علما (جن میں خود ان کی ذات گرامی بھی شامل ہوتی ہے) کے فضل اور بزرگی کی باتیں لوگوں کو سنا سنا کر ان کو اپنے پیچھے لگا لینے کی کوشش فرماتے ہیں بلکہ اگر میری طرح کا کوئی جاہل آدمی ان بزرگوں کے وہ حالات جیسا کہ درج ذیل ہیں کسی اہل اللہ کی کتاب سے نکال کر ظاہر کرتا ہے تو وہ اس پر سخت خفا ہوتے ہیں اور کفر کافری تک نوبت پہنچا دیتے ہیں۔

میں نے علمائے ربانی کی صداقت کا بار بار اعتراف کرتے ہوئے جب علمائے سو پر کتاب لکھنے کا قصد ظاہر کیا تو ان کے بغلوں کے پھوڑوں میں درد اور ٹیسیں اٹھنے لگی۔ مجھے کئی کئی قسم کی روحانی اذیتیں دی گئیں اور دی جا رہی ہیں۔ میرے نام کئی قسم کے بہتان گھڑ گھڑ کر مجھے پبلک میں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی اور کوئٹہ کے کشمیری ہوٹل کا...... قصہ بیان کرنا عبث اور غیر ضروری ہے۔ اس کی پشت پر بھی ایسے چند مولوی صاحبان تھے۔

علمائے سو کے ایک گروہ کا یہ خیال کہ مجھے علما سے نفرت ہے یہ بالکل غلط ہے۔ درحقیقت مجھے تو علمائے کرام سے محبت ہے اور اسی محبت کے سبب سے میں ان پر تنقید اور نکتہ چینی کرتا رہتا ہوں۔ میری تنقید اور نکتہ چینی بالکل وہی معنی رکھتی ہے جیسا کہ کسی گھر کے رہتے والوں سے محبت کرنے والا ایک آدمی اس گھر کے احاطے میں کسی غیر آدمی کا آنا۔ کسی چور اچکے کا داخل ہونا بلکہ اس گھر کی دیواروں سے چھو جانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ میرا بالکل وہی حال ہے میں نہیں چاہتا ہوں کہ یہ علمائے سو ان علمائے ربانی کا چولا اوڑھ کر علمائے کرام کی صف میں آ شامل ہو جائیں۔ اور اس برگزیدہ طبقے کو اپنی مذموم حرکات سے بدنام کریں۔ جس طرح کہ نام کی مشارکت کی باعث مسیلمہ بن کذاب احمد رسول اللہ[؟]

بن جاتے کا مدعی بن بیٹھا تھا۔ یہ علمائے ربانی کا اپنا کام تھا کہ وہ خود اپنے مسلمہ بن کذابوں کو چن چن کر اپنے گروہ سے نکال کر باہر پھینکنے کی کوشش کرتے نہ کہ دوسرا کوئی اگر ان کا یہ بھولا ہوا فریضہ ان کو یاد دلاتا ہے تو وہ اس پر خفا ہوتے ہیں۔

ا بخداوند عالم! خوش قسمتی سے یا بد قسمتی سے میں مولوی رومی اور امام غزالیؒ کے مکتب خیال یعنی (School of thought) کا پیرو ہوں اور ان بزرگوں کی تصنیفات میرے زیر مطالعہ ہیں۔ چونکہ ان حضرات کا طریق علمار ربانی کی تعریف اور توصیف کے ساتھ ساتھ شرار العلما (یعنی علمار سو) کی قلعی کھولنا اور انہیں عریاں کرنا رہا ہے، میں انہیں بزرگان اسلاف کی سنت جاریہ پر چل رہا ہوں۔ اور چلتا رہوں گا۔ خواہ کوئی خفا ہو یا راضی رہے۔ مجھے اس کی پرواہ نہیں ۔ ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پرواہ
نہ سہی گر مرے اشعار میں معنی نہ سہی

امام غزالیؒ کی احیاء العلوم بہت بڑی تقطیع کی چار جلدوں میں ہے۔ ہر ایک جلد سینکڑوں صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ امام غزالیؒ نے کامل تین برس کی جلاوطنی کے ایام میں یہ کتاب لکھی ہے۔ آپ نے یہ دنیا کی مشہور کتاب جب شروع کی تو سب سے پہلے آپ نے ان شرار العلما یعنی علمار سو کا رونا رویا ہے بلکہ آپکی ساری زندگی بھر آپ کا اس قسم کے لوگوں سے جہاد جاری رہا ہے۔ احیاء العلوم کے دیباچہ کا ایک ٹکڑہ ملاحظہ کے لئے پیش کرتا ہوں ۔

امام غزالیؒ علمار سے مخاطب ہو کر لکھتے ہیں ۔

"تیرے عیب کو دور کرنے کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے ملامت گروں

میں ملامت کرنے والے۔ اور غافل منکروں کے زمرے میں زیادہ سرزنش اور انکار کرنے والے۔ چونکہ اب اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے سکوت کی مہر اٹھادی ہے اور گفتگو اور کلام کا ہار میرے گلے میں ڈالدیا ہے۔ اب مجھکو وہ بات کہنی پڑی ہے جس پر کہ تو مواظبت کرتا ہے۔ یعنی (اے شرار العلما تو) حق صریح سے آنکھیں بند کر کے باطل کی نصرت اور جہل کی تعریف میں اصرار کرتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص خلق کی رسموں سے تھوڑا سا بھی نکلنے کی کوشش کرتا ہے یا رسم رسوم کی پابندی کو چھوڑ کر علم کے بموجب عمل کرنے پر راغب ہوتا ہے اس توقع سے کہ نفس کی صفائی اور قلب کی درستی ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے عبادت مقرر کیا ہے (حاصل ہو) اور تمام عمر کے رائگاں جانے کی تلافی سے ناامید ہو کر اپنے بعض گناہوں کا تدارک کرتا ہے اور ان لوگوں کے گروہ سے منحرف ہوتا ہے جن کے حق میں صاحب شریعت فخر الرسل صلعم فرماتے ہیں (ترجمہ حدیث) "قیامت کے روز سب لوگوں سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ نے اس کے علم سے کچھ نفع نہ دیا ہو" تو (اے شرار العلما) تو ایسے لوگوں پر شور فتنہ برپا کر دیتا ہے وغیرہ وغیرہ"

نہ صرف احیاء العلوم میں بلکہ آپ کی ساری زندگی اور زندگی کا سارا مقصد ان شرار العلما کے خلاف جہاد رہا ہے۔ پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ آج کیوں ہمارے علمائے کرام لوگوں کی زبانوں پر مہریں لگانے اور انہیں جائز تنقید کے حق سے محروم کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔

حضور اقدس! اندریں بارہ امام غزالیؒ کے ریمارک ملاحظہ ہوں۔ آپ کیمیائے سعادت میں ایسے علما کی قلعی کھولتے ہیں جس کو ہم ان کے اپنے الفاظ کے اندر بلا کم و کاست پیش کرتے ہیں۔

"اہل علم اند کہ گروہے از ایشان روزگار خود ہمہ در علم کنند۔ تا علوم حاصل کنند و در معاملت تقصیر کنند و دست و زبان و چشم و فرج از معاصی نگاہ ندارند و پندارند کہ ایشان خود در علم بدرجہ رسیدہ اند کہ مثل ایشان را عذاب نبود و در معاملت ماخوذ نباشند بلکہ بشفاعت ایشان ہمہ خلق نجات یابند و مثل ایشان چو بیمار یست کہ علم علت خود بخواند و ہمہ شب تکرار می کند و نسخہ نیکو مینویسد و شرط دارو و علت نیک بداند و ہرگز شربت نخورد و بہ تلخی دارو صبر نکند تکرار صفت شربت او را کجا سود کند و خدائے میگوید قد افلح من تزکی۔ و نہی النفس عن الھویٰ۔ یعنی فلاح (نجات) کسے یابد کہ پاک گردد (از گناہ) نہ آنکہ علم پاکی بیاموزد۔"

اسی طرح آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

"سلیم دے را اگر این پندار از اخبار پیدا شدہ است کہ در فضل علم است چرا آن اخبار (یعنی احادیث) کہ در حق علمائے بد آمدہ ہم نخواند کہ در قرآن او را بہ خر (یعنی گدھا) مانند کردہ کہ کتاب در پشت دارد و بسگ مانند کردہ است و میگوید رسول صلعم عالم بد را در دوزخ اندازند چنانکہ پشت و گردن او بشکنند و در آتش او را میگرداند۔ چنانکہ خر آسیا را (یعنی جیسا کہ گدھا چکی کو پھراتا ہے) گرداند و ہمہ اہل دوزخ بر وے گرد آیند و گویند تو کیستی و این چہ نکال است گوید (یعنی عالم بد) من آنم کہ فرمودم و (خود) نکردم۔"

اسی باب میں آگے چل کر امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ...

"عیسیٰ علیہ السلام عالم بد را باین نسبت کردہ و گفتہ چون ماشو (یعنی غربال یا چھلنی) مباش کہ آرد آرد ازان فرو می شود و سبوس در اں می ماند۔ شما نیز اے علمائے بے عمل، سخن حکمت می گوئید و آنچہ بد بود در شما می ماند۔"

اسی باب کے اندر امام رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے بد کے سارے اعمال کے اوپر پڑے ہوئے پردے اٹھا کر اس کو عریاں کر دیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں (میں بجائے فارسی کے اس کا ترجمہ اردو میں لکھتا ہوں تاکہ اردو خواں حضرات اس کو اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ مصنف کتاب)

"جب علمائے بد پہ کبر او رغرور غالب آجاتا ہے تو شیطان ان کو یہ سمجھا دیتا ہے کہ مولوی صاحب تمہارا کبر کبر نہیں ہے بلکہ اس میں دین کی بڑائی اور عظمت ہے۔ اگر تم کبر کو ماد دیگے اور خاموش ہو گئے تو اس میں دین اسلام کی خفت ہے۔ کیونکہ اگر تو بزرگی کا اظہار نہیں کریگا تو اسلام کی عزت اور عظمت داغدار ہو جائے گی۔ اسی طرح سے اگر کوئی عالم بد بڑے بڑے قیمتی کپڑے۔ قیمتی ریشمی چغے اور دستار پہن کر فخر اور بڑائی کا اظہار کرتا ہے تو شیطان اس کو پٹی پڑھاتا ہے کہ مولوی صاحب گھبرائیے نہیں آپ کا یہ تجمل اور یہ نمائش "نہ رعونت است کہ ایں کور دئی دشمنان دین است۔" ہرگز ہرگز کبر اور رڈیائی میں شمار نہ ہوگی۔ بلکہ دشمنان دین کی آنکھوں کا اندھا کرنا آپ کا مقصود ہے (مزے سے رعونت کئے جائیں نہ ڈریں) اگر حسد پیدا آید" یعنی اگر ایسا مولوی صاحب حسد کرتا ہے یعنی دوسرے مسلمان بھائی کی علم دولت عزت اس کو ایک آنکھ نہیں بھاتی اور وہ ان کی خرابی کے درپے ہوتا ہے تو شیطان ایسے مولوی صاحب کو کہتا ہے مولوی صاحب مزے سے آپ حسد کئے جائیں۔ لوگوں کی پگڑیاں خوب دل کھول کھول کر اچھالتے رہیں غلاظت اور گندگی کے ٹین بھر بھر کر مسلمانوں کے سر پہ الٹا دیا کریں۔ ان کو خوب بے عزت کریں اور ستائیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس میں "صلابت دین حق است" دین حق کی سلامتی اور سالمیت اور حفاظت کا سوال ہے۔

اگر ایسا مولوی صاحب حاکموں کے بنگلوں کے گرد طواف کرتا رہتا ہے تو شیطان اس کو سمجھاتا ہے کہ مولوی صاحب دن کیا رات کو بھی اگر آپ حاکموں کے پاس آنا جانا رکھیں اور خوشامد کریں تو بے شک اور بے دھڑک کرتے رہیں کیونکہ "این نہ تواضع با ظالم است کہ حرام است بلکہ این برائے شفاعت مسلمانان و مصلحت ایشاں است" وغیرہ وغیرہ

لا یخافون لومۃ لائم

دراصل تنقید سے گھبرانا صاحب عزم اور بزرگان دین کا شیوہ نہیں ہے لا یخافون لومۃ لائم کا خود خدا نے ہمیں درس دیا ہے۔ تنقید سے گھبرانا کم حوصلگی تنگ مزاجی۔ تنگ دلی اور کم ظرفی کی بین دلیل ہے اور تنقید و نکتہ چینی کو خندہ پیشانی برداشت کرنا بزرگان دین کی سنت ہے۔ اخلاقی بلندی اور برتری کا ایک کھلا ثبوت ہے۔ ہمارے اکثر علما ذرا سی تنقید پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں غصہ ہوتے۔ بڑبڑاتے۔ جھاگ بہاتے رہتے ہیں۔ اور اسی غصہ کے عالم میں فریق مخالف پر فتووں کے تیر، کفر کا فری کی مشق فرماتے ہیں۔ حالانکہ اختلاف آرا کا اسلام نے کیسا عظیم الشان سبق پڑھایا ہے۔ حضورؐ نے غیر مبہم الفاظ کے اندر فرمایا ہے (حدیث) اختلاف امتی رحمت یعنی اگر میری امت کے علما میں یا دوسرے اہل الرائے میں کوئی اختلاف آرا ہو جائے تو یہ نہ کفر ہے نہ ضلالت بلکہ اختلاف نیک نیتی سے ہو جانا یہ ایک رحمت ہے۔ سبحان اللہ اسلام کی تعلیم ملاحظہ ہو۔ اور ان حضرات کا وطیرہ دیکھو۔ اگر کوئی سنی ہے تو وہ بھی چاہتا ہے کہ اس کے ہم خیال بن جائیں ورنہ ان سب کو دار پر چڑھا کر لٹکا دیا جائے۔ بانیٔ اسلام تو کہتے ہیں کہ مسائل کے اندر نیک نیتی سے خوب چھان بین کرو۔ اس میں

کوئی ہرج مرج کی بات نہیں۔ بلکہ یہاں تک بھی آزادیٔ رائے کو ابھارنے اور حق رائے کو محفوظ بنانے کے حق میں سرورِ عالم ؐ نے کہا ہے کہ دو شخصوں میں اگر کسی مسئلہ پہ اختلاف ہو جائے تو ان میں سے جو حق پر ہوگا اس کو دو ثواب (یعنی دو نیکیاں) ملیں گی اور وہ شخص کہ جو ان میں سے غلطی پر ہوگا تو اس کو بھی ایک درجہ یعنی ایک ثواب یا ایک نیکی ضرور ملے گی۔ لیکن آجکل حالت بالکل دگرگوں ہے۔ آزادیٔ رائے کا حق بالکل ختم کر لیتے اور تقلید اور جی حضوریت کو سینچنے کے لئے تنقید اور نکتہ چینی کے خلاف رسالے لکھے جا رہے ہیں۔ عوام کو بالفاظ دگر یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ ایک مولوی صاحب منبر پہ کھڑا ہو کر جو کچھ بھی (غلط یا صحیح) کہتا جائے آپ آمنا و صدقنا کہتے چلے جائیں۔ آپ کو غور اور فکر کرنے۔ سوچنے اور سمجھنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ اے الٰہ العالمین کہاں ہے تعلیم رسول اللہ کی؟ اور کہاں ہیں ان حضرات کے خود غرضانہ اقوال؟ ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

اے رب الاخلاق! یہ جتنی بھی خرابی ہم لوگوں میں رونما ہو رہی ہے۔ یہ سب اسی عدم تنقید کا نتیجہ ہے۔ آج جس کسی نے بھی لمبا چوغہ اور بڑا پگڑ باندھ لیا اور چند حواری اس کے آگے پیچھے چلنے لگے تو بس وہ بڑا حضرت صاحب۔ وہ بڑا علامہ صاحب۔ وہ بڑا مولوی صاحب بن جاتا ہے اور بیچارے عوام جن کو کالانعام یعنی حیوان کہا جانا صحیح ہے وہ آنکھیں بند کر کے ان حضرت صاحب کے پیچھے گروہ در گروہ لگ جاتے ہیں۔ اور پھر اس کے اشارۂ چشم و ابرو پر حکومتوں کے تختے الٹ دیتے ہیں۔ قوموں اور ملکوں میں تباہی اور فساد برپا کر دیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے شر اور فتنوں سے سرتاج صوفیائے کرام حضرت مولانا رومؒ نے ہمیں اچھی طرح سے آگاہ کیا ہے۔۔ آپ فرماتے ہیں کہ (مثنوی)

گرچہ ایں زاغان ز غل افروختند　　بانگِ بازانِ سپید آموختند

بانگ ہدہد گر بیاموزد قطا ۔۔۔ راز ہدہد کو و پیغام سبا

بانگ پر رستاں ز پر بستہ بداں ۔۔۔ تاج شاہاں را ز تاج ہدہداں

حرف درویشاں و نکتہ عارفاں ۔۔۔ بستہ اند ایں بے حیایاں بر زباں

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود ۔۔۔ زانکہ بر جندل گماں بردند عود

ان اشعار کا مختصراً مقصد یہ ہے۔ لوگو خیال کرو کہ دنیا میں کووں نے سفید شکاری بازوں کی بولیاں بولنا سیکھ لی ہیں۔ ایک اتو ہدہد (یعنی مرغ سلیمانی) کی بولیاں اگر سیکھ لے تو کیا واقعی ہدہد بن جاتا ہے؟ اسی طرح سے ایک پروں والے صاحب پرواز پرندے کی آواز اور ایک پر بستہ پرندے کی آوازیں لوگو تم تمیز کرنا سیکھو اور ایک مشت پر ہدہد کے پروں کے تاجوں میں اور شاہان دنیا کے اقتدار اور قوت والے تاج میں فرق کرنا تمیز کرنا سیکھو کیونکہ آپ فرماتے ہیں کہ دنیا میں آجکل یہ عام دستور سا ہو گیا ہے کہ اللہ والے درویشوں اور عارفان باللہ کے نکتوں اور اشاروں کو پلے سے باندھکر کئی بے حیا لوگ مصنوعی اور نمائشی حضرت صاحب۔ علامہ صاحب۔ عارف صاحب بن بیٹھے ہیں۔ آخیر کے شعر میں آپ نے قوموں کی تباہی اور ہلاکت کا ایک قاعدہ کلیہ، ایک حقیقی فارمولا Formula بیان کر دیا ہے۔ یعنی ہر ہلاک اُمّتِ پیشیں کہ بود۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک نہیں دو نہیں دس نہیں بیس نہیں بلکہ جتنی بھی امت ہائے پیشین یعنی آجتک قوموں میں جتنی بھی ہلاکتیں اور جس قدر بھی بربادیاں رونما ہوئی ہیں اس کی ہلاکت کی وجہ یہی تھی کہ انہوں نے "زانکہ بر جندل گماں بردند عود" بدبختی اور بدنصیبی سے گز کی لکڑی کو جس کے دھوئیں میں سخت بدبو اور سخت دھواں ہوتا ہے اور اس کے پاس بیٹھنے سے دھوئیں کے

سبب آنکھوں سے پانی بہتا رہتا ہے، انہوں نے اس گنڈ کی لکڑی اور عود کی شکل ظاہری کو جو باہم ایک جیسی ہوا کرتی ہے دیکھکر اس کو عود کی خوشبودار مفرح قلب، نورا فزا قیمتی لکڑی سمجھ لیا ہے، یعنی قوموں کی ہلاکت کا راز بیان فرماتے ہیں یہ ہے کہ لوگ نااہل علمائے سو کو علمائے ربانی سمجھکر ان کی پیروی کرتے ہیں یا نااہل اور نالائق لیڈروں کے پیچھے لگ پڑتے ہیں اور اس طرح سے ہلاکت اور بربادی کے گڑھے میں گر جاتے ہیں۔

تنقید سے گھبرانا اور پیچھا چھڑانا اخلاقی کمزوری کی ایک بیّن دلیل ہے تنقید کے نقصان کو حضرت مولانا رومؒ نے کیسے کیسے شیریں اور دل پسند پیرایہ میں بیان فرمایا ہے (مثنوی)

چوں محک پنہاں شداست از مرد و زن   در صف آ اے قلب اکنوں داہزن

یعنی آپ جھوٹ، تصنع بازی، ریاکاری، فریب دہی، دھوکہ بازی کو مخاطب فرما کر کہتے ہیں کہ اے قلب یعنی اے کھوٹے سکو آؤ اور لوگوں کو خوب لوٹو۔ لوگوں کو خوب دھوکے دو۔ فریب اور مکر کا خوب بازار گرم کرو کیونکہ "چوں محک پنہاں شداست" آجکل کسوٹی دنیا سے ناپید ہو گئی ہے۔ اس لئے اے جھوٹ اور اے فریب اب تمہاری باری ہے۔ کیونکہ تمہیں عریاں کرنے والی اور تمہارا راز فاش کرنے والی محک یعنی کسوٹی ناپید ہے۔ اس لئے تم فریب کرو۔ پھر اگلے شعروں میں زر قلب اور زر خالص کی باہم گفتگو اور مکالمہ بیان کرتے ہیں

قلب می گوید ز نخوت ہر دمسم   اے زر خالص من از تو کے کمم

زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش   لیک می آید محک آمادہ باش

چونکہ اشعار کا مقصد بالکل آسان ہے اس لئے اس کے معانی بیان کرنا

موجب طوالت ہوگا۔ پس تنقید کو برا کہنا ایسا ہوا جیسا کہ کوئی سونا بیچنے والا امراء کسوٹی کو توڑ کر پھینک دے اور کسوٹی کو برا کہے۔ لہذا ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہمارے بیشتر مولوی صاحبان تنقید کو کیوں برا سمجھ کر اس سے بچنا چاہتے ہیں اور لوگوں کو آزادئ رائے سے محروم کرنے کی طرف ہمیں پکار رہے ہیں

ہمارے سلف صالحین کے اندر ایسی شاندار روایات موجود ملتی ہیں کہ عمرؓ جب خلیفہ تھے تو وہ اپنے متعلق لوگوں کی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے لباس بدل کر راتوں کو جاتے اور لوگوں کی پرائیویٹ گفتگو چھپ چھپ کر سنتے اور اپنے متعلق لوگوں کی آرا معلوم کرنے کی کوشش فرماتے۔ کئی بار محرم اسرار صحابی حضرت حذیفہؓ سے اپنے متعلق رسول اللہ کا خیال دریافت کرتے۔ کئی بار جب ان کی مملکت سے لوگ ان کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ عوام کی تنقیدات اور اعتراضات اور آرا اپنے متعلق دریافت کرتے رہتے لیکن واللہ اعلم آج کیوں اسوۂ حسنۂ رسولؐ اور اس کے اصحاب کے بالکل برعکس ہمارے چند خود ساختہ ہادیان دین ہمارے منہ پر کیوں مہریں لگانا چاہتے ہیں

سیفٹی ایکٹ

مجلس علما کا تنقید کو برا سمجھنا اور مسلمانوں کو تنقید سے، رائے زنی سے، جانچ پڑتال کرنے سے، حسن اور قبح پر اظہار خیال کرنے سے روکنا یا اس کو اپنی تحقیر سمجھنا بالکل ایک ایسی حرکت ہے جیسی انگریزی حکومت کا عوام کی آزادئ رائے کو صلب کرنے کے لئے سیفٹی ایکٹ جاری کر کے لوگوں کے منہوں اور زبانوں پر آہنی قفل لگا دینا۔

اے خداوند عالم! ہم تو دنیاوی حکمرانوں کے اس حکم سے ناراض تھے لیکن ہمیں یہ دیکھ کر سخت حیرت دانگیز ہو رہی ہے کہ ہمارے علمائے کرام کی ایک مجلس یا ایک مقتدر جماعت حال ہی میں ایک پمفلٹ شائع کر کے دنیاوی حکمرانوں کی طرح ہم پہ ایک مذہبی سیفٹی ایکٹ لگا کہ ہمارے رہے سہے آزادی خیال کے مطالبات اور حق رائے دہی کے اختیارات کو صلب کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں۔ سیفٹی ایکٹ جاری کرنے سے حکومت کے عمال کا منشا تو ظاہر ہے لیکن اب علمائے کرام نے بھی تنقید اور رائے زنی پر اظہار ناراضگی اور ناپسندیدگی ظاہر فرما کر قوم کو اینٹ پتھر کی طرح سے بے حس اور بے زبان بنانا شروع کر دیا ہے ہمیں جو شکایات دنیاوی حکمرانوں سے تھیں اب ہم وہی چیز اپنے روحانی رہنماؤں کی زبان سے بھی سن رہے ہیں۔ علامہ اقبال نے غالباً کسی ایسے حال میں یہ شعر کہا ہوگا۔ ؎

خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

ہوس افتدار اس مجلس العلماء کوئٹہ کا پمفلٹ محولہ بالا میں ایسی ناجنی بحث کی گئی ہے جیسے کہ عموماً ہمارے پرانی وضع کے مولوی صاحبان دیہاتی جہلاء اور عوام الناس کے طبقہ کے سامنے کیا کرتے ہیں اور وہ غریب لوگ اس ملا کی زبان سے نکلے ہوئے ہر ہر حرف پر سر دھنتے ہیں اور آمنا و صدقنا کہتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے کئی مولویوں کو وعظ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ چند فقرے ارشاد فرمانے کے بعد لوگوں کو للکار کر کہتے ہیں "پڑھو درود شریف"۔ پس لوگ تو درود شریف پڑھنا شروع کرتے ہیں اور خود مولوی صاحب لوگو کو اشارہ کر دیتے ہیں کہ لاؤ وہ دودھ اور چائے جو پہلے سے تیار پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ مولوی صاحب خود

مزے ۔ ۔ ۔ ۔ کے ساتھ کرسی پر براجمان ہو کر دودھ نوش جان فرماتے ہیں اور یہ بیچارے عوام درود شریف کی گردان میں لگ جاتے ہیں۔ جونہی درود خوانوں نے درود پڑھتے پڑھتے ذرا سا بھی اگر تساہل کیا اور ان کی آواز اگر ذرا بھی ڈھیلی ہو گئی تو مولوی صاحب پھر للکار کر کہتے ہیں کیوں درود نہیں پڑھتے ہو خوب زور زور سے پڑھو اس پر بڑا ثواب ہے۔" آنحضرت صلعم کی روح بڑی خوش ہوتی ہے پھر جب حاضرین زور زور سے درود شریف کی گردان شروع کر دیتے ہیں تو مولوی صاحب اور تازہ دودھ اور چائے منگوا لیتے ہیں۔ لوگ تو درود پڑھتے رہتے ہیں لیکن مولوی صاحب کو خود درود شریف کے ثواب کی چونکہ ضرورت نہیں ہوتی لہذا وہ درود کے بجائے چائے کا ورد اور دودھ کا وظیفہ پڑھتے رہتے ہیں۔

اس ذکر کرنے سے میری مراد یہ ہے کہ مجلس العلماء نے اپنے پمفلٹ میں ایسے غیر ضروری مباحث اور دور دراز کا راز کا چھیڑ دیے ہیں جو صرف دیہاتی اور دہقانی طبع کے لوگوں ہی میں مقبول ہو سکتے ہیں۔ نئی روشنی اور نئی تعلیم کے باوضع لوگوں کو ان مباحث سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

ملاؤں کے کمالات ۔ یہ سارا پمفلٹ ملاؤں کے گیت سنانے اور گن گانے کے طور پر مرتب کیا گیا ہے۔ آپ اس پمفلٹ مذکور کے صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں

(۱) "اسی طرح ایک ملا عالم دین آیات قرآنی کا مفہوم بیان کرنے کی اہلیت رکھتا چلا آرہا ہے۔"

(۲) ذلت و مصائب برداشت کر کے اس قرآن مجید کو تفصیل سے بیان کرتے آئے ہیں۔ اور دنیا کے عام حالات قدیم اور جدید کا آئینہ پیش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

الغرض ان مولوی صاحبان نے بڑی کوشش اور کاوش سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ اقتدار یعنی وزارت۔ صدارت وغیرہ کی کرسیوں پر

پرا جان ہونے کی اہمیت جتنی کہ علمائے کرام میں ہے اتنی دولت مند۔ سرمایہ دار طبقہ کے لوگوں میں نہیں ہو سکتی۔ لہذا اگرچہ مولوی صاحب دبی زبان سے اقتدار اقتدار کا ڈھول پیٹتے چلے گئے ہیں۔ لیکن صاف اور واضح الفاظ کے اندر فقدان جرأت اخلاقی کے سبب سے یہ نہیں کہہ سکے کہ یہ ممبران اسمبلی اور پارلیمنٹ وغیرہ جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اختیارات ہے وہ چونکہ صاحبان دولت و ثروت ہیں لہذا وہ لوگ ان مناصب عالی کے مستحق نہیں ہیں۔ اہنیں شاکران قرآن دانی اور قرآن فہمی کے مدعیان یعنی علما کو یہ اقتدار سونپ دینا چاہیئے۔

(۳) بہت ساری آیات قرآنی بیان فرما کر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ

"اہل دولت و اقتدار ابتدائے آفرینش سے آج تک اہل مذہب کے دشمن رہے ہیں اور آجتک بھی وہی ذہنیت اہل دولت میں کارفرما ہے۔ جو بھی دنیا کو تکلیف پہنچی ہے (ان) اہل دولت کے اعمال بد سے پہنچی ہے بلکہ دنیا کی تباہی کی تمام تر ذمہ داری خاص طور پر ان اہل دولت و اقتدار پر عائد ہوتی ہے اہل مذہب سے یہ بغض و دشمنی صرف زبان سے نہیں ہے اور فقط حقیر ہی نہیں سمجھا گیا بلکہ اکثر معصوم انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فدا داروں کو اس لئے قتل کیا گیا ہے کہ وہ وحی آسمانی اور احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔

آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔

"آخر انصاف سے آپ بتائیں کہ انسانی تاریخ میں آجتک کسی طبقہ نے انبیا علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کو قسم قسم کی تکلیف نہ پہنچائی ہیں؟ وغیرہ وغیرہ"

(۴) صفحہ ۱۹ پر لکھتے ہیں "مگر یہاں اس تحقیق اور ان واقعات کو پیش کرنے سے میرا اصلی مقصد یہ ہے کہ علمیت اور آمریت کے طبعی اثرات سے قارئین کو بطور قاعدہ کلیہ آگاہ کرنا ہے۔ اور ان دونوں طبقہ کی ذہنیت کو ابتدائے دنیا سے آخر

تک قارئین کے سامنے لاکر منکشف کرنا ہے ۔

مال و دولت کا فلسفہ اور اسلام

مولوی صاحبان مذکور اپنے پمفلٹ میں اہل دولت اور اہل مذہب کے الفاظ کو بار بار دہراتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے پمفلٹ پڑھنے سے اہل دولت اور خود مال و دولت کی مذمت اور برائی کا پہلو پوری طرح سے کتاب پڑھنے والوں کے ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے ہمیں مال اور دولت کے فلسفہ کو کھول کر بیان کرنا ہے کہ آیا یہ دولت اور یہ مال داری فی النفسہ کوئی اس قدر معتوب، اس قدر ملعون اور اس قدر مطعون چیز ہے کہ حضرت مولوی صاحبان بار بار اہل دولت کا نام لے لے کر دولت اور اہل دولت کی خفت اور تذلیل کر رہے ہیں کیا واقعی دولت مند بننا شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی ایسا اخلاقی جرم ہے ؟

کیا فراخ دستی اور دولت و مال کوئی جرم ہے ؟

اگرچہ اہل دولت کا لفظ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان سب لوگوں پر عائد ہوتا ہے جن کو کہ دنیا کی دولت سونا چاندی جمع کرنے کی حرص اور لالچ غالب ہو بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ اہل علم ہیں یا اہل دنیا۔ لیکن اگر جائز طریقے پر خدا کسی کی تجارت کسی کے مال اور زمینداری کو بڑھا دیتا ہے۔ اس میں خیر اور برکت پیدا ہو جاتی ہے ۔ وہ

سارے حقوق اسلامی ادا کرنے کے باوجود بھی مالدار اور غنی بن جاتا ہے تو ایسی غنا اور ایسی مالداری تو بھی خود آنحضرت کے صحابہ کرام مثلاً امیر عثمانؓ اور عبد الرحمٰن رضی بن عوف میں بھی نظر آتی ہے۔ اگر مطلق مالداری کو برا کہا جائے تو پھر بھی نعوذ باللہ حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کو اور ان کی مالداری کو بھی برا کہنا پڑیگا اس لئے مال اور دولت کو برا نہیں کہنا چاہیئے۔ حضرت عارف رومیؒ فرماتے ہیں (مثنوی)

چیست دنیا از خدا غافل بدن | نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
مال را گر بہر دیں باشی حمول | نعم مال صالح خواندہ رسول
آب در کشتی ہلاک کشتی است | آب در بیرون کشتی پشتی است
چونکہ مال و ملک را از دل براند | زاں سلیماں خویش جز مسکیں نخواند
کوزۂ سر بستہ اندر آب رفت | از دل پر باد فوق آب رفت
باد درویشی چو در باطن بود | بر سر آب جہاں ساکن بود
آب نتواند مرا او را غوطہ داد | کش دل از نفخ الٰہی گشت شاد
جہد حق است و دوا حق است و درد | منکر اندر نفی جہدش جہد کرد
کسب کن سعی نما و جہد کن | تا بدانی سر علم من لدن

مثنوی کے ان اشعار کا خلاصہ مقصد یہ ہے کہ دنیا کی مذمت اگر کتاب و حدیث وغیرہ میں تم دیکھو تو یہ نہ سمجھو کہ مال و دولت بری چیز ہے اور کہ سونا چاندی وغیرہ کا نام دنیا ہے۔ کہیں بے وقوفی سے مال اور دولت کو تم دنیا سمجھکر ان سے نفرت کرنا شروع کر دو۔ درحقیقت دنیا ان چیزوں یعنی مال و دولت اور سونے چاندی کا نام نہیں ہے۔ دنیا نام ہے خدا سے بعد، دوری اور غفلت کا۔ کوئی چیز بھی جو انسان کو خدا سے دور کر دے اس کو دنیا سمجھو۔ یہی وہ دنیا ہے جس پر کہ لعنت اور ملامت کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ وہ چیز خواہ علم ہو۔ حج ہو۔ نماز ہو یا کوئی بھی اور ایسا نیک

کام ہو۔ فرض کرو کہ اگر علم سے غرور، عجب، تکبر، خود نمائی، ریا کاری وغیرہ کے جذبات کسی عالم میں پیدا ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے اس کا علم بمنزلہ دنیا کے ہے کیونکہ اس کے باعث سے وہ خدا سے غافل ہو کر خواہشات نفسانی کے درپے ہو گیا ہے یہی حال حج کا ہے۔ یہی سخاوت کا وغیرہ وغیرہ۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے جس کا خلاصہ مقصد (یعنی اصل الفاظ مجھے یاد نہیں ہیں) یہ ہے کہ قیامت کے روز عالم، غازی۔ سخی۔ حاجی خدا کے روبرو پیش ہوں گے تو خداوند عالم ایک ایک سے پوچھے گا۔ بتاؤ کہ تم نے دنیا جہاں میں کونسا نیک عمل کیا ہے عالم علم خوانی اور درس تدریس کا ذکر کرے گا۔ غازی اپنی غزا اور جہاد کا۔ علی ہذا القیاس جب ان سب کے بیانات ہو جائیں گے تو اللہ اپنے ملائک سے فرمائیں گے کہ ان سب کو دوزخ کی سب سے بدترین اور شدید جگہ میں پھینکدو۔ اس پر وہ عالم۔ غازی۔ حاجی سخی وغیرہ فریاد کریں گے۔ کہ الٰہ العالمین آخر کیوں ان سے ایسا برتاؤ کیا جا رہا ہے؟ تو اس کا جواب یہی ملیگا کہ عالم نے نمایش اور جاہ و جلال کے لئے اور مولوی صاحب نے مولوی کہلانے کے لئے علم پڑھا تھا۔ پس علم کا اس کو اسی دنیا میں نفع مل گیا ہے کیونکہ لوگوں نے اس کو حضرت مولوی صاحب قبلہ وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے خطابات کیسا تھ یاد کیا ہے۔ سو دا سلف میں اس کے ساتھ رعایت برتی گئی ہے۔ کیونکہ وہ مولوی صاحب ہیں لہٰذا اس کو علم کا اجر اسی دنیا میں مل چکا ہے۔ اس کو میرے پاس سے کوئی اجر یا عوض نہیں ملیگا۔ اسی طرح سے باری باری سے سب کو یہی جواب ملتا جائیگا پس اس سے اندازہ ہو گا کہ کوئی بھی چیز خواہ وہ مال ہو، دولت ہو، سونا چاندی ہو ہرگز بری نہیں ہے اور ملعون نہیں ہے بشرطیکہ خود مالدار کی نیت بری نہ ہو۔ اسی طرح سے علم پڑھنا، مولوی بننا، حاجی ہونا، سخی کہلانا ہرگز نفع نہ دیگا، جب تک کہ ان کی نیت خالص اور پاک نہ ہو۔ لہٰذا انگریزی کا وہ مقولہ اس جگہ کیسا صادق آتا ہے کہ

nothing is evil but thinking makes it so.

یعنی دنیا میں کوئی چیز بھی بری نہیں ہاں البتہ ذہنیت اگر بری ہے تو وہ چیز بھی بری بن جاتی ہے۔

مولوی رومیؒ کے ان سارے اشعار کا خلاصہ یہی ہے کہ مال و دولت سونا چاندی وغیرہ کو دنیا مت کہو۔ دنیا وہ ہے جو تمہارے دل میں گھر کر جائے۔ تمہاری محبوب، مقصود، اور معبود بن جائے۔ تم اسی کے لئے زندہ رہو اور اسی کے لئے مارنے مرنے کو تیار ہو جاؤ۔ ہاں اگر سونا چاندی تمہارے نزدیک مقصود نہیں ہیں بلکہ محض ایک ذریعہ مقصود ہیں تو وہ برے نہیں۔ دیکھئے کہ آپ نے تیسرے شعر کے اندر مال و دولت، سونے چاندی کی حقیقت کو کس خوش کن سہل الفہم الفاظ کے اندر سمجھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگر کشتی کے اندر پانی پڑ جاتا ہے تو یقیناً وہ کشتی ہلاک ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر پانی کشتی کے اندر نہیں گیا تو وہی پانی بجائے بربادی کے اس کے لئے موجب خیر اور برکت ثابت ہو گا۔ اس کو چلنے میں مدد دیگا اس کا منزل مقصود اسی پانی کے ذریعہ سے جلد طے ہو گا۔ علیٰ ہذا القیاس سارے اشعار کا مطلب اسی ایک مقصد اور اسی ایک محور اور اسی ایک مرکز کے گرد پھر رہا ہے۔ چونکہ اس کی تفصیلات خالی از طوالت نہیں۔ لہذا ہم اسی پر اب اس تفصیل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ اس قدر سمجھنے کے بعد باقی اشعار کی معنی خود بخود سمجھ میں آ جاتے ہیں۔

انسانی سائیکالوجی

انسانی افعال نیت سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً خوشبو کا لگانا شریعت میں دو طرح پر ہے۔ اگر خوشبو نمائش کے لئے، بازاری خفیف کاموں کے لئے لگائی جائے تو وہ گناہ میں شامل ہو گی۔ لیکن اگر نیک نیتی سے شرعی امور کا پاس رکھ کر خوشبو لگائی جائے تو وہی خوشبو

ثواب میں شمار ہوتی ہے۔ فعل تو وہی ایک ہے لیکن نیت کے ساتھ اس کا اثر اور انجام بدل جاتا ہے۔ اسی طرح سے ایک شخص بندوق لے کر غزا کے لئے جاتا ہے تو وہ غازیوں میں شمار ہوگا۔ لیکن اگر وہی بندوق کسی مسلمان کو جان سے مارنے کے لئے لیکر نکلے گا تو وہ ظالم۔ قاتل اور خونی لکھا جائے گا۔ کوئی شخص ایک بہت بڑا باغیچہ اور ایک بڑا بنگلہ تعمیر کرتا ہے، ایک آدمی بڑا بھاری تاجر ہے تجارت کر کے لاکھوں روپیہ کماتا ہے تو اس کام اور اس روپے کا بھی برا ہونا یا بھلا ہونا سب اس کی نیت پر مدار رکھتا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں کہا گیا ہے کہ نیت المومن خیر من عملہ ایک اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ انما الاعمال بالنیات یعنی عمل اور کردار کا مدار نیت پر رکھا گیا ہے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم جلد چہارم باب ہفتم نیت کی فضیلت و حقیقت کے بیان میں لکھتے ہیں" اسی وجہ سے بعض عارفین سلف نے فرمایا ہے کہ مجھکو یہ مستحب معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں ایک نیت کر لیا کروں، یہانتک کہ کھانے، پینے، سونے اور پاخانہ جانے اور اسی طرح اور اس قسم کے سب امور میں نیت کر لیا کروں۔ اور یہ سب باتیں اس قسم کی ہیں کہ ان میں نیت تقرب الی اللہ یعنی نیکی اور بدی دونوں کی ہو سکتی ہے۔ بظاہر یہ تمام چیزیں بالکل دنیاوی نظر آتی ہیں لیکن نیک نیتی کے ساتھ وہ اعمال صالحہ میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک شخص اگر کھانا کھانے سے یہ نیت کرے کہ اس کو کھانے سے قوت بدنی پیدا ہوگی اور اس طرح سے وہ خدمت خلق، جہاد وغیرہ کا کام بخوبی انجام دیگا اور کھانا نہ کھانے سے وہ کمزور ہوگا اور کفار وغیرہ کے ساتھ مقابلہ پورا نہیں کر سکے گا۔ اسی طریقے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے اور محبت کرنے میں اگر اس کی نیت اپنی اہلیہ کی خوشنودی ہو۔ نیک اور قابل اولاد پیدا کرنا ہو اور اولاد سے غرض امت محمدی کی افزائش کرنا،

یہ سب عبادت اور اعمال صالحہ میں شمار ہوں گے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ سلف صالحین نیت کو اس قدر وقعت دیا کرتے تھے کہ بعض سلف کے بزرگوں سے یہاں تک منقول ہے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار ایک خط لکھا۔ مجھے خیال آیا کہ ہمسایہ کی دیوار سے مٹی لیکر اس پر ڈالوں اور اس کو خشک کر دوں مگر میرے ضمیر نے اس کو قبول نہ کیا۔ بار دیگر یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ تو معمولی سی مٹی ہے اس کی کیا حقیقت ہے۔ یعنی مٹی ایک معمولی سی چیز ہے اس کا اتنا فکر کیوں؟ غرضیکہ میں نے ہمسایہ کی دیوار سے مٹی لیکر اس کو خشک کر دیا۔ لیکن اس تھوڑے سے معمولی کام پر بھی اس کو غیبی الہام اور آواز آئی کہ تیرا یہ معمولی کام بھی گناہ میں شمار ہے۔ اور اس کی بھی تجھے قیامت میں سزا ملے گی چونکہ نیت سے افعال کا اثر بدل جاتا ہے لہذا اپنے سب حرکات اور سکنات کو خوب سوچ اور سمجھ کر کرو۔ جو کام بھی کرنا ہو پہلے اپنے آپ سے پوچھو کہ اس کام کا منشا کیا ہے۔ میں یہ کام کیوں کر رہا ہوں؟۔ اس میں میری نیت کیا ہے؟ اس کام کے کرنے سے کیا دنیاوی فائدے اور کیا دینی مفاد ہوں گے۔ ازاں بعد اپنے دل کے بھی نگراں رہو کہ کسی کام کے ترک کرنے میں تمہاری کیا نیت ہے۔ جس طرح کام کرنے میں نیت ضروری ہے اسی طرح کسی کام کو چھوڑنے میں بھی ایک نیت ہوا کرتی ہے۔ کیونکہ جس طرح کوئی کام کرنا ایک فعل ہے۔ اسی طرح سے کسی کام کو ترک کرنا بھی ایک فعل ہے لہذا امور کے ترک کرنے میں نیت کا صحیح ہونا بھی لازمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس ترک فعل کا موجب کوئی باطنی شہوانی جذبہ ہو کہ جس پر آگاہی نہیں ہو رہی اس لئے ہر چیز اور ہر کام کو شروع کرنے اور ترک کرنے کے وقت ان امور بواطن اور پوشیدہ بھیدوں پر غور اور فکر کرنا چاہیئے تاکہ مغالطوں سے محفوظ رہو۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حضرت ذکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال میں لکھا ہے کہ آپ اجرت اور مزدوری پہ کسی شخص کی دیوار گارے سے بناتے تھے۔ دیوار کے مالک نے آپ کو دو روٹیاں لاکر دیں۔ حضرت ذکریاؑ بڑے سخی تھے آپ کھانا کھا رہے تھے کہ اتنے میں کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے ان کی کوئی تواضع نہ کی (یعنی کھانے میں شریک نہ کیا) اور یہاں تک کہ سب کھانا خود کھا گئے آنے والے لوگوں کو آپ کے اس فعل سے کمال تعجب ہوا۔ کیونکہ آپ علاقہ میں بڑے سخی اور زاہد مشہور تھے۔ حضرت ذکریا نے ان سے کہا کہ کھانے میں تمہیں شریک نہ کرنے کی ایک خاص وجہ ہے (آپ ناراض نہ ہوں) آپ نے فرمایا کہ میں یہاں کچھ لوگوں کا کام اجرت اور مزدوری پہ کرتا ہوں۔ اور انہوں نے مجھے روٹی اس لئے دی کہ میں روٹی کھا کہ مطمئن ہوں اور بھوک سے نڈھال ہو کر کمزور نہ ہو جاؤں۔ یہ روٹی کھا کر میرے بدن میں قوت اور توانائی آجائے اور پھر میں ان کا کام پوری قوت اور زور بازو کے ساتھ سرانجام دوں۔ پس اگر میں تمہیں کھانے میں شریک کرتا۔ تو نہ تمہارا اس سے پیٹ بھر سکتا تھا نہ میرا۔ اس طرح سے میں یقیناً ضعف اور کمزوری محسوس کرتا اور اس طرح سے ان کا کام سرانجام نہ دیتا جس نیت سے کہ انہوں نے مجھے کھانا لاکر دیا تھا۔ اسی طرح بعض اکابر سے روایت ہے کہ میں حضرت ثوری کی خدمت میں گیا۔ اس وقت آپ کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے مجھ سے کلام تک نہ کیا۔ یہاں تک کہ کھانا کھانے سے فارغ ہو گئے۔ ازاں بعد فرمانے لگے۔ اگر میں نے یہ کھانا قرض پہ نہ لیا ہوتا تو مجھے اچھا معلوم ہوتا کہ میں آپ کو شامل کر لیتا۔ انہی حضرت سفیانؒ کا یہ بھی قول ہے کہ جو شخص کسی دوسرے کو اپنے کھانے میں شریک ہونے کو کہے لیکن دل سے یہ نہ چاہتا ہو کہ وہ کھانا کھائے۔ اگر اس کے کہنے سے دوسرا شخص آکر کھانے میں شامل ہو اور کھانا کھائے تب تو اس شخص پہ دو گناہ ہوں گے لیکن اگر وہ شخص

کسی وجہ سے کھانے میں شریک نہ ہو تو اس صورت میں ایک گناہ رہے گا۔ یعنی ایک گناہ تو اس کے نفاق کے باعث ہوا کیونکہ نیت اس کی اس کو شریک طعام کرنے کی نہیں تھی۔ محض نفاق سے جھوٹ موٹ اس کو شریک طعام ہونے کے لئے کہا تھا۔ (یہی تو نفاق ہے) اور اس پر دوسرا گناہ اس لئے ہوا کہ اس نے اپنے بھائی مسلمان کو ایک ایسی بات پر برانگیختہ کیا کہ اگر اس کو یہ بات (اس کے دل کی) معلوم ہو جاتی۔ وہ یقیناً خفا ہوتا۔ پس آدمی کو چاہیئے کہ اپنے سب اعمال میں اپنی نیت کا اچھی طرح سے تجسس کرے۔ اور سب کام نیت صالحہ کے ساتھ کرے ورنہ نہ کرے۔"

احیاء العلوم میں امام غزالیؒ باب نیت کے اندر لکھتے ہیں

"منقول ہے کہ داؤد بن محبرؒ نے جب کتاب عقل لکھی تو حضرت امام احمد بن حنبلؒ ان کے پاس تشریف لائے اور وہ کتاب مانگ کر لے گئے۔ اور ایک نظر اس میں ڈالی اور کتاب واپس پھیر دی۔ انہوں نے پوچھا کیوں اتنی جلدی واپس فرما رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اس میں ضعیف ضعیف اسناد ہیں۔ داؤد نے فرمایا کہ میں نے اس کتاب کی بنا اسناد پر نہیں رکھی بلکہ میں نے اس کو عمل کی نگاہ کر کے اس سے نفع اٹھایا ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ اچھا پھر لاؤ تاکہ میں بھی اس کو اسی نظر سے دیکھوں کہ جس نظر سے تم نے دیکھا ہے۔ پھر وہ کتاب آپ لے گئے۔ اور مدت تک کتاب آپ کے پاس رہی۔ ازاں بعد آپ نے فرمایا کہ خدا انہیں جزائے خیر دے مجھکو اس کتاب سے بہت فائدہ ہوا۔

اسی طرح ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ میں میمون بن مہران کے ساتھ گیا۔ جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر پہنچے تو میں واپس چلدیا۔ آپ کے لڑکے نے آپ سے کہا کہ آپ نہیں ٹھہرا تا اور رات کا کھانا کھلانا نہیں چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں کیسے زبان

سے انہیں وہ کلمات کہوں جو میری نیت میں نہیں ہیں۔ یہ اس لئے فرمایا کہ نیت دراصل تابع نظر کے ہوتی ہے۔ جب نظر بدل جاتی ہے تو نیت بھی بدل جاتی ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اکابر سلفؒ کا اعتقاد تھا کہ بدون نیت کے وہ کوئی کام نہیں کرتے تھے کیونکہ انہیں یہ علم تھا کہ نیت عمل کی روح ہوتی ہے اور کوئی بھی عمل بغیر نیت صادق کے ریا اور تکلف ہے۔ اور ایسا عمل موجب غضب اور قہر خداوندی کا ہے اکابر سلف اچھی طرح جانتے تھے کہ دراصل نیت اس کا نام نہیں کہ زبان سے کہہ دیا جائے کہ نیت کرتا ہوں جیسا کہ آجکل ہم سب اسی لفظی نیت کو نیت سمجھ رہے ہیں۔ لفظی نیت کچھ کام نہ دیگی۔ جب تک کہ حضور دل کے ساتھ دل کی باطنی گہرائیوں سے کسی کام کی جنبش پیدا نہ ہو جائے۔ بلکہ نیت تو دل کے ابھار کا نام ہے جو کہ قائم مقام نتیجہ غیبی کے ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کبھی کبھی رونما ہوتی ہے اور بعض اوقات غائب ہو جاتی ہے۔ ہاں جس شخص کے دل پر امر دین و شریعت کا غالب ہوتا ہے ایسے لوگوں کو اکثر اوقات حضور دل اور نیت صالحہ میسر ہو جایا کرتی ہے اور انہیں یہ درجہ حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ دل فی الجملہ مائل بہ خیر رہتا ہے۔ تو ایسے لوگوں کا دوسری خیرات پر بھی وقت ضرورت پیدا ہو کر کھڑا ہوتا ہے اور جس کا دل مائل بہ شر ہوتا ہے اور شر دنیا کا اس پر غالب ہوتا ہے اس کو یہ بات بالکل حاصل نہیں ہو سکتی۔ دوسری خیرات کا تو ذکر ہی کیا۔ اور نوافل فرائض کے اندر بھی اس کو خالص نیت (قلبی) حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر ہوتی بھی ہے تو نہایت کوشش اور کمال جد و جہد سے مثلاً عذاب دوزخ کو یاد کرے اور اپنے نفس کو اس کی رغبت دلائے تو ایسی صورتوں میں بعض اوقات ایک ضعیف سا ارادہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے تو اس کو ثواب بھی بقدر رغبت اس کی نیت کے ملے گا۔

امام غزالیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"روئے زمین پر ایسے لوگ کم ہیں جو کہ نیت کو سمجھیں۔ اس کا استعمال کرنا تو در کنار رہا۔ اس کی سمجھ پیدا کرنا بھی کار سے دارد"

اسی نیت کی طرف حضرت عارف رومیؒ نے اس شعر میں اشارہ فرمایا ہے کہ

مال را گر بہر دین باشی حمول　　　　نعم مالٌ صالحٌ خواندہ رسول

جیسا کہ اوپر عرض ہوا۔ چونکہ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے لہذا مجلس العلما کا مالداری یا مالدار ہونے کو مطلق برا کہنا ہرگز جائز نہیں۔

کیا مالداری اور حکومت گناہ ہے؟

اے خداوند عالم۔ مجلس العلماء کوئٹہ کا یہ پمفلٹ (زیر بحث) شروع سے لیکر آخر تک پڑھ جانے کے بعد اس کا لب لباب اور اس کا عطر یہی نکلتا ہے اور سارے پمفلٹ کا خلاصہ مضمون جو سمجھ میں بیٹھتا ہے اگر اس کو مختصر الفاظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ

" اس کے اندر علما کی من حیث الجماعت تو تعریف ہے اور مالداروں اور حکمرانوں کی من حیث الجماعت شکایت، برائی کا پہلو نکلتا ہے۔ بلکہ دنیا کی تخریب کی ساری خرابیوں کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے"

صفحہ ۱۷ پمفلٹ مذکور پر آپ لکھتے ہیں کہ

" جو بھی دنیا کو تکلیف پہنچی ہے اہل دولت کے افعال بد سے پہنچی ہے۔ بلکہ دنیا کی تباہی کی تمام تر ذمہ داری خاص طور پر اہل دولت و اقتدار پر عائد ہوتی ہے۔ اہل مذہب سے یہ بغض و دشمنی صرف زبان سے نہیں۔ انہیں فقط حقیر ہی نہیں سمجھا گیا بلکہ اکثر معصوم انبیا علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اور خدا والوں کے قتل اس لئے کئے گئے کہ وہ آسمانی اور احکام الٰہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے"

پھر صفحہ ۲۰ پمفلٹ ہذا پر یہ ناگوار لکھتے ہیں۔

"بنی امیہ کے حکمرانوں کے جزوی حالات، طاؤس و رباب کو نظر انداز کر دیجئے بطور نمونہ ایک ہی حکمران کے اندر غرور و تکبر کو غور سے دیکھئے۔ جو کہ ولید ابن یزید ابن عبدالملک ہے۔ اس متکبر حکمران نے ایک مرتبہ قرآن مجید کو کھولا۔ اس کی نظر قرآن مجید کی اس آیت پر پڑی (خاب کل جبار عنید) غصہ میں آکر قرآن مجید کے مقدس اوراق کو پھاڑ کر پھینک دیا اور اس سے مخاطب ہو کر بڑے غرور سے کہنے لگا۔ تم کون ہو کہ مجھے جبار عنید کہتے ہو" وغیرہ وغیرہ۔

آگے جاکر اسی سلسلہ میں صفحہ ۷۲ تعلیقات مذکورہ کی سطر اول پر آپ تحریر کرتے ہیں۔

"جاہ و دولت اور حکومت تیر ابلا ہو، مسلمان ہو کر بھی خدا سے لڑنے کا جنون دل میں پیدا کرتی ہے۔"

قرآن مجید کی اس سخت بے حرمتی کے بعد "ظالم زبان دیر زندہ نہ رہا"۔

اسی صفحہ ۷۲ پر حجاج ابن یوسف ثقفی، چنگیز خان، ہلاکو خان وغیرہ کے ظلم و ستم کے اذکار کو دہرا کر آپ لکھتے ہیں کہ

"آپ بتائیں کہ یہ کس طبقہ کے آدمی تھے۔ آیا یہ بھی ملا تھے یا طالب جاہ و دولت ؟

پھر انگریز اور جرمنی کے جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے مظالم کو دہرا کر آپ لکھتے ہیں کہ۔

"یہ حکمران لوگ دولت مندوں میں سے نہیں تو اور کون تھے۔

اسی طرح سے پھر دوسری جنگ عظیم میں مظالم ہوئے ان کی تفصیلات لکھ کر پھر پوچھتے ہیں

"یہ سب مظالم طاقت والے طبقہ نے روا رکھے تھے۔ یہ طاقت والے کہیں تھے

کیا یہ ملا تھے ؟

اسی طرح سے دوسری جنگ عظیم کے انسانی اور مالی نقصانات پر برطانیہ اور امریکہ وغیرہ کے اعداد شمار دیکھ کر آپ پوچھتے ہیں کہ۔

"انصاف سے بتائیں کہ یہ کون تھے اور کس جماعت میں شمار ہوتے ہیں ؟"

اس کے بعد آپ ٹیپو سلطان کے اور انگریزوں کے مظالم گنا گنا کر پوچھتے ہیں۔

"اس بہادر سلطان سے ساز باز کرنے والے کون تھے ؟"

"اس سے بھی نزدیک آجایئے دیکھئے کہ اس بدنصیب بلوچستان میں انگریزوں کو کن کن لوگوں کے اختلافات لائے اور کونسا طبقہ آج تک انگریزوں کے بخشے ہوئے تمغے اور خطابات پر نازاں ہے ؟"

اے الہ العالمین افسوس صد افسوس ہے کہ آج ہم اپنے دوست علمائے کرام کے ایک پمفلٹ کی لایعنی بحث پیدا کرنے کے لئے مجبور کئے جا رہے ہیں۔ علمائے کرام پر من حیث الجماعت تو ہمیں کسی طرح کا اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ ہم ہمیشہ اگر اعتراض کرتے ہیں یا اصلاح کی کوشش کرتے ہیں تو علمائے سو پر کرتے ہیں۔ لیکن اس دفعہ اس وکیل صاحب نے علمائے کرام کو ٹریکٹ کا یہ غلط سامنے لا کر ہماری پوزیشن کو نہایت ڈانواں ڈول بنا ڈالا ہے۔ بالکل وہی صورت بن گئی ہے کہ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" ہذا ہم ان علمائے کرام کے اس پمفلٹ زیر بحث کو پڑھ چکے ہیں "دولت" اور "حکومت" کے خلاف اپنا سارا زور قلم خرچ کر رہے ہیں۔ اور "فالعادون" اور "فراعون" کو چند ایک ظالم بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام سے ان کے مظالم گنا گنا کر مطلق "دولت" "مالداری" اور حکومت کے خلاف مسلمانوں کو کھڑا کیا جا رہا ہے۔ اور پھر سارے علماء اور ملاؤں کی جماعت کی من حیث الجماعت تعریف اور توصیف کے پل باندھے گئے ہیں۔

افسوس کہ علماء سوء کر مالداروں اور حکمرانوں کی جماعت کو من حیث الجماعت برا کہنا اور اس کے برعکس سارے علما کو اچھا کہنا کس طرح جائز ہو سکتا ہے حکام کے اندر بھلے اور برے، نیک اور بد ہر قسم کے لوگ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے نہ سارے حکام کو برا کہنا جائز ہے نہ سارے علما کو اچھا کہنا!

حجاج بن یوسف ثقفی یا ولید ابن یزید کی مثال کو لیکر ساری دنیا کے حکمرانوں کو برا ٹھیرانا کھلا تعصب اور عریاں ذاتیات، بغض اور تعصب کا نمونہ ہے۔ حکام اور بادشاہوں کی فضیلت میں کئی صحیح احادیث وارد ہیں واللہ اعلم کیوں ان بزرگوں کی نظر سے نہیں گذریں۔ یا ارادۃً ان سے آنکھیں بیچ لی گئیں ہیں۔ حکام اور بادشاہوں کے زمرے میں تو خود آنحضرتؐ خلفائے راشدینؓ۔ عمر بن عبدالعزیزؒ اور دوسرے کئی اللہ کے نیک بندے بھی شامل ہیں۔ حکومت کو مطلقاً برا کہنے سے تو مندرجہ بالا حضرات کی بھی ہتک کا پہلو نکلتا ہے

اسی طرح سے علما کے اندر علمائے ربانی اور علمائے سوء دونوں طبقے پائے جاتے ہیں۔ اس لئے ساری جماعت اہل علم کی نہ سولہ آنے اچھی ہے اور نہ سولہ آنے خراب لہذا تمام علما کو من حیث الجماعت نہ ہم اچھا کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ برا۔ ان میں اچھے بھی ہیں برے بھی۔ برے علما کے متعلق تو ہم نے "علما سوء" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں ان کے سارے فسادات کا حال کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ چند علما نے واللہ اعلم اس کو کیوں برا محسوس کیا؟ حالانکہ کھوٹے سونے کو کھرے سونے میں سے نکال لیا جائے تو یہ اس کھرے سونے کی قیمت اور قدر کو بڑھاتا ہے۔ اس کی عزت افزائی کرتا ہے نہ کہ اس کی تحقیر (خیر اس کو دہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہم اس پر کافی لکھ چکے ہیں)

مال و دولت کوئی بری چیز نہیں

پمفلٹ مذکورہ کے صفحہ 24 سطر اول پر مجلس العلماء کوئٹہ کے یہ بزرگوار لکھتے ہیں

"واہ دولت اور حکومت تیرا بھلا ہو"

اے اللہ العالمین ان بزرگوں کو باوجود دعائے فہم قرآنی کے یہ کیا سوجھی ہے کہ وہ دولت اور حکومت دونوں کو بدعائیں کر رہے ہیں۔ شاباش صد شاباش!

اے خداوند عالم! ہم تو باوجود قرآن فہمی اور نادانی کے یہی سمجھے ہوئے ہیں اور ہمارا یہ یقین کلی ہے کہ دولت اور حکومت کے بغیر نہ دین کا کوئی کام چل سکتا ہے اور نہ دنیا کا۔ اسلام کے اندر کئی خوبیاں ہیں لیکن واللہ باللہ مجھے ان سب سے بڑھ کر جو خوبی دکھائی دے رہی ہے وہ یہی ہے کہ اسلام نے رہبانیت کے غیر فطری رواج کو ختم کر کے یہ صاف صاف الفاظ کے اندر اعلان کر دیا کہ جیسا قرآن میں آیا ہے (قرآن) رھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبناھا علیھم فما رعوھا حق رعایتھا فاتینا الذین آمنو منھم اجرھم وکثیرا منھم فاسقون (الحدید ۲۷/۲) "یعنی قرآن رہبانیت جسے انہوں نے خود تراش لیا ہے، انہیں فرض کیا ہم نے اس کو ان پر پھر نگرانی نہ کی انہوں نے رہبانیت کے اصولوں کی جیسی نگرانی انہیں کرنی چاہیئے تھی۔ پھر دیدی ہم نے ان کے ایمان والوں کو ان کی مزدوری۔ اور بہتیرے ان کے فساق ہیں"

نزول قرآن سے پیشتر دین اور دنیا دو علیحدہ چیزیں متصور ہوتی تھیں۔ ایک دیندار آدمی دنیا دار نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح ایک دنیا دار آدمی دیندار نہیں ہو

سکتا تھا۔ ایک اچھا دیندار آدمی نہ تو شادی کرتا نہ اولاد پیدا کرتا۔ نہ گھر بناتا، نہ کسب معاش کرتا۔ حکومت اور بادشاہی تو ایک بڑا جرم اور ایک بہت بڑا عظیم گناہ اور پاپ کا کام سمجھے جاتے تھے۔ ایک اچھا دیندار وہ کہا جاتا تھا جو لوگوں سے کنارہ کرے۔ پہاڑوں کے غاروں میں، جنگلوں اور صحراؤں میں، انسانوں سے دور بھاگ کر خدا کی یاد کرتا رہے۔

کلیسائی نظام کے مانک اور نن (مجرد مرد اور مجرد لڑکیاں) کلیسا میں ان کے ماں باپ بچپن میں ان کو لاکر چھوڑ جاتے تھے تاکہ وہ اچھے مرد اور اچھی عورتیں بنیں لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کلیسائی نظام کی اس خلاف فطری زندگی سے کیسی کیسی برائیاں پھوٹ نکلیں حتیٰ کہ اگر یہ کہا جائے کہ کلیسائی مذہب کی یورپ میں ضعف اور شکست کا بڑا سبب یہی غیر فطری نظام ثابت ہوا تو یہ بھی بالکل صحیح ہوگا۔

ہندوستان کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھو تو وہاں بھی جوگیوں، یوگیوں، بھکشوں، مونکوں، وام مارگیوں، اگھوریوں کے نامعقول قصے کہانیاں ملیں گی۔

علما کیا فرماتے ہیں؟

اے پروردگار عالم! آج کیوں تیرے اسلام کے یہ علمائے کرام اور یہ قرآن دانی اور قرآن فہمی کے مدعی لوگوں کو دولت اور حکومت دونوں سے نفرت دلانے اور حقارت پیدا کرنے کے لئے اپنا سارا زور بازو خرچ کر رہے ہیں۔

اگر دولت اور حکومت کوئی ایسی بری چیزیں ہیں جیسا کہ یہ علمائے کرام (مجلس العلماء کوئٹہ) لکھتے ہیں تو اس کی بالفاظ دیگر یہی معنی ہوں گے کہ محکومی اور مفلسی دونوں اچھی چیزیں ہیں۔

اے خداوند عالم۔ کیا تیرا قرآن ہمیں یہ تعلیم نہیں دے رہا ہے کہ غلبہ اور حکومت

مال اور دولت خدا کے انعامات ہیں۔ جو کہ وہ اپنے اچھے بندوں کو عنایت فرماتے ہیں۔

حکومت اور دولت

قرآن میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم ٹھیک اور صالح بندے بن جاؤ تو یہ نہیں ہوگا کہ فقط دوسری دنیا میں تمہیں بہشت اور جنت کی خوشیاں نصیب ہوں گی اور ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ تم اپنی صلاحیت اور عبودیت کے بعد بھی غیروں کی جوتیاں سیدھی کرتے پھروگے۔ اور مقروض اور مفلس قسم کی غلامانہ زندگی گذارتے رہوگے اور فقط "وعدۂ حور" کے آسرے پہ زہد و تقویٰ کی زندگی گذارنے پہ مجبور ہوگے نہیں نہیں اے میرے بندو (اللہ کہتا ہے) میرا تم سے وعدہ ہے کہ (قرآن) ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (یعنی اس سرزمین کے وارث میرے صالح بندے ہی ہوں گے)

مسلمان ہر نماز کے اندر خدا سے التجا کرتا ہے کہ اے اللہ مجھے صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ بتا دے۔ وہ سیدھا راستہ کونسا ہے؟ خدا خود اس کی تفسیر فرماتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ وہ صراط مستقیم کا کونسا راستہ ہے؟

"صراط الذین انعمت علیھم" یعنی صراط مستقیم وہ ہے کہ جس پر انعام یافتہ طبقہ چلتا رہا ہے۔

جائے غور اور انصاف ہے کہ وہ مسلمان جس کا نصب العین حیات اتنا بلند ہو۔ وہ حکومت، غلبے اور دولت سے محروم رہنا کس طرح پسند کرے گا۔

ایک مفلس اور نادار جس کے دروازے پہ ہمیشہ اور روز قرض خواہوں کا جمگھٹ رہتا ہو یا ایک محکوم غلام جو ماسوائے خدا کے کئی امیروں اور سرداروں کے

دلفریبیاں اور دن سرٹیک رہا ہو وہ کس طرح انعمت علیہم" کے بلند نصب العین کا داعی ہو سکتا ہے ؟

حکومت اور دولت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے والے مجلس العلما کے بزرگوں سے میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا واقعی ازروئے قرآن اور اسلام حکومت اور غلبہ مال اور دولت ایسی بری چیزیں ہیں جیسا کہ آپ نے اس پر طعن اور حقارت سے نظر ڈالی ہے ؟

کیا اسلامی لٹریچر کے مطالعہ سے ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ جونہی قرآن آیا تو مسلمانوں کے اندھوں میں، غلاموں میں اور کمزور طبقہ کے لوگوں میں ایک نیا تحرک اور ایک نئی زندگی عود کر آئی۔ وہ بتائیں کہ کیا یہ غلط ہے کہ جونہی قرآن آیا۔ ان میں بادشاہت آگئی۔ ان میں دولت آگئی، ان میں حکومت اور غلبہ آگیا۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ ادھر قرآن آیا اور ادھر مسلمانوں نے صرف ۴۰ — ۵۰ برس کے اندر نصف کرۂ ارضی پر عزت اور اقبال کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اور کیقباد کے تخت کو اور کسریٰ کے تاج کو اپنی جوتیوں کے تلے روندنا شروع کر دیا۔

کیا ایسی روایات اور احکامات کے مالک قوم کے علما کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ حکومت اور دولت کو برا کہکر رسول اللہ صلعم کی امت کے دلوں میں غلبہ کی بجائے محکومی اور غلامی کا بیج بونا شروع کریں۔

کیا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان مولوی صاحبان سے دریافت کریں " اے مولوی صاحب آپ تو ہمیں دولت اور حکومت سے نفرت دلا رہے ہیں لیکن اس کے برعکس قرآن کا تو دعویٰ ہے کہ دین اسلام کا مقصد یہ ہے کہ " اس دین کو تمام دنیا کے دینوں پر غالب کر دے خواہ کافروں کو برا ہی کیوں نہ لگے " (قرآن) کیا دوسرے دینوں پر غلبہ فقط مصلیٰ۔ تسبیح اور استنجا کے ڈھیلوں سے حاصل ہوگا جبکہ دوسری دنیا کے

لوگ لڑائی میں مسلح افواج، فولادی ٹینک، ہوائی جہاز، ایٹم بم وغیرہ کی بے انتہا بری اور بحری قوت کے ساتھ لیس ہوں

وہ مسلمان کہ جنہوں نے اپنے ارتقائی دور میں ممالک اور اطراف کی طرف جب کوچ کیا تو ملکوں اور حکومتوں کو فتح کرتے ہوئے اور قبضہ جماتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ مسلمانوں نے صرف نصف صدی کے اندر یورپ میں ہسپانیہ اور فرانس کی حد فاصل سے لیکر دیوار چین تک تسلط اور حکومت کی بنیادیں ڈالیں۔ قیصروں اور کسراؤں کے تخت اوندھے کر دیے۔ ایران کے خزانے مدینہ کے لوگوں میں تقسیم ہوئے اور مدینہ کی گلیوں میں بانٹے گئے۔ مفلس مالدار ہو گئے۔ محکوم حاکم بن گئے "شیر شتر خوردن وسوسمار" یعنی اونٹوں کے گوشت پر اور مردار گوہوں پر جن عربوں کا گذر اوقات تھا وہ اسلام اور قرآن کی برکت سے مالامال ہو گئے۔

اے خداوند عالم! آج اس امت محمدی کے عام نہیں بلکہ خواص، جاہل نہیں بلکہ عالم اور قرآن فہمی کے مدعی حکومت اور دولت پر طعن کرتے ہیں۔ اور اس طرح سے مسلمانوں کے اندر دولت اور حکومت سے نفرت اور حقارت پیدا کر کے ان میں مفلسی، گداگری، محکومی اور غلامی کا مذموم بیج بو رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے منیت المصلی۔ اور فقہ کے اندر سلم اور اجارہوں کے ابواب پڑھنے پڑھانے میں زندگیاں گزار دی ہیں۔ ان کی نظر میں ابو عبیدہؓ بن جراح، خالدؓ اور عمرؓ وغیرہ کی سیرتوں اور فتوحات پر نہیں پڑیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی زندگیاں ہماری رہنمائی کے لئے سنگ میل کا کام دیتی ہیں۔

مسلمانوں کی بے زری اور مفلسی

ہمارے مشائخ نے کہہ تو دیا کہ دولت اور حکومت دونوں بری چیزیں ہیں لیکن اگر مفلسی کے برے نتائج پر تھوڑی دیر کے لیے بھی غور کیا ہوتا تو انہیں مفلسی کے برے نتائج بخوبی معلوم ہو جاتے۔

دولت کے بغیر وہ ذرا غور تو کریں کہ دنیا کا کونسا کام اچھی طرح سرانجام پا سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ تو آگ اور لوہے کا، بھاپ اور بجلی کا، سونے چاندی اور نوٹوں کا۔ ہوائی اور بحری جہازوں کا، توپ تفنگ اور ایٹم بموں کا زمانہ ہے۔ ان میں سے کونسی چیز بغیر دولت کے حاصل ہو سکتی ہے۔

ہمارے بزرگوں کو کیوں مسلمانوں کی پستی اور زبوں حالی کا احساس نہیں رہا آج یقیناً مسلمان پست ہمت بن گیا ہے۔ اس میں اولوالعزمی اور عالی حوصلگی باقی نہیں رہی۔ سینکڑوں برس کی انگریز غلامی کے باعث اس میں وہ بہادری اور جرأت، وہ بلند خیالی اور جوش جہاد اور خودداری کے جوہر باقی نہیں رہے بلکہ بجائے ان اوصاف حمیدہ کے اب اس میں غلامی، پستی اور محکومی کے اوصاف رذیلہ پیدا ہو گئے ہیں۔ مسلمان آج اتنا گر گیا ہے کہ وہ حکومت اور دولت کا خود کو اہل اور مستحق ہی تصور نہیں کرتا۔ اس لئے یا تو قلی بننے کا مستحق ہے یا جاروب کشی کا۔

دولت اور روپیہ برا نہیں

موجودہ زمانہ میں دولت اور روپیہ پیسہ بالکل ضروری چیز بن گیا ہے۔ آسودہ حالی اور دولت کے بغیر کوئی آدمی کمال دین کو بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اپنی عزت اور غیرت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اگر سارے مسلمان آج قلاش ہو جائیں تو علم اور علما بھی

نہ رہیں، نہ حج رہے، نہ زکواۃ۔ نہ خیرات، نہ قربانی نہ جہاد، مدرسوں، یتیم خانوں کی نگہداشت۔ اہل وعیال کی پرورش اور تعلیم۔ اسی طرح سے کئی دوسرے کار ہائے خیر بند ہو جائیں۔ آسودہ حالی کے بغیر خود جسمانی اور دماغی تکمیل بھی مشکل ہے۔ فی زمانہ افلاس اور بھوک کے سبب سے پوری پوری غذا نہ ملنے کے باعث مسلمانوں کے جسم کمزور ہو گئے ہیں۔ چند ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں جو سطح زمین پر پھرتے نظر آتے ہیں۔ ایسی مفلس قوم کی زندگی اور موت یکساں ہے۔ ایسے کمزور انسان کی اولاد بھی یقیناً کمزور اور بیمار ہوگی۔ ایسی آئیوالی کمزور نسلوں سے ترقی کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ ایسی قوم کے بے کار بچوں کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؏

مردہ زایند از بطون امہات

دولت اور آسودہ حالی کے بغیر قوموں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ جھوٹی شہادتیں۔ جھوٹی قسمیں۔ زنا۔ بدکاری۔ خوشامد۔ ظالموں کی فوجوں میں بھرتی ہونا یہ سب اس کے لوازمات ہیں۔

دولت کو برا کہنے والے حضرات کو سوچنا چاہیئے کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی سے ہمارے مدارس پہلے ہی جاں بلب ہیں۔ ہمارے یتیم خانے ویران انجمنیں بمقابلہ دوسری اقوام کے بے رونق۔ باوجود اسلامی حکومت قائم ہو جانے کے ہمارے حاجیوں کو لے جانے والی جہازوں کی کمپنیاں آج تک غیر مسلم ہیں۔

افسوس صد افسوس قرآن فہمی کے مدعی علما نے دولت اور حکومت کو برا کہتے وقت حضور سرور عالم صلعم کی اس دعا پر بھی غور نہ کیا۔ دنیاوی احتیاج سے ڈر کر حضورؐ نے فرمایا کہ اللھم انی اعوذ بک من ضیق الدنیا وضیق یوا القیامۃ۔ یعنی اے خداوندا میں دنیا کی محتاجی اور افلاس سے اور

قیامت کی تنگی سے پناہ چاہتا ہوں۔ کیا یہ صحیح نہیں کہ جب بنی اسرائیل پر خدا کا غضب نازل ہوا تو وہ بھی اسی عذاب میں مبتلا کئے گئے۔ (قرآن) وضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ وباؤ بغضب من اللہ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل پر من حیث القوم ذلت اور افلاس مسلط کر دیا گیا اور وہ خدا کے غضب میں آ گئے۔

قرآن ہمیں بتا رہا ہے کہ من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا یعنی جو شخص خدا کی تعلیمات اور احکام سے منہ موڑتا ہے تو اس پر مفلسی ہی چھا جاتی ہے۔

دولت اور حکومت

ہاں ایک زمانہ مسلمانوں پر ایسا گزرا ہے جبکہ ان کی حکومت اور دولت کی کوئی حد نہیں تھی اور مسلمانوں کی ساری توجہ فوجوں کی بھرتی۔ ساز و سامان اور اسلحہ کی طرف بٹ گئی تھی۔ سونے اور چاندی کے گاؤ تکیے بن گئے تھے۔ گھوڑوں کی گردنیں سونے کے زیورات سے جھک گئی تھیں۔ تو ایسے عروج اور اقبال کے زمانہ میں یقیناً فقرائے اسلام اور ہادیان دین متین نے مسلمانوں کو ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ انہیں خواب غفلت سے بیدار کرنے اور جھنجھوڑ دینے کی کوشش کی کیونکہ ان کی ساری توجہ دین اور جہاد سے ہٹ کر بادشاہی اور دولت سمیٹنے کی طرف لگ گئی تھی۔

علمائے دین بمنزلہ حکما اور اطبا کے ہیں۔ ایک طبیب اگر ۱۲ سو سال قبل کا ایک نسخہ اٹھا کر ایسے ہر بیمار کو دینا شروع کر دے کہ بیمار دق کے لئے بھی وہی نسخہ برص اور کوڑھ کے لئے بھی وہی نسخہ۔ بواسیر کے لئے بھی وہی نسخہ۔ ضعف قوت کے لئے بھی وہی نسخہ۔ قوت باہ و امساک وغیرہ ہر بیماری پر اگر وہی ایک نسخہ

چلایا جائے گا تو اس کا نتیجہ لوگوں کی تباہی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں نسخہ کا یا مجوز نسخہ کا کیا قصور ہے۔ خود طبیب کا قصور ہے۔ اس کا کام تھا کہ مرض کی تشخیص کرتا اور مریض کے حسب حال نسخہ تجویز کرتا۔ اسی مثال کے مطابق علمائے دین کا کام تھا کہ جب انہوں نے توکل اور قناعت کا لوگوں کو سبق دیا تھا اس وقت لوگوں کی حالت اور تھی۔ آج جبکہ لوگ پہلے ہی سے مفلسی، بیکاری اور ذلت کے اندر گرفتار ہیں، انہیں کسب معاش کا دولت اور محنت مزدوری کا سبق دیتے اور غریبوں کو ابھارنے کے بجائے ہمارے علما انہیں بیکار بنانے اور غریبوں کو زیادہ غریب اور زیادہ نادار بنانے کا سبق دے رہے ہیں واللہ اعلم یہ کہاں کا فلسفہ ہے۔

دین و دنیا کا تعلق

دین اور دنیا کا باہم چولی دامن کا تعلق ہے۔ اللہ کی سب سے بڑی بندہ نوازی یہ ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو دین اور دنیا دونوں جہاں کی نعمتیں عنایت کرے۔ (قرآن)

للذین احسنو فی ھذہ الدنیا حسنۃ ولاجر الآخرۃ خیر و منعم دار المتقین ۔

یعنی نیک اور شریفانہ کام کرنے والوں کو دنیا میں بھی عیش عطا ہوگا اور آخرت میں یہاں سے بھی زیادہ نعمتیں ملیں گی۔

دنیا کی سب سے بڑی نعمت حکومت و سلطنت ہے۔ چنانچہ نیکوکار لوگوں کو کئی جگہ قرآن میں خدا نے بشارت دی ہے۔ (قرآن)

الذین مکنا ھم فی الارض واٰتوا الزکوٰۃ وامر بالمعروف

وینھو عن المنکر۔

یعنی جب ہم انہیں اقتدار اور حکومت عطا کریں گے تو یہ نمازیں پڑھیں گے زکوٰۃ دیں گے۔ نیکی کی تلقین کریں گے۔ برائی سے روکیں گے۔

ہمارے بزرگان دین جو صرف دعا خود و قصور مسلمان کے لئے سمجھے بیٹھے ہیں ان کا خیال ہے کہ مسلمان اس دنیا میں افلاس اور محکومی و غلامی کے لئے پیدا ہوا ہے۔ وہ ذرا ان آیات پر نظر کریں۔ ہم ہندوستانی مسلمان چونکہ صدیوں سے محکومی اور پستی کے اندر رہ رہے تھے اس لئے اس قسم کی توجیہات پیش کرتے ہیں۔ اور حکومت اور آسودگی پر طعن کرتے ہیں۔ ؏

بریں عقل و دانش بباید گریست

مسکنت

قرآن میں مسکینت افلاس اور محکومی کو خدا نے اپنا غضب ظاہر کیا ہے تو ہم مسلمانوں کو کیوں افلاس کی دعوت دیں اور انہیں مطمئن بنا دیں کہ مسلمان تو فارغ البالی عزت اور حکومت کے لئے پیدا ہی نہیں کیا گیا۔ اس کو تو جو کچھ ملیگا وہ نیا جنت ہی میں ملیگا۔ اس دنیا میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اس دنیا کے اندر فقط محکومی اور افلاس اس کے حصے میں آئے ہیں۔ لہذا انہیں اسی پر قناعت کر کے آرام سے رہنا چاہیئے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے جنہیں علمائے سو کے فتادے کے باعث کامل ۳۳ برس جیل خانہ میں رہنا پڑا تھا۔ آپ کا قول مشہور ہے کہ جس کو اس دنیا میں جنت نصیب نہ ہوئی تو اس کو قیامت میں بھی ہرگز جنت نہیں ملیگی۔ کیونکہ جنت کا سارا ساز و سامان اسی دنیا سے شروع ہوتا ہے اور انسان اپنے ساتھ سب کچھ یہیں سے ہمراہ لے جاتا ہے۔

اسلام سراسر عمل ہے

دولت اور حکومت بری چیزیں، ملعون اور معتوب ہیں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے اعمال اور افعال سے ہی دیکھتے ہیں کیونکہ ان کے افعال ہمارے افعال کا قبلہ اور کعبہ ہیں۔ ہمیں ان کو سامنے رکھکر چلنا ہے بقول مثنوی

ع قبلۂ افعال ما افعال شان

اسلامی لٹریچر کے آئینہ میں نظر کرنے سے ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے فرائض سے پہلے خود حضور صلعم تجارت کرتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام لوہاری کرتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجود منصب نبوت کے بادشاہ بھی تھے سونا آپ کے ہاں اتنا بکثرت تھا کہ آپ کے پاخانہ کے پائدان سونے کے بنے ہوئے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت یوسفؑ منصب وزارت پر فائز تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زمیندار تھے۔

اس کے بعد جب ہم اپنے قرون اولیٰ کے بزرگوں کی طرف نظر پھیرلاتے ہیں تو ہمیں صدیق اکبرؓ۔ عمرؓ۔ عثمان غنیؓ، علیؓ۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ تجارت کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ سب سے بڑے نامی اور پیشے کار رہنما دار تھے۔ حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ نے زمینداریاں کی ہیں۔ حضرت مغیرہؓ حضرت عمروؓ بن العاص، امیر معاویہؓ اور ابوہریرہؓ نے ملازمت کی ہے اور صوبوں اور ملکوں کے گورنر رہے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ بزاز تھے۔ اور لاکھوں روپیہ کے مالک اور تاجر تھے۔

ہمارے زمانہ کے علمائے کرام نے بجائے اس کے مسلمانوں میں روح عمل پھونکنے کی کوشش کرتے۔ انہیں اسوہ رسول اللہ کے نور سے منور کرتے۔ انہیں بتلاتے کہ صرف صوم و صلوٰۃ کا نام ہی عبادت نہیں ہے بلکہ آنحضرتؐ کے وہ

اقوال گرامی قوم کو پیش کرتے جن میں خلق کی مذمت کو بہترین تقویٰ بتایا گیا ہے جیسا کہ ایک صحابی کے متعلق جب آنحضرت صلعم کو یہ بتایا گیا کہ وہ راتوں کو نمازوں میں اور دن کو روزے سے بسر کرتا ہے تو حضور صلعم نے دریافت فرمایا کہ پھر کھاتا کہاں سے ہے۔ بتلایا گیا کہ اس کا بھائی کماتا ہے۔ خود بھی کھاتا ہے اور اس کو بھی کھلاتا ہے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اس کا بھائی اس سے بہتر ہے

آنحضرت صلعم کا یہ ارشاد گرامی کس قدر قیمتی اور کس قدر پیارا ہے کہ آپ نے فرمایا "عبادت کے ستر اجزا ہیں ان میں افضل ترین جزو کسب معاش ہے۔"

دین و دنیا کی باہمی آمیزش

اسی طرح سے دین اور دنیا کو حضور نبی کریمؐ نے نہایت خوبی اور دلربائی کے ساتھ ایک ہی جسم کے دو بازو قرار دے کر ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کا جزو لاینجزی بنا دیا۔ لیکن آج ہماری یہ حالت ہو گئی ہے کہ اگر کسی کے سامنے یہ کہہ دیا جائے کہ مال جمع کرنا بھی عبادت ہے تو وہ اپنی جہالت کے سبب اس پر کفر کا فتویٰ ٹھونک دے گا۔

دولت اور حکومت کو برا بتانے والے

ہمارے علمائے کرام کیوں غور نہیں فرماتے ہیں؟ کہ اگر دنیاداری اور حکومت کوئی بری چیز ہوتی تو حضور اقدسؐ کے فیض یافتہ قرن اول کے مسلمان نہ حاکم ہوتے نہ مالدار۔ محض گدڑی پوش ہو کر ملنگوں اور جوگیوں کی طرح سے بھیک مانگ کر گذر اوقات کرتے رہتے۔ نہ وہ حکمران بنتے اور نہ جہانبانی کرتے۔ اسلام کی یہی تو خوبی ہے اور سارے دوسرے مذاہب پر یہی طرۂ امتیاز ہے

کہ اسلام نے عبادت اور خدا پرستی کا ڈھنگ بالکل بدل ڈالا ہے۔ مسلمان کا زمینداری کرنا، تجارت کرنا، خدا کے احکام کی پیروی اور سچا آدمی کے ساتھ ساتھ مالدار بننا یہ سب عبادت اور خدا پرستی میں شمار ہوتے ہیں۔

یورپ کے مسلمان سیاحوں کی زبانی معلوم ہوا کہ یورپ کے عیسائی جب اسلام کی اس خصوصیت اور اس خوبی کا حال سنتے ہیں تو اسلام کے عاشق اور دلدادہ بن جاتے ہیں۔

قرن اولیٰ کے مسلمانوں کی مالداریاں

حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم کی تیسری جلد مذمت بخل میں لکھتے ہیں۔ محمد بن منکدر ام درہ سے کہ جو حضرت عائشہؓ کی خادمہ تھیں روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن زبیرؓ نے ایک لاکھ اسی ہزار درہم دو گونیوں میں بھر کر حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجے۔ یہ صحابہ کرامؓ کی زندگی اور ان کی مالداری کی حالت تھی۔

اسی باب میں لکھا ہے کہ جب امیر معاویہ حج کر کے مدینہ پہنچا۔ اس نے حضرت امام حسنؓ کو اسی ہزار درہم جو کہ ایک اونٹ پر لدے ہوئے تھے اور وہ اونٹ اس کے بوجھ سے بمشکل تمام چل سکتا تھا حضرت امام حسنؓ کے پاس روانہ فرمایا۔ یہ حالات خود سرور عالمؐ کے گھرانے کے ہیں۔

واقدیؒ اپنے باپ محمد واقدی کا حال بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے خلیفہ مامون کو اپنی مقروضی کی حالت کے متعلق رقعہ لکھا تو آپ نے ایک لاکھ درہم ان کو روانہ کئے لکھا ہے کہ حضرت امام حسنؓ نے ایک شخص کو پچاس ہزار یا پانچ سو درہم بخش دیے۔ حضرت ابن عباسؓ بصرہ کے عامل تھے۔ آپ کے پاس وہاں کے قاری اکٹھے ہو کر آئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک ہمسایہ ہے کہ دن کو روزہ رکھتا ہے

اور رات کو جاگتا ہے اور اس نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے کے ساتھ کر دیا ہے لیکن وہ ایسا محتاج ہے کہ اس کے پاس اتنا بھی نہیں ہے کہ جہیز دے سکے حضرت عبداللہ بن عباس کھڑے ہو گئے اور لوگوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے گھر میں تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھول کر اس میں سے چھ تھیلیاں نکالیں اور فرمایا کہ ان کو اٹھا لیجاؤ۔ جن کے گھروں میں سونے کی تھیلیوں سے صندوق بھرے پڑے تھے ان کو مالدار کہا جائے گا یا مفلس؟

روایت ہے کہ جب مصر میں خشک سالی ہوئی تو اس وقت عبدالحمید بن سعدؒ کا عہد تھا۔ انہوں نے کہا کہ بخدا میں شیطان کو بتا دوں گا کہ میں اس کا دشمن ہوں۔ پس آپ ارزانی کے وقت تک سب لوگوں کی حاجات پوری کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب حکومت سے علیحدہ ہو کر تشریف لے گئے تو وہاں کے سوداگروں کا قرض ان کے ذمہ ایک لاکھ درہم نکلے۔ آپ نے اپنی بی بیوں کا زیور گرو کر دیا۔ جو کہ پچاس کروڑ درہم کا تھا۔ یہ ہیں قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے حالات مالداری۔

معن بن زائدہ جبکہ عراق پر عامل ہو کر بصرہ میں مقیم تھے۔ ایک شاعر نے ایک شعر لکھکر آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ تو آپ نے شعر پڑھا اور شاعر کو بلا کر دس ہزار درہم اس کو دیئے۔ دوسرے روز اس لکھے ہوئے شعر کو پھر پڑھا اور پڑھکر شاعر کو ایک لاکھ درہم دیئے۔ ایک شعر پر لاکھوں درہموں کا انعام! کیا یہ دولت مندی کی علامات ہیں یا ناداری کی؟

امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔ "ابوالحسن مدائنی سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ اور عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لئے روانہ ہوئے تو راہ میں باربرداری سے بچھڑ گئے۔ بھوک اور پیاس نے غلبہ کیا۔ اثنائے راہ میں ایک بڑھیا اپنی جھونپڑی میں بیٹھی ہوئی تھی۔ تینوں صاحبزادوں کا جو گذر اس پر ہوا۔

انہوں نے بڑھیا سے پوچھا کہ کچھ پانی ہے۔ جواب دیا کہ ہے۔ یہ سنکر وہ سواریوں سے اتر پڑے۔ بڑھیا کی ایک چھوٹی سی بکری الگ کو بندھی تھی۔ بڑھیا نے کہا کہ اس کا دودھ نکال کر پی لو۔ جب دودھ نکال کر پی لیا تو پوچھا کہ کچھ کھانے کو بھی تیرے پاس ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ سوائے اس ایک بکری کے میرے پاس اور کچھ بھی نہیں۔ اگر تم میں سے کوئی اس کو صاف کر کے ذبح کر دیوے تو میں پکا دونگی۔ صاحبزادوں میں سے ایک نے اس کی تعمیل کی۔ بڑھیا نے کھانا تیار کر دیا۔ وے کھا پی کر سیر ہوئے اور سہ پہر کے وقت تک ٹھیرے رہے اور جب چلنے لگے تو بڑھیا سے کہا کہ ہم لوگ قریشی ہیں اب حج کو جاتے ہیں اگر سلامت واپس ہوئے تو تم ہمارے پاس آنا تو ہم تجھ سے سلوک کریں گے۔ یہ کہکر تشریف لے گئے جب اس عورت کا خاوند گھر آیا تو عورت نے سارا تذکرہ کہہ سنایا۔ وہ یہ سنکر سخت غصے ہوا کہ میری بکری کیا جانے تم نے کس کو کھلا دی ہے۔ مدت کے بعد جب ان دونوں مرد اور عورت کو مدینہ منورہ میں آنے کی ضرورت ہوئی۔ وہاں پہنچکر اونٹ کی مینگنیاں جمع کرتے۔ اور ان کو بیچکر اپنی گذران کرتے رہے۔ اتفاقاً ایک دن بڑھیا اس طرف کو جا نکلی جہاں حضرت امام حسنؓ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے بڑھیا کو پہچان لیا اور بڑھیا نہ پہچان سکی۔ آپ نے اپنے خادم کو بھیجکر اس کو بلوایا۔ پوچھا مجھے پہچانتی ہو؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے اپنا سارا گذشتہ قصہ بڑھیا کو سنایا۔ بڑھیا خوش ہوئی۔ پھر حضرت نے ایک ہزار بکریاں اور ہزار دینار بڑھیا کو دیے اور اپنے خادم کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السّلام کے پاس بھیجا آپ نے بڑھیا سے پوچھا کہ میرے بھائی نے تجھ کو کیا دیا ہے؟ بڑھیا نے کہا کہ ہزار بکریاں اور ہزار دینار۔ پھر آپ نے بھی اسی قدر اس کو دے دیا۔ آپ نے اپنے خادم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس روانہ کیا۔ حضرت نے بڑھیا سے

پوچھا کہ حسنین علیہما السلام نے تجھکو کیا دیا۔ بڑھیا نے کہا دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار۔ تو آپ نے بھی دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار بڑھیا کو عنایت کر دیے سبحان اللہ وہ مسلمان جن کے نبی کے پوتوں کی یہ حالت ہو۔ اس کی امت کے علما مسلمانوں کو اس کے برعکس کیا سکھلا رہے ہیں اور کہاں کو لیجا رہے ہیں؟

اسی باب کے اندر حضرت امام غزالیؒ آگے چل کر مسلمان اغنیا کا حال لکھتے ہیں روایت ہے کہ خلیفہ ہارون رشیدؒ نے حضرت امام مالک بن انسؓ کی خدمت میں پانچ سو دینار روانہ کئے۔ جب یہ خبر لیث بن سعدؒ کو پہنچی تو انہوں نے امام مالکؒ کی خدمت میں ہزار دینار روانہ کئے۔ ہارون رشید نے جب یہ سنا تو لیثؒ کو بلا کر عتاب کیا کہ تم میری رعیتؒ ہو کیا وجہ ہے کہ میں نے تو پانچسو دینار بھیجے اور تم نے ایک ہزار دینار دیے۔ یعنی مجھسے بڑھکر رقم روانہ کی۔ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین میرے یہاں ہر روز ہزار دینار کا غلہ آتا ہے۔ مجھے شرم آئی کہ ایسے شخص کو ایک روز کی آمدنی سے بھی کیا کم دوں۔

اسی لیثؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ یہ ان کا دستور تھا کہ ہر روز جب تک تین سو ساٹھ مسکینوں کو کھانا اور صدقہ نہ دید یتے تب تک کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالتے تھے۔ یہ تابعین کا زمانہ ہے۔ ان کے مال اور دولت کا حال ملاحظہ ہو۔

سعد بن عوف کہتی ہیں کہ میں ایک روز حضرت طلحہؓ کے پاس گئی آپ کو کچھ مکدر دیکھکر پوچھا کہ کیا حال ہے۔ کہا کہ میرے پاس کچھ مال جمع ہو گیا ہے۔ آپ نے اپنی قوم کو بلا کر یہ رقم بانٹ دی۔ خادم سے پوچھا گیا کہ کس قدر رقم بانٹی گئی ہے۔ اس نے کہا چار لاکھ درہم۔ یہ بزرگ بڑے پایہ کے صحابی ہیں ان کی مالداری کا یہ حال تھا۔

اپنے بزرگ علمائے دین اور ہادیان اسلام سے گذارش ہے کہ جس قدر کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ یہ صحابۂ کرام اور فیض یافتگان سرور کائنات صلعم کے اغنیا کے غنا مالداری اور دنیاداری کا ہزارواں لاکھواں حصہ بھی نہیں ہے محض مشتے نمونہ از خروارے چند بزرگوں کے حالات پیش کئے گئے ہیں۔ کیا اب بھی آپ اپنے دعوے پر قائم ہیں۔ کہ حکومت اور دولت دونوں بری چیزیں ہیں ؟ اے بزرگو اگر حکومت اور مالداری کے سارے ابواب مفصل بیان کئے جائیں تو گویا کہ سارا اسلامی لٹریچر یا دے دیگر لکھنا اور نقل کرنا پڑیگا۔

اے رب العلمین تیرے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث کیسی صاف اور فیصلہ کن ہے۔

(حدیث) الید العلیا خیر من ید السفلیٰ ــــ الفقر سواد الوجہ فی الدارین

اے رب العزت خلاصہ یہ ہے کہ توکل، تقدیر اور قسمت کے لفظوں کی آڑ لیکر مسلمانوں کو بے کاری۔ تعطل، جمود اور مفلسی کا سبق دینے والے یہ علما خیال نہیں کرتے کہ توکل۔ تقدیر۔ اور قسمت کے معنیٰ عمرؓ۔ خالدؓ اور دوسرے صحابہ کرام کو زیادہ معلوم تھیں یا کہ آج چودہ سو برس بعد کے ان لوگوں کو معلوم ہو گئی ہیں۔ توکل۔ تقدیر اور قسمت کے عقائد کو جانتے اور مانتے ہوئے خود رسول اللہ صلعم اور ان کے صحابہ کرام شب و روز سعی و محنت کرتے تھے۔ رات اور دن شمشیر بکف رہتے تھے۔ خود خدا نے فرمایا ہے لیس للانسان الّا ما سعیٰ۔ یعنی انسان کو اتنا ہی ملتا ہے جتنی کہ وہ سعی اور کوشش کرتا ہے ہمارے علما کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مسلم قوم جو پہلے ہی سے بیکاری۔ تعطل اور مفلسی کا شکار ہو چکی ہے اور آج پاکستان قائم ہو جانے کے باوجود بھی

ہماری اکثریت کے افلاس کی یہ حالت ہے کہ ہمارے شکم پری کے لئے سات سمندر پار (امریکہ) سے خیرات کا غلہ پہنچ رہا ہے ۔ امریکہ کے اس کار خیر کے لیے ہم ضرور مشکور ہیں اور پاکستان کے حکام کی عنایت کے بھی ممنون ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس بھیک کے غلہ کا ہمارے پاکستانی عوام پر کیا اثر ہوگا ۔ کیا ہماری قوم کی قوم احساس کمتری کا شکار نہیں ہوگی ۔ کیا ہمارے علما نے یہ غور نہیں کیا کہ ایسی قوم کو اگر وہ مال و دولت سے مزید نفرت اور حقارت دلائیں گے تو ان کا انجام کیا ہوگا ؟

حضور نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو کسب معاش جمع آوری دولت مال اور حکمرانی کی ایسی تعلیم دی ہے کہ اگر ہم اس پر عمل کریں ۔ تو ہمیں مفلسی ۔ گداگرائی بھیک کے ٹکڑوں پر زندگی گذارنے کی بے غرتی کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے ۔ حضرت فاروق اعظم رضی نے اپنے عہد خلافت کے اندر کاہلوں اور سست کاروں ۔ بھیک کے ٹکڑوں پر گذارہ کرنے والوں کو متنبہ کر دیا تھا کہ "کسی مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ وہ رزق کی طرف سے بے پرواہ اور بے عمل ہو کر اور یہ سمجھکر بیٹھ جائے کہ جو مقسوم میں ہے وہ ملیگا ۔ جب اللہ نے پیدا کیا ہے تو وہ روزی بھی ضرور دیگا" ۔ حضرت فاروق اعظم نے کہا "تمہیں معلوم ہے کہ سونا چاندی آسمانوں سے نہیں برسا کرتے" ۔

حضور نبی کریم صلعم کی بھی یہی تعلیم تھی کہ جس نے عرب کے گڈریوں کو جہانبانی سکھلائی اور مفلسوں کو مالدار کر دیا ۔ لیکن آج ہمیں ان تعلیمات اور روایات کے باوصف ہمارے علما واپس محکومی اور مفلسی کی طرف دھکیل رہے ہیں کیا ایسا سبق دینے اور اس پر عمل کرنے سے ہماری دنیا اور دین تباہ و برباد نہیں ہوں گے ۔

مسلمان کا دین اور دنیا

حضرت مولوی رومی نے ذیل کے اس شعر کے اندر ساری دنیا اور دین کی حکمتوں کو سمندر کی طرح سے کوزے میں بھر دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں (مثنوی)

نورِ باقی پہلوئے دنیائے دوں
شیر صافی پہلوئے جو ہائے خوں

یعنی نور دین کا تقویٰ اور روحانی ارتقا کا اس دنیائے دوں کے ساتھ ایسا چولی دامن کا تعلق ہے جیسا کہ بدن کے اندر خون اور دودھ کا باہم تعلق ہے۔ اس مثال کے اندر کئی لطیف اشارے ہیں یعنی خون پلید ہے اور دودھ پاک ہے لیکن یہ پاک دودھ ایسی پلید خون سے پیدا ہوتا ہے کہ کسی ماں کا دودھ کم ہو جائے تو خون افزا دوائیں پلاتے ہیں۔ مقوی خون افزا خوراکیں دیتے ہیں۔ کیونکہ خون کی افزائش سے دودھ کی افزائش خود بخود ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حضرت عارف رومی کا کہنا ہے کہ جس طرح خون پلید سے شیر پاک پیدا ہوتا ہے بالکل اسی طرح دنیائے پلید کی افزائش سے نور پاک یعنی دین اور روحانی ترقی کا عروج پیدا ہوتا ہے اس سے یہی نکلتا ہے کہ خون اگر خشک ہو جائے تو یقیناً دودھ بھی خشک ہو جاتا ہے پس بمصداق اس مثال کے اگر دنیا کسی کے پاس نہ رہے۔ یعنی کوئی اگر مفلس، بھوکا اور اپاہج بن جائے تو اس کا یقیناً دین بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ احادیث سے بھی یہی کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ لہٰذا ایسے مذہب اور ایسی کلچر کے مالک علما کہلاتے والے اور ہادیان دین بننے کے مدعی حضرات کو ہرگز ایسا کہنا زیب نہیں دیتا کہ وہ اٹھکر لوگوں کو کہیں کہ حکومت اور دولت مسلمانوں کے حق میں بہت بری چیزیں ہیں، کیا ایسی تعلیم دیکر ہمارے یہ علما ہمیں گونڈوں اور بھیلوں کی قوموں کی طرح ہمیشہ کے

سے افلاس، ذلت اور محکومی کے قعر ہائے مذلت میں دھکیل دینا چاہتے ہیں یا کیا ؟

مسلمان کی زندگی ناپنے کے پیمانے

ایک اچھے مومن یا مسلمان کی زندگی کے تصور کو ماپنے کے لئے صحابہ کرام کی زندگیوں کے پیمانے ہمیں پورا کام دے سکتے ہیں۔ مسلمان خواہ قرون اولیٰ کا مسلمان ہے خواہ اس دور جاہلیت کا۔ ان سب کا معیار زندگی اور ان کا نصب العین حیات ایک ہے۔ ان کی کتاب ایک ہے۔ ان کے لئے احکام ایک سے ہیں جس طرح صدیق اکبرؓ عمرؓ وغیرہ اور دوسرے تمام صحابہ کرام کی زندگیوں کی کچی دھاتیں نبی کریمؐ کی صحبت اور عمل کی گرم بھٹیوں میں پگھل پگھل کر قرآن کے سانچوں میں ڈھل ڈھل کر تیار ہو رہی تھیں۔ ان کا عملی نمونہ اور تصویر آج تک محفوظ ہے۔ اور انشاء اللہ تا قیامت محفوظ رہے گی۔ لہٰذا ہمیں محض باتیں بنانے اور نئے تصورات گھڑنے اور اپنے اپنے تمام خیالات کی بنیادوں پر فرضی محلوں کی بلند بانگ تصوراتی عمارتیں کھڑی کرنے کی ضرورت نہیں۔

ہمارا نبیؐ حیات النبی ہے۔ اس کی زندگی کے معمولی سے معمولی حرکات اور سکنات، ان کی گھریلو زندگی کے بالکل داخلی امور۔ جو محض زن وشو کی حدود سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ہماری راہنمائی اور ہماری دست گیری کے لئے آج تک کتابوں میں اسی طرح سے محفوظ چلے آتے ہیں جس طرح کہ خود حضورؐ کی عین حیات میں ہوا کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کے بعد ہماری راہنمائی کے لئے قرآن ہے۔ قرآن ایک زندہ کتاب ہے۔ خود انگریز مشاہیر اور محققین نے اس چیز کو تسلیم کیا ہے کہ دنیا میں قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے کہ چودہ سو برس سے بلا کسی انسانی ہاتھ

کی مداخلت سے اور دست برد سے آج تک پوری طرح محفوظ چلی آرہی ہے۔

قرآن جیسا کہ ہم نے اوپر کہا ہے کہ قرآن ایک زندہ کتاب ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ جاوید رہے گا۔ قرآن دنیا سے نہیں مٹ سکتا بلکہ جو لوگ اغراض اور خواہشات نفسانی کے تابع ہو کر جان بوجھ کر اس میں تحریف، تاویل، تنسیخ کر کے قرآن کو مٹانا چاہتے ہیں۔ قرآن نہیں مٹ سکتا بلکہ یقیناً وہ خود مٹ جائیں گے لہذا ہمیں ہر اختلاف رائے، اختلاف عقیدہ یا عمل کے لئے ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں۔ قرآن اور اسوۂ رسول اللہ صلعم ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ ہم ذاتیات سے بلند بالا ہو کر اپنے ہر اختلافی مسئلے کا حل خود رسول اللہ صلعم کی زندگی میں اور آپ کے صحابہ کرام کی زندگیوں کے پیمانوں سے ناپ کر ان کی درستی یا غلطی، ان کی صحت یا عدم صحت ان کی برائی یا بھلائی کا ایک جچا تلا صحیح فیصلہ اور ایک صحیح حل نکال سکتے ہیں۔

مال اور مالداری بری ہے یا بھلی؟ ہمیں آج اس کی اچھائی اور برائی کو دیکھنے کے لئے ادھر ادھر بھٹکتے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے حیات النبی کی نمائی زندگی اور آپ کے خادموں صحابہ کرام کی زندگیوں کے عملی نمونے ہمارے سامنے ہیں۔ ہم ان میں نظر کر کے اچھی طرح ایک صحیح فیصلہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ (مثنوی)

ہست اشارات محمد المراد
کل کشاد اندر کشاد اندر کشاد

ہمارے دوست نما دشمن

ہمارے بزرگوں نے بلا تمیز نیک و بد سارے علما کی تعریف کر کے انکی پاکبازی کے سہرے گاگا کر اور سرداروں امیروں، بادشاہوں، مالداروں اور دولتمندوں کی

برائیاں بیان کر کے تفریق مذہب و سیاست کی خلیج جس کے کھودنے اور وسیع کرنے کا نامسعود فریضہ ہمیشہ سے جدید مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے سر رہا ہے۔ اس کو شاید نادانستہ یا دانستہ طور پر ہمارے مجلس العلماء نے اس نامبارک کام کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا ہے۔

"واہ حکومت اور دولت تیرا بھلا ہو۔ مسلمان ہو کر بھی خدا سے لڑنے کا جنون پیدا کر دیتی ہے۔" آگے چل کر "اقتدار اور ملائیت" کے مصنفین اس کے صفحہ ۴۷ پر لکھتے ہیں " مکرر یہ عرض ہے کہ اہل دولت و اقتدار ابتدا آفرینش سے آج تک اہل مذہب کے دشمن رہے ہیں اور آج تک وہی ذہنیت اہل دولت میں کارفرما ہے۔ دنیا کو جو بھی تکلیف پہنچی ہے اہل دولت کے افعال بد سے پہنچی ہے۔ اور اس قسم کے دوسرے خیالات ظاہر فرما کر ہمارے علمائے کرام نے مذہبی طبقے کو سیاسی طبقہ سے اور روحانی لوگوں کو دنیاوی لوگوں سے متمیز فرما کر ہمارے خیال میں ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔

اسلام کی تعلیمات مذہبی گروہ کو دنیاوی گروہ سے الگ نہیں ہونے دیتی۔ ہمارے رسول صلعم کا اسوۂ حسنہ آپ کے صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کا عہد حکومت تفریق دین اور سیاست کی سراسر نفی کر رہا ہے۔ اسلام مسیحیت کی طرح کا مذہب نہیں۔ مسیحیت کا سارا سرمایہ دے کے صرف حضرت عیسیٰ کی زندگی کے تین آخری سالوں پر اور بے ترتیب سے منتشر قسم کے معجزات و حالات اور واقعات پر اور آپ کے چند وعظ و نصیحت کے قصے کہانیوں پر اس کا مدار ہے۔ مسیحیت میں نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی شریعت ہے۔ نہ کوئی ضابطہ حیات ہے نہ نظام سیاست۔ چنانچہ مذہب عیسوی ان ضوابط خواہ نظری ہوں خواہ عملی سب سے محروم تھا اس لئے لامحالہ مسیحیت کو ماسوائے صوفیانہ، جوگیانہ اور راہبانہ

قسم کی زندگی گذارنے کے کوئی چارہ کار نہ تھا۔ ۳۱۲ء میں جبکہ قسطنطین اول نے مسیحی مذہب قبول کیا۔ اس سے پیشتر مسیحی مذہب اور مسیحی راہ نماؤں کے پاس کوئی ایسا قانون اور ضابطہ نہیں تھا جس پر چل کر وہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی مختصر سے مختصر سی حکومت کی بنیاد ڈالتے یا مذہب کی بنیادوں پر الہامی رنگ میں حکومت کرتے۔ اس لئے فوراً عیسائیوں کے مذہبی لوگ یعنی مسیح کے پیرو درویش الگ ہو گئے۔ بادشاہی اور حکومت کرنے والے۔

. . . . دولت اور مال کمانے والے۔ شادیاں بیاہ کرنے والے۔ کاروباری قسم کے سب لوگ الگ تھلگ گروہ بن گئے۔ ایک فادر یعنی ایک پادری گورنر نہیں ہو سکتا تھا۔ اور ایک بادشاہ یا ایک گورنر پادری نہیں بن سکتا تھا . . . . اس لئے دنیاوی لوگوں کا طبقہ دین دار لوگوں کے طبقے سے نکال دیا گیا۔ کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا عملی پہلو محض رہبانیت اور درویشی کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ اور دنیا داری پر لعنت اور پھٹکار کہہ رہا تھا۔

اس کے برعکس اسلام کی عمارت کی پہلی اینٹ دین اور دنیا کی تفریق کو مٹانے کے گارے سے، دین اور دنیا کی باہمی آمیزش کے خمیر اور مصالح سے اٹھائی گئی تھی۔ اسلام نے آتے ہی لا رھبانیت فی الاسلام کا اعلان کر کے روحانی اور دنیاوی طبقے کی تفریق کو مٹا ڈالا۔ رہبانوں، درویشوں، حاکموں اور گورنروں کی باہمی حدود و تمیز کو ختم کر دیا۔ ہمارے سرور عالم صلعم نہ تنہا روحانی پیشوا تھے نہ تنہا رسول یا پیغمبر، آپ بیک وقت مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی ہادی اور راہ نما بھی تھے۔ آپ بیک وقت درویش بھی اور بادشاہ بھی۔ آپ راتوں کو جاگنے والے عابد بھی تھے اور شمشیر بکف سپاہی بھی۔ آپ باپ بھی تھے۔ بیٹے بھی۔ عزیز بھی تھے اور رشتہ دار

بھی۔ اچھے شہری بھی تھے اور اچھے عسکری بھی۔ آپ نے شادیاں کیں۔ آپ نے تجارت کی۔ آپ نے حکومت کی۔ لوگوں کے متنازعہ امور کے قاضی اور جج بنکر فیصلے دیئے۔ الغرض آپ کی زندگی کا ایک ایک واقعہ اور ایک ایک لمحہ سارے مسلمانوں کی راہ نمائی کر رہا ہے۔ درویشوں اور عابدوں کو بھی آپ کے اسوہ حسنہ میں راہ یابی کا طریقہ ملتا ہے۔ ایک جج اور ایک حاکم کو بھی۔ ایک تاجر دکاندار کو بھی۔ ایک شمشیر بکف سپاہی کو بھی۔ الغرض آپ کی زندگی اور عمل ہماری راہ نمائی و دستگیری کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور ایک پورا قانون اور آئین ہے۔ ایک نظامنامہ سیاست ہے۔

قرآن اور اسلامی کلچر کے مطالعے سے یہ ہرگز نہیں معلوم ہوتا کہ قرون اولیٰ کے دیندار لوگ علیحدہ گروہ تھے اور دنیادار الگ۔ وہی عمرؓ تھے۔ آپ ضرورت کے وقت جرنیل بھی بن جاتے تھے۔ حکومت اور فیصلوں کے وقت قاضی اور مفتی، امامت کے وقت مولوی اور امام۔ خدمت کے وقت خادم خلق اللہ۔ بادشاہی کے وقت بادشاہ۔ بالکل اسی طرح سے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کے ایک ہاتھ میں تو قرآن ہوتا تھا اور دوسرے ہاتھ میں درہ۔ ہمارے بزرگ مولوی صاحبان ابابکر صدیقؓ، عمرؓ، عثمانؓ۔ علیؓ کو کیا کہیں گے ہ آیا دنیادار، مالدار اور حاکم یا ملّا اور مولوی یا واللہ اعلم کیا کچھ؟ میں تو یہی کہوں گا کہ اس وقت یہ تفریق نہیں تھی۔ عمرؓ بہ یک وقت حاکم بھی تھے اور ایک دنیادار آدمی بھی تھے بیت المال کے کلید بردار بھی اور مسلمانوں کے امام اور مولوی بھی۔ فوجوں کے جرنیل اور جھگڑوں کے فیصلے کے وقت قاضی اور جج بھی

یہ مولوی غیر مولوی کی حدبندی

اسلامی کلچر کے آئینہ میں نظر کرتے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرن اوّل کے

اندر ملا اور مولوی کوئی نہ تھا کوئی صدیق تھا تو کوئی سیف اللہ۔ (یعنی اللہ کی تلوار) کوئی فاروق تھا تو کوئی ابوھریرہ۔ سارے قرآن اور ساری احادیث کا ورق ورق گواہ ہے کہ ایک آدمی بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کو لوگوں نے مولوی صاحب علامہ صاحب یا حضرت صاحب کہہ کر پکارا ہو۔ یہ سب مولوی اور ملا ایدکی پیداوار ہیں۔ اسلامی کلچر کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں کہ حکومت ایشیائی خیالات اور عجمی شان وشوکت کے لوگوں، عیاشوں اور بیکار قسم کے آدمیوں کے ہاتھوں میں آگئی جو علم اور عمل سے عاری ہوا کرتے تھے۔ خود وہ نہ امام بن سکتے تھے اور نہ فتویٰ دے سکتے تھے۔ اس لئے انہیں فیصلوں کے لئے قاضیوں، مفتیوں اور درس وتدریس کے لئے مدرسوں، وعظ کے لئے واعظوں کے تقرر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ اسی زمانہ کے اثرات ہیں جبکہ حکومت، گورنری، دنیاداری، مالداری اور علم ودینداری کے مابین حدود بندی قائم ہو گئی۔ مولوی اور عالم لوگوں کا حاکموں اور دنیادی لوگوں سے الگ ایک طبقہ بن گیا ورنہ سرچشمۂ اسلام کے اندر یہ حدود بندی کہیں نظر نہیں آتی۔ اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو اے خداوند عالم یہ مولوی صاحب ہی مجھے بتادیں۔ اسلامی کلچر کا ورق ورق اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ نہ صرف قرون اول کے خلفائے راشدین بلکہ کئی سلطان بادشاہ باوجود شہنشاہی کے بھی درویش قسم کے فقیر تھے۔ دن کو وہ بادشاہی کرتے اور راتوں کو جاگتے اور عبادت گذاری میں محو رہتے تھے۔ مثلاً نورالدین زنگی۔ صلاح الدین ایوبی۔ ملک شاہ سلجوقی۔ الپ ارسلان۔ محمود غزنوی شمس الدین۔ ٹیپو سلطان۔ عالمگیر اورنگزیب وغیرہ وغیرہ۔ یہ لوگ بہ یک وقت بادشاہ بھی تھے، عالم اور عابد بھی۔ ایسے ہی سلاطین کی حالت کا علامہ اقبالؒ نے ذیل کے شعر میں تصور پیش کیا ہے۔ (شعر)

آں شہنشاہاں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند

نیتوں سے اعمال کی صورت بدل جاتی ہے

اے رب العزت! ایک مجھ سا جاہل علما کو سمجھائے! یقیناً یہ قحط الرجال کی ایک کھلی علامت ہے۔ ان بزرگان "مجلس العلما" نے اپنی پمفلٹ کے اندر بار بار دنیادار طبقے کو علما کے طبقے سے علیحدہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔ سارے علما کے ظاہری افعال کو سراہا ہے اور سارے دنیادار لوگوں کو ملعون فرمایا ہے۔ ان بزرگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایک ہی فعل اور ایک ہی کردار کے کئی اثرات ہو سکتے ہیں جس کا انحصار نیت پر ہوتا ہے۔ علما کے اچھے افعال بری نیت کے ساتھ برے ہو سکتے ہیں۔ اور عوام کے دنیاوی افعال اچھی نیت کے ساتھ اچھے بن سکتے ہیں۔ ایک عالم اگر ریاکاری سے وعظ کہہ رہا ہے تو اس کا یہ اچھا فعل موجب لعنت بن سکتا ہے۔ اسی طرح سے ایک عامی اور ایک جاہل اگر نیک نیتی سے ساتھ تجارت کرتا ہے۔ زمین جوتتا ہے۔ فصل بوتا ہے لیکن اس میں اس کی نیت شریعت کے مطابق ہے تو اس کا یہ ہل چلانا اس مولوی صاحب کے وعظ کہنے سے ایک دفعہ نہیں بلکہ لاکھ دفعہ بہتر ہے۔ آنحضرتؐ کا اسوۂ حسنہ اس بارہ میں ہماری پوری پوری راہ نمائی اور کامل دستگیری کر رہا ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے صحابہ کرامؓ کے ہمراہ کسی جگہ تشریف فرما تھے۔ دور فاصلہ پر ایک خوب ہٹا کٹا مضبوط نوجوان آدمی محنت مزدوری کا کام کر رہا تھا۔ صحابہؓ بے ساختہ فرمانے لگے کہ کیا اچھا ہوتا اگر یہ نوجوان بجائے دنیاوی کام میں اپنا زور بازو محنت اور سعی کرنے کے خدا کی راہ میں اس قدر محنت اور کوشش کرتا۔ آنحضرتؐ نے جو کہ لوگوں کے اخلاق اور برائی رہبانی قسم کی عادتوں کو مٹانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے فرمانے لگے کہ تمہارا خیال غلط ہے۔ اگر یہ نوجوان

اس نیت کے ساتھ محنت اور مزدوری کر رہا ہے کہ وہ اتنا مالدار بن جائے کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچ جائے تو اس کو اس جسمانی محنت کے باوجود بھی وہی ثواب ملیگا جو کہ راہ خدا میں عبادت کرنے سے مل سکتا ہے اسی طرح سے اگر اس نوجوان کی نیت یہ ہو کہ محنت مزدوری کر کے اپنے ضعیف والدین یا اپنے اہل و عیال کی پرورش کے فرائض انجام دے سکے تو اس کو وہی ثواب ملے گا جو کہ راہ خدا میں عبادت گذاروں کو مل سکتا ہے۔ لیکن اگر (آنحضرت نے فرمایا کہ) اس کی نیت بری ہے اور وہ فخر و مباہات کے لئے شیطانی راہ پر چلنے کی خاطر محنت مزدوری کر کے روپیہ کما رہا ہے تو اس کو وہی اجر ملیگا جیسی کہ اس کی نیت ہو گی۔ میں حیران ہوں کہ یہ ظاہری علم و تدریس پر اترانے والے حضرات کیوں نیتوں کے دقائق پر نظر نہیں کرتے

اے خداوند عالم! اسلام نے ایک جگہ نہیں دو جگہ نہیں قدم قدم پر اس مقصد کو سمجھانے کے لئے ہماری رہنمائی کی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی کام دنیا کا کام نہیں ہے اگر اس کی نیت بہ خیر ہے۔ اسی طرح سے کوئی کام دین کا کام نہیں ہے اگر عامل کی نیت بری ہے۔ لہذا اس سے صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ کسی طبقہ کے لوگوں کو ان کے ظاہری افعال دیکھکر نہ اچھا کہنا چاہئے نہ برا۔ کیونکہ مدار کلی نیتوں پر رکھا ہوا ہے۔ سلف صالحین کہا کرتے تھے عالم وہی اچھا ہے جو عامل ہو۔ عامل وہی اچھا ہے جو مخلص ہو۔ مخلص وہی اچھا ہے جس کی عاقبت اچھی ہو۔

یہی وہ باریک باریک اور دقیق اسلامی اصول ہیں جن پر نظر کر کے اللہ کے نیک بندوں نے کبھی کسی کافر پر کسی ملحد پر لعن طعن نہیں کیا اور اپنے علم اور فضل پر کبھی اترانا عیب اور غرور کرنا پسند نہیں فرمایا کیونکہ مدار کلی نجات

کا عاقبت اور نیت پر ہے۔ کیا معلوم ہے کہ وہ شخص کہ جو آج کافر ہے وہ مرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے ۔ اور کس کو معلوم کہ آج جو شخص کہ ایک بہت بڑا عالم فاضل ہے کل اس سے کفر اور الحاد صادر ہو جائے ۔ یہی خطرات تھے کہ جن پر نظر کر کے انہوں نے غرور اور گھمنڈ کرنا نہ بچائے خود رہا۔ خدا کے نیک بندوں نے علم اور فضل کے باوصف بھی کبھی مولوی ہونا، عالم کہلانا ہرگز پسند نہیں کیا ایسے مشاہیر ہزاروں ہیں ذیل میں چند ایک کے اسما گرامی پیش کرتا ہوں ۔

وہ مشاہیر علما جنہوں نے مولوی کہلانے سے پرہیز کیا

ان بزرگوں کے اسما گرامی یہ ہیں ۔

(۱) ابراہیم زیتون فروشؒ ۔ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں آپکی بڑی تعریف لکھی ہے ۔ آپ ساری زندگی نہ ملا تھے نہ مولوی ۔ نہ علامہ صاحب کہلائے اور نہ حضرت صاحب بلکہ زندگی بھر زیتون فروشی کی دکان کرتے ۔ زیتون کا تیل بیچ بیچکر اس رزق حلال پر گذر اوقات کرتے اور علم کی خدمت بلا عوض ، بلا اجرت بلا نام اور نمود کے ساری زندگی کرتے رہے ۔

(۲) حمدون پارچہ شوؒ ۔ آپ دھوبی کا کام کرتے اور اپنی اس محنت اور مزدوری سے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا گذر اوقات فرماتے ۔ ساری زندگی بھر حتیٰ کہ آج تک بھی کتابوں میں دھوبی کے نام سے مشہور چلے آرہے ہیں ۔ نہ ملا تھے نہ مولوی ۔ محض اللہ کے واسطے علم پڑھا اور ساری زندگی اللہ واسطے علم کی خدمت کی ۔

(۳) علی بن موسیٰ آہنگرؒ ۔ آپ حضرت امام غزالی سے بھی پہلے ہوتے ہیں ۔ آپ نے بھی نہ مولوی ہونا پسند کیا نہ علامہ صاحب ۔ لوہاری کا کام کرتے

اور علم کی خدمت فی سبیل اللہ کرتے رہے۔

(۴) یحییٰ بن سعید پنبہ فروشؒ — آپ کا بھی یہی حال تھا۔ کپاس کی دوکان کرتے تھے اور کپاس بیچکر گذر اوقات کرتے۔

(۵) ابراہیم الصائغ — صائغ عربی میں سنار کو کہتے ہیں۔ آپ متقدمین میں سے ہیں۔ آپ نے امام اعظمؒ کوفی کا زمانہ پایا ہے۔ آپ زندگی بھر حلال روزگار کرتے رہے۔ اور علم کی خدمت بلا عوض بلا اجرت کرتے رہے۔ آپ امر معروف اور نہی عن المنکر میں یگانہ روزگار تھے۔

کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ یہی ابراہیم سنار جب مرو میں وارد ہوئے اس وقت ابو مسلم کی حکومت تھی۔ حکومت کا حال دیکھا تو سارے خلاف شرع امور کا دور دورہ تھا حتیٰ کہ آپ نے ابو مسلم کے ساتھ مقابلہ کیا۔ جب ابو مسلم کی حق ناشناسی اور بے توجہی حد سے بڑھ گئی اور ابراہیم الصائغ (سنار) کو جب معلوم ہوا کہ اب ابو مسلم اس کو زندہ نہیں چھوڑیگا تو بجائے ظلم کے سامنے دب جانے کے، یا مرعوب ہو کر حق گوئی کو چھوڑ دینے کے آپ نے تہیہ کر لیا اور پورے عزم کے ساتھ کفن خریدا۔ سر پہ باندھا اور سیدھا ابو مسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور وہاں وعظ و نصیحت شروع کر دی ابو مسلم آگ بگولا ہو گیا۔ ابراہیم الصائغ کی تلخ باتیں سنکر اس سے برداشت نہ ہو سکا حتیٰ کہ ابو مسلم کے حکم سے وہیں قتل کئے گئے۔ اور آپکی لاش کو بجائے دفن کرنے کے کسی باولی میں پھینک دیا گیا — انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عجب یعنی اپنے علم پر اترانا

علم کے اندر جہاں بڑی خوبیاں ہیں وہاں علم کے اندر ایک بڑی آفت یہ ہے کہ ایک عالم جب اپنے علم اور فضل پر نظر کرتا ہے، قرآن اور احادیث کے اندر علم کا

کمال اور علو درجات کا حال پڑھتا ہے تو اس کی طبیعت کے اندر غرور پیدا ہو جاتا ہے ایسا آدمی اس مغالطہ میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دل میں یہ یقین کر لیتا ہے کہ سعادت اب اس کو حاصل ہو چکی ہے۔ اب وہ جو چاہے کرے۔ سعادت کی مزید طلب کی اب اس کو ضرورت نہیں۔ یہ چیز اس کے ذہن میں گھر کر لیتی ہے اور اچھی طرح سے اپنی بزرگی اور سعادت اس کو ذہن نشین ہو جاتی ہے۔ جب وہ اپنے خیال میں یہ یقین کر لیتا ہے کہ میں سعید ہوں اور میں بزرگی کے درجہ اور فضیلت حاصل کر چکا ہوں تو اس کے بعد وہ اس قدر مغرور اور بر خود غلط میں پھنستا ہے کہ اس کی نظر اپنے نفس اور اپنے عیوب سے اٹھ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ (امام غزالیؒ احیاء العلوم کی جلد سوم میں لکھتے ہیں) وہ گناہ کرتا ہے اور بھول جاتا ہے۔ وہ کتنا بھی بڑا گناہ کیوں نہ کرے اس کو صغیرہ دکھائی دیتا ہے۔ اور عجب کرنیوالا یوں سمجھنے لگتا ہے کہ خدا کے نزدیک میرا بہت بڑا درجہ ہے۔ یعنی وہ خدا پر اپنے علم اور عمل کے سبب سے بڑا احسان جانتا ہے۔ اس کی یہ بر خود غلط فہمی اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ وہ اپنے نفس کی حمد و ثنا کرتا رہتا ہے۔ بعض اوقات اس کو اپنی رائے اپنے عمل، اور عقل پر اس درجہ عُجب ہوتا ہے کہ وہ کسی سے استفادہ کرنے کسی سے مشورہ لینے اور پوچھنے کو بھی اپنی خفت اور تحقیر جانتا ہے۔ خود اپنی رائے پر اڑ جاتا اور اصرار کرتا ہے۔ کسی اپنے سے بڑے عالم سے سوال کرنا یا کسی علمی مشکل کے حل کرانے کو بھی برا جانتا ہے۔ کسی کے وعظ اور نصیحت پر دھیان نہیں کرتا بلکہ اوروں کو جاہل تصور کرتا ہے اور خود اپنی خطاؤں اور غلطیوں کو چھوڑنے کے بجائے ان پر مصر رہتا ہے۔ معجب (عجب کرنے والے) اس طرح اصرار اور اپنی غلطی پر جما رہتا ہے

عجب کی تعریف۔ امام غزالیؒ نے عجب کا علیحدہ باب باندھا ہے۔ اور اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ جس کو مفصل اور مشرح بیان کرنے کی اس مختصر

کتاب کے اندر کوئی گنجائش نہیں۔ عجیب کا لب لباب یہ ہے کہ نعمت کو پا جانے اس سے مطمئن ہو اور اس کو حقیقی منعم کی طرف منسوب نہ کرے بلکہ اپنے دل میں یہ تصور کرے کہ خدا پر میرا حق ہے اور اس کے نزدیک میرا ایسا بلند مرتبہ ہے کہ اتنے عمل کی پاداش میں مجھے ضرور دنیا میں بھی عزت اور سرفرازی ہوگی اور بعید ہے کہ مجھے کسی قسم کا آسیب ملے جیسا کہ عام گناہگاروں یا بدکاروں کو ہوتا ہے۔ اس کا نام ادلال بالعمل ہے یعنی اپنے اعمال پر اس کو ناز ہوتا ہے۔ گویا عمل کیا کرتا ہے کہ خود خدا کو اپنے نفس کا ناز بردار خیال کرتا ہے۔ علمائے ربانی کے متعلق تو میں نہیں کہہ سکتا ہوں۔ ہاں البتہ یہ صفات علماء سو میں اور پیران دغاباز میں عموماً دیکھی گئی ہیں۔ میں (مصنف کتاب) نے بچشم خود ایسے پیر اور فقیر اور عالم دیکھے ہیں کہ اگر کوئی ان کی بات نہ مانے۔ کوئی ان کے آگے عزت کے لئے کھڑا نہ ہو جائے اور ان کی عزت اور توقیر نہ کرے تو یہ بہت بگڑ جاتے ہیں اور بد دعائیں دینا شروع کرتے ہیں بعض اوقات خدا پر ناز برداری کا یہاں تک دعویٰ بگھارتے ہیں کہ جس سے خفا ہوں تو اس کو علی الاعلان کہتے ہیں کہ جا اور اپنا تماشا دیکھ۔ اگر تیرے گھر کو ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر آگ لگ گئی تو مجھے تصور کرنا اور اگر آگ نہ لگی تو پھر میری پیری اور فقیری میں کچھ نہیں ہے۔

ہمارے علاقہ سبی بلوچستان کا ایک مستند واقعہ ہے کہ ایک ادلال بالعمل کے مرض کا مریض جو خدا کو اپنا ناز بردار تصور کرتا تھا۔ کسی شخص پر ناراض ہوا اور اس کو کہا کہ اگر اس کے گھر کو اتنے وقت کے اندر آگ لگ گئی تو مجھے تصور کرنا" وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اسی رات کو خود ما بدولت بھیس بدل کر اس کے گھر کے پیچھے سے آکر اس کی گھاس پھوس کی چھت میں آگ لگا کر وہ خود تو دو گیارہ ہو گئے۔ آخر کار عدالت کے اندر مقدمہ دائر ہوا اور وہ درویش صاحب گرفتار

ہوکر کئی برس تک جیل میں سڑتے رہے۔

یہ تو ایک مستند واقعہ ہے جس کا ریکارڈ آجتک محافظ خانہ میں موجود ہوگا لیکن اس طرح کے کئی اور واقعات شب و روز ہو رہے ہیں۔ کہ یہ نازبردارانِ خدا اپنے گھر کے عزیز بیماروں کا تو ڈاکٹروں اور حکیموں سے باقاعدہ علاج کراتے رہتے ہیں لیکن دوسرے جہلا اور معتقدین مریضوں اور بیماروں کے لئے خود ہی مسیحا بن بیٹھتے ہیں۔ کسی کو جھاڑ۔ کسی کو پھونک۔ کسی کو تعویذ۔ کسی کو گنڈہ۔ کسی کو تبرک کی مٹی دوا کے بجائے دیدی جاتی ہے۔ اس طرح سے ان سادہ لوح لوگوں کی جیب تراشتے رہتے ہیں۔ اعصابی امراض مثلاً مرگی فالج، لقوہ، اختناق الرحم وغیرہ کے لئے تو محض جن کا لفظ رٹ لیا گیا ہے۔ مریض کو نیند نہ آوے تو جنات کا اثر ہے۔ جنت ہو، فالج ہو۔ مرگی ہو۔ ان سب امراض کے لئے صرف جنات کا لفظ استعمال کر کے ان کی جیبوں پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں۔ بعض اوقات جنات کی قسم کے امراض کے لئے بیت منگوا کر مریضوں کو پیٹنا شروع کر دیا جاتا ہے حتیٰ کہ کئی مریض اس طرح کی بے رحمانہ مار پیٹ سے جان بحق بھی ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے اکثر وہی ادلال بالعمل یعنی (نازبردارانِ خدا) ہوتے ہیں۔ جن کا یہ یقین بندھ گیا ہوتا ہے کہ خدا ان کے سوال کو ان کی درخواست کو ہرگز رد نہیں کرے گا۔ ان کو اپنے عمل پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کبھی انہیں محروم اور مایوس نہیں کرے گا۔ حالانکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ (حدیث) کوئی تم میں سے ایسا نہیں جس کو اس کا عمل بچائے لوگوں نے عرض کیا کہ نہ آپ ایسے ہیں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہوں مگر یہ کہ ڈھانپ لے اللہ مجھکو اپنی رحمت سے۔" (بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہؓ)

ذیل میں ادلال بالعمل یا نازبردارانِ خدائی کی ایک زندہ مثال پیش کرتا ہوں ان میں سے ایک تو ہے سر آغا خان مہاراجہ کی ذات بابرکات۔ آغا خان نے ۱۸۹۸ء

سے لیکر آج تک اپنی ساری زندگی سیر و سیاحت اور یورپین رقاصاؤں سے شادیاں کرنے اور عیاشی میں بسر کی ہے۔ ۱۹۰۸ء میں اس نے ایک اطالوی رقاصہ سے شادی کی کہ اس سے دو لڑکے پیدا ہوئے ان میں سے ایک مشہور پرنس علی خان ہے۔ اس سر آغا خان کی فضول خرچیاں اس کے خود نوشت بیان میں کس قدر مفصل درج ہیں لکھتا ہے اس نے اپنی چار بیبیوں پر اپنے وزن کا تین گنا سونا صرف کیا ہے۔ باوجود ایں ہمہ آلائشات یہ سر آغا خان اپنے مریدوں کو نجات، مغفرت اور بہشت کے دربانوں کے نام ابھی تک بھی پروانے جاری فرماتے ہیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کی تہذیب اجازت نہیں دیتی۔

سر آغا خان کے اسراف اور مسلمانوں کے اس بے اندازہ سونے چاندی کی بربادیوں کا مجمل سا حال ذیل کے اخباری بیان سے عیاں ہوگا۔

آغا خاں نے اپنی چار بیویوں پر اپنے وزن کا تین گنا سونا صرف کیا

میری شادی گیارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی

آغا خاں کی خود نوشت سوانح حیات

لندن ۱۰ ؍ مارچ ۔ آغا خاں کی خود نوشت سوانح حیات عنقریب شائع ہونے والی ہے، کہا جاتا ہے کہ آغا خاں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ وہ دنیا کے مالدار ترین آدمی نہیں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی شادیوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ ان کی پہلی شادی ۱۱ سال کی عمر میں ہوئی۔ اس بیوی سے ان کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ۱۸۹۸ء میں جب یورپ گئے تو ۱۹۰۸ء میں انہوں نے ایک اطالوی رقاصہ سے شادی کی اس سے دو لڑکے ہوئے۔ شہزادہ علی خان اسی رقاصہ کے بطن سے ہیں۔ شہزادہ علی خان کی پیدائش پر آغا خان نے آئی ایس بیگم کو ۷۰ لاکھ فرانک کا ایک نکلس بطور تحفہ دیا

اس کا انتقال ہو گیا۔

تیسری شادی۔ بعد میں وہ ایک فرانسیسی چاکلیٹ فروش لڑکی پر فریفتہ ہو گئے۔ اس لڑکی کے بطن سے شہزادہ صدرالدین پیدا ہوئے۔ فرانسیسیوں نے اس لڑکی کو چاکلیٹ فروشی کے پیشہ کے لحاظ سے شیریں دہن کا خطاب دیا تھا آغا خان نے اسے بھی تیس کروڑ فرانک کے جواہرات بطور تحفہ دیے لیکن بعد میں اس فرانسیسی حسینہ نے آغا خان سے طلاق لے لی۔ اب یہ سوئٹزرلینڈ میں ہے۔ اپنے جواہرات فروخت کر کے اس نے ایک فنڈ قائم کر لیا ہے اور اس کی آمدنی پر زندگی گذارتی ہے۔ آغا خان کی موجودہ بیگم سابقہ فرانس کی حسین ترین خاتون ہے اسکی عمر ۴۳ سال ہے۔ اس کے والد کنڈیکٹر تھے۔ آغا خان کی عمر ۷۲ سال ہے۔ آغا خان نے اسے ایک بنگلہ بنوا دیا ہے۔ آغا خان نے اسے مسلمان بھی کر لیا ہے۔ یہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتی ہے۔ جب تک آغا خان چائے نہ پی لیں یہ صبح کی چائے نہیں پیتی حال میں ہالی وڈ کی فلم کمپنیوں نے آغا خان کا فلم تیار کرنے کی پیشکش کی ہے لیکن آغا خان کی موجودہ بیگم نے اس پیشکش کو مسترد کر دیا۔ خیال ہے کہ آغا خان کو اپنی چاروں بیگموں پر اپنے وزن کا تین گنا سونا صرف کرنا پڑا ہے۔

ادلال بالعمل اور پیشوایان دین متین

ادلال بالعمل یا خدا کی ناز برداری کا مغالطہ عموماً مذہبی پیشواؤں کو پیدا ہوتا آیا ہے۔ یورپ کے کلیسائی واقعات کو جنہوں نے بغور مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہے کہ روم میں ادلال بالعمل یعنی خدائی ناز برداری کا وہم کہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ پاپائے روم مقررہ فیس لیکر لوگوں کو زنا اور بدکاری کا اجازت نامہ اور بہشت کا پروانہ دیدیا کرتے تھے۔ جب کلیسائی دور میں ظلمت اور گمراہی اس درجہ تک بڑھ گئی تو

اس کے بعد یورپین تہذیب کا سربفلک مینار دھڑام سے گرا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ تکبر اور عجب عموماً وہی شخص کرتا ہے جو خود کو بڑا سمجھے اور اپنے نفس کو وہی بڑا جانتا ہے جو یہ سمجھے کہ اس میں کوئی صفت کمال موجود ہے۔ کمال یا دینی ہوگا یا دنیاوی۔ کمال دینی کی دو قسمیں ہیں یعنی علم اور عمل۔ سب سے اول چیز تکبر کی علم ہے اور علما کو بہت جلد تکبر آ جاتا ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آفۃ العلم الخیلا۔ یعنی علم کی آفت تکبر ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ عالم بہت جلد علم کی جہت سے مغرور ہو جاتا ہے اپنے جی میں علم کا کمال جان کر خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے۔ اور دوسروں کو حقیر اور جاہل سمجھتا ہے۔ دوسروں کی طرف اس طرح سے دیکھتا ہے گویا کہ وہ آدمی نہیں ہیں بلکہ جانور ہیں۔ لوگوں سے اپنے علم کے سبب متوقع رہتا ہے کہ مجھ سے پہلے وہ سلام کریں اور اگر بالفرض کبھی بھولے سے کسی کو خود مولوی صاحب نے سلام کہہ دیا یا کسی کے سلام کا جواب خوشی خوشی خندہ پیشانی کے ساتھ دیدیا یا قضا کار کسی کی عزت کرتے ہوئے کسی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ یا کسی نے مدعو کیا اور آپ نے اس کی دعوت قبول کرلی تو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نے ان پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے اور متوقع رہتا ہے کہ وہ اس کے شکر گذار اور ممنون ہوں۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس نے انہیں سرفراز کیا ہے۔ کیونکہ مجھ ایسے بزرگ سے وہ اس قسم کے سلوک کا ہرگز مستحق نہیں تھا۔

مولوی حالیؔ نے برے علما اسلام کے خط و خال اور اخلاق کی یہ تصویر کھینچی ہے۔

بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی   جگر جس سے شق ہوں وہ تحریر کرنی

گنہگار بندوں کی تحقیر کرنی — مسلمان بھائی کی تکفیر کرنی
یہ ہے عالموں کا ہمارے طریقہ — یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے — تو گردن پہ بار گراں لے کے آئے
اگر بدنصیبی سے شک اس میں لائے — تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائے
اگر اعتراض اس کی نکلا زباں سے
تو آنا سلامت ہے دشوار واں سے

کبھی وہ گلے کی رگیں ہیں پھلاتے — کبھی جھاگ پر جھاگ ہیں منہ پہ لاتے
کبھی خوک اور سگ ہیں اسکو بتاتے — کبھی مارنے کو عصا ہیں اٹھاتے
ستوں چشم بد دور ہیں آپ دیں کے
نمونہ ہیں خُلقِ رسول امیں کے

میری تقریر اور حالی کے اشعار سن کر دکیل سے پھر رہا نہ گیا۔ وہ بیساختہ پکار اٹھا تحقیر! تحقیر! اے خداوند قدوس۔ تیرے برگزیدہ علما کی تحقیر ہو رہی ہے۔ وہ علما جن کی شان میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ مثلاً (حدیث ۱)

(۱) قال رسول اللہؐ من زار العلما فکا نما زارنی من صافح العلما کا نما صافح نی۔ — یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عالم کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زیارت کی اور جس نے کسی عالم سے مصافحہ کیا گویا کہ مجھ سے مصافحہ کیا۔

(۲) علما امتی کانبیا بنی اسرائیل — یعنی میری امت کے عالم بنی اسرائیل یعنی حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ کسی سے کم نہیں ہیں

دربار قدس کی طرف سے مجھے عتاب آمیز دھمکی دیکر کہا گیا کہ زبان کو سنبھال کر بات کرو۔ واقعی علما کے درجات ہمارے نزدیک بہت بڑے ہیں۔ خبردار ان کی شان میں کوئی خفیف لفظ نہ نکلنے پائے۔

آنکھ جھپکنے کی دیر بھی نہیں گذری ہوگی کہ حاملین عرش نے بیچارے مولوی حالی کی روح کو بھی حاضر کر دیا۔ حالی سے بھی دربار رب العالمین کی طرف سے بڑے عتاب آمیز لہجہ میں پوچھا گیا کہ یہ اشعار واقعی تمہارے ہیں؟ اور کیا تمہاری ہمارے علما کے متعلق یہی رائے ہے؟ یا کہ اس شخص نے یہ افترا گڑھکر تجھے بدنام کرنے کی کوشش کی ہے؟

حالی لرزہ براندام لہجے میں مجھسے مخاطب ہوکر کہنے لگا۔ وہ کون سے شعر ہیں کہ جو آپ نے مجھسے منسوب کر کے مجھے خواہ مخواہ معتوب کرنے کے لئے اتنے بڑے عظیم الشان قدسی دربار میں بلوایا ہے؟ میں نے آہستہ سے ان کے اشعار اور وہ نظم ان کو دکھا دی۔ نظم کا متن دیکھکر حالی کی جان میں جان آگئی اور اس نے عرض کیا کہ حضور اقدس یہ نظم واقعی میری ہے۔ اس پر پھر عرش کی طرف سے عتاب ہوا کہ تم نے کیوں ہمارے نبی کے ورثا کی شان کو گھٹا کر حقارت کے ساتھ بیان کیا ہے؟

میں نے آہستہ سے مولوی صاحب کے کان میں کہہ دیا کہ مولانا حالی صاحب کہہ دو کہ وارثان نبوی کے متعلق یہ شعر نہیں کہے گئے بلکہ ان اشعار کے اندر وہ علماء مراد ہیں جن کو شرعی زبان میں "علما سو" کہا گیا ہے۔ علما سو کو تو خود خدا نے بھی کتوں اور گدھوں سے تشبیہ دی ہے۔ نیز خود سرور عالم صلعم نے علما سو کو بہت برا کہا ہے۔ حتیٰ کہ چند احادیث علما سو کے باب میں پیش کرتا ہوں۔

(حل بیث) آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ قیامت کو سب لوگوں کی نسبت سخت تر عذاب اس عالم پر ہوگا کہ جس کو اللہ تعالےٰ نے اس کے علم سے نفع نہ دیا ہو۔

(حدیث) علم دو ہیں۔ ایک علم زبانی (جو محدود ہوتا ہے) پس سو یہ تو اللہ تعالےٰ کی حجت اولادِ آدم پر۔ اور ایک (دوسرا) علم دل کے اندر ہے۔ یہی علم مفید ہے (ترمذی)

(حدیث) علم کو اس غرض سے مت سیکھو کہ اس سے علما کے ساتھ فخر کرو۔ اور بے وقوفی سے بحث کرو۔ اور (دوسرے) لوگوں کے منہ اپنی طرف کو پھیرو۔ اگر کوئی ایسا کریگا تو وہ دوزخ میں جائیگا۔

(حدیث) حضرت ابودرداؓ آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے بعض انبیا کو وحی بھیجی کہ تو ان لوگوں سے جو دین کے سوا اور کسی چیز کے لئے فقیہہ بنتے ہیں اور عمل نہ کرنے کے لئے علم سیکھتے ہیں اور آخرت کے عمل سے دنیا کو طلب کرتے ہیں۔ بظاہر لوگوں کی نظروں میں (مشائخ بننے کے لئے) بکریوں کی کھال پہنتے ہیں لیکن ان کے دل بھیڑیوں کے سے سخت ہیں۔ زبانیں ان کی شہد سے زیادہ میٹھی ہیں لیکن دل ان کے ایلوا سے زیادہ کڑوے ہیں (ایسے لوگ گویا کہ) مجھی سے ٹھٹھول کرتے ہیں (ان سے) یہ بات کہہ دو کہ میں ان کے لئے ایسا فتنہ برپا کرونگا کہ جس سے حلیم (انسان) حیران رہ جائیں۔

(حدیث) ضحاک حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا کہ اس امت کے عالم دو شخص ہیں۔ ایک وہ اللہ نے اس کو علم دیا۔ اور اس نے اس کو لوگوں میں (رواج دیا) خرچ کیا اور اس پر کسی قسم کے زر و مال کی حرص نہ کی اور اس سے تھوڑا سا مول لیا تو ایسے شخص پر ہوا میں اڑنے والے پرند اور سمندر کی مچھلیاں اور زمین کے چرپائے اور کراماً کاتبین سب رحمت بھیجتے ہیں اور قیامت میں خدا تعالیٰ کے پاس سید اور شریف ہو کر آویگا۔ یہانتک کہ رسولوں کے ہمراہ ہوگا۔ اور ایک عالم وہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کو علم عطا کیا مگر اس نے اللہ تعالےٰ کے بندوں سے

اس پر بخل کیا اور مال و زر کی طمع کی اور اس کے عوض میں تھوڑا سا مول لیا تو ایسا شخص قیامت کو آگ کی لگام پہنایا ہوا آئے گا اور ایک پکارنے والا خلق کے سامنے پکارے گا کہ یہ فلاں ہے فلاں کا بیٹا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں علم دیا مگر اس نے علم پر بخل کیا۔ اس کے بندوں کو نہ سکھایا۔ اور طمع کا دامن پھیلایا۔ اور علم کے عوض تھوڑا سا مول لیا۔ اس کو عذاب رہے گا یہاں تک کہ سب آدمیوں حساب سے فراغت ہو جائے۔ (طبرانی)

اس سے بھی سخت یہ روایت ہے کہ ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت کیا کرتا تھا۔ لوگوں میں اس نے کہنا شروع کیا کہ مجھ سے موسیٰ صفی اللہ نے ایسا کیا۔ مجھ سے موسیٰ نجی اللہ نے یوں فرمایا اور موسیٰ کلیم اللہ نے یوں ارشاد کیا۔ یہاں تک کہ (اس طرح کرنے کرتے) اس کے پاس بہت سا مال جمع ہو گیا۔ جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو نہ دیکھا تو اس کا حال پوچھنا (یعنی تجسس) شروع کیا۔ مگر کہیں اس کا سراغ نہ ملا یہاں تک کہ ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک سوٗر کے گلے میں سیاہ تسمی ڈالے ہوئے لایا اور اس نے عرض کیا کہ کیا آپ فلاں شخص کو جانتے ہیں۔ آپ (یعنی موسیٰ علیہ السلام) نے فرمایا کہ ہاں۔ اس نے کہا کہ یہ سوٗر وہی شخص تو ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی کہ اگر تم ان صفات سے مجھے یاد کرو گے جو آدم سے لیکر آج تک انبیا اور اولیا نے مجھے ان صفات سے پکارا ہے تب بھی میں اس بات (عرض) کو نہ مانوں گا۔ لیکن جس سبب سے کہ میں نے اس کی صورت کو مسخ کیا ہے۔ تم کو وہ بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص دین کے بدلے میں دنیا کو طلب کیا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو۔ (احیاء العلوم باب اول علم کے بیان فصل ششم علم کی آفتوں میں اور علما کی علامتوں میں)

(حدیث) میری امت کی بربادی علما ئے بدکار ہیں اور جاہل عابد اور

سب بروں میں برے علمائے سو ہیں اور سب اچھوں سے اچھے علمائے حق ہیں۔

(حدیث) آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جس رات مجھکو معراج ہوئی میرا گذر ایسے لوگوں پر ہوا کہ ان کے ہونٹھ آگ کی مقراضوں سے کاٹے جا رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم خیر کے لئے دوسروں کو کہتے تھے اور خود نہ کرتے تھے۔ اور بدی سے اوروں سے منع کرتے تھے لیکن خود (بدی کا ارتکاب) کرتے تھے۔

(حدیث) آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ شیطان تم پر کبھی علم ہی کے ذریعہ سے غالب ہو جائے گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ (شیطان) یوں کہیگا کہ علم سیکھ اور جب تک سیکھ نہ چکے تب تک عمل مت کر۔ پس آدمی علم میں تو مصروف رہتا ہے۔ لیکن عمل میں لیت و لعل کرتا رہتا ہے۔ یہانتک کہ مر جاتا ہے اور کچھ بھی عمل نہیں کرتا۔

علماء السو دجّال ہیں

(حدیث) انا من غیر الدجال اخوف علیکم من الدجال فقیل وما ھو یا رسول اللہ فقال علماء السوء

یعنی میں غیر دجال سے دجال کی نسبت زیادہ ڈرتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ غیر دجال کون ہیں؟ فرمایا بُرے عالم دجّال ہیں۔

اس حدیث شریف میں علماء سو کو دجال فرمایا گیا ہے۔ دجال کے معنی ہیں دجل مکر فریب۔ اور حیلہ جوئی کرنے والا۔ لیکن دجل عموماً اس مکر اور حیلے کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں کہ دنیوی لالچ لمعہ حرص دیکھ کر کسی کا دین اور ایمان خطرہ میں ڈال دیا جائے ایک جیب تراش۔ ایک قمار باز خواہ کتنا فریبی اور مکار ہو اس کو دجال نہیں کہا جائے گا دجال وہ ہے جو کہ دھوکہ اور فریب دیکر کسی کے دین اور ایمان کو خطرہ میں ڈالدے

پس حضورؐ نے علما سو کو دجال کہہ کر مسلمانوں کو ان کے شر اور فتنہ سے آگاہ کر دیا ہے کہ جو مشہور دجال ہوگا علما سو کا خطرہ اس سے بڑا ہے تاکہ لوگ اس کے چوغہ دستار پر بھول کر بے پروا نہ ہو جائیں۔ اور اس کے پیچھے نہ لگ پڑیں۔

بے چارے مولوی حالی کی روح میرے کاندھے سے کاندھا ملا کر کھڑی ہو گئی اور جب یہ احادیث بیان کی گئیں تو مولوی حالی نے یہی کہا کہ اے الہ العالمین ہم نے اگر علما سو کو برا کہا ہے تو ان کو کہا ہے جنہیں خود آپ کے قرآن نے۔ آپ کے نبیؐ نے اپنی زبان سے بھی برا کہا ہے۔ باقی رہے وہ علمائے ربانی و حقانی تو ان کو وہ کونسا کلمہ گو مسلمان ہوگا جو ان کی شان میں ایک لفظ یا ایک اشارہ بھی خفت یا تحقیر کا ایک کلمہ بھی منہ سے نکال جائے۔

علمائے ربانی کی تعریف میں حضرت مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ (مثنوی)

بندگان حق رحیم و بردبار	خوئے حق دارند در اصلاح کار
مہربان بے رشوتان یاری گران	در مقام سخت و در روز گران
ہین بجو ایں قوم را اے مبتلا	ہیں غنیمت دار شان پیش از بلا

اے الہ العالمین۔ چونکہ یہ بیان اب خلاف معمول طور پر طویل ہو گیا کہنا اسی پر بس کرتا ہوں۔

ملا کے قرآن فہمی کی کہانی خود ملا کی زبانی

یہ قرآن فہمی کے مدعی ان دعوے گران قرآن فہمی کے دعوئ قرآنی کا جواب اپنی زبان سے نہیں بلکہ ایک بڑے جید عالم کی زبان سے عرض کرتا ہوں۔

دیکھا آخر کہ نہ پھوڑے کی طرح پھوٹ بہے
ہم بھرے بیٹھے تھے کیوں آپ نے چھیڑا ہم کو

عمل قرآن کو بیکار بنانے والی بوالعجب تفسیریں

مولانا قریشی صاحب لکھتے ہیں۔

قرآن کریم دین اور دنیا کی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن ہم مسلمانوں کے پاس قرآن تو ہے۔ مگر نہ دین ہے نہ دنیا ہے۔ اس کا سبب ظاہر ہے کہ قرآن پاک کی ضامن ترقی ہونے کا یہ معنی نہ تھا کہ کمیاب رنگ برنگ کے ریشمی اور اطلسی جزدانوں میں لپٹی طاقچوں پر دھری رہے۔ اور پھر قوم معراج ترقی پہ پہنچ جائے۔ قرآن عمل کے لئے تھا اور ترقی عمل سے وابستہ تھی۔ ہم نہ تو قرآن کے مفہوم سے آگاہ ہیں اور نہ قرآن پر عمل کرتے ہیں۔ مگر ترقی کے خواب ضرور دیکھتے ہیں۔ اس حالت میں ان خوابوں کی تعبیر کیا ہو۔

نارسائی حقیقت

سوال یہ ہے کہ مسلمان عمل قرآن کے جوہر سے کیوں محروم ہو گئے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ جب تک قرآن کریم کا مفہوم اپنی فطری سادگی پر قائم رہا۔ منطقی الجھنوں سے پاک رہا اور انسانی تخیلات اور اوہام کی اس میں آمیزش نہ ہوئی۔ لوگ اس کی آیات کو ہدایت عمل کے لئے پڑھتے تھے تو اس کا حقیقی مفہوم بھی سمجھتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ مگر جب علم کا دور آیا اور علمائے عمل جاتے رہے اور علمائے علم تشریف لے آئے تو بقول (دع) ہر کہ آمد عمارت نو ساخت پر عملدرآمد شروع ہوا اور قرآن کے ہر ہر لفظ پر اختلاف، تحقیق کی نئی نئی عمارتیں تیار ہونے لگیں۔ تو آیات اور الفاظ کا مفہوم ہی گم ہو گیا زید نے ایک طرح کی تفسیر کی تو عمر نے اس کی تردید کی۔ اس کے بعد خالد اٹھا اور اس نے زید اور عمر دونوں کو رد کر دیا۔ اس ردوبحث کا نتیجہ یہ ہوا کہ آیات کا مطلب

ہی فوت ہو گیا۔

؏ شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا

ان تعبیروں اور تفسیروں کے ہجوم ہی کا اثر ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ ایک جھگڑا بن رہا ہے۔ ہر آیت ایک معما ہو گئی ہے اور مفہوم کے ناقابل ہو رہی ہے بیچارے مسلمان اب جس چیز کو سمجھتے نہیں ہیں تو اس پر عمل کس طرح کریں۔

تحقیق الفاظ کا مرض

قرآن پاک عمل و ہدایت کے بجائے کس کس طرح بحث و قصص کی ایک ناقابل فہم کتاب بنایا گیا اور عمل کے میدان سے خارج کر دیا گیا۔ اس کے متعلق چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

آپ سب سے پہلے لفظ اللہ کو لیجئے۔ علما نے اس پر بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ اللہ کا لفظ مشتق ہے یا جامد؟ پھر مشتق کے حامیوں کا اس بارہ میں سخت اختلاف ہے۔ کہ یہ لفظ کس سے مشتق ہے؟ ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ لفظ آلہ سے مشتق ہے۔ دوسری جماعت کہتی ہے کہ نہیں یہ لفظ الہ سے مشتق ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ الہیت سے مشتق ہے۔ چوتھا فریق کہتا ہے کہ آلہ بمعنی فزع (فریاد) سے مشتق ہے۔ پانچواں فریق کہتا ہے آلہ بمعنی حرص کرنا سے مشتق ہے۔ ساتواں فریق اللہ کو سریانی الاصل قرار دیتا ہے کہ یہ لاہا کا معرب ہے پھر ایک جماعت نے دوسرے کی کمزوریاں بیان کی ہیں اور اپنے دعوے کے دلائل بیان کئے ہیں۔ اس پر ایسی طویل بحثیں تفسیروں میں لکھی ہیں کہ جو شخص کسی وقت بھی اگر اللہ سے نہ ڈرا ہو تو وہ لفظ اللہ کی طوالت بحث سے ضرور ڈر جائے گا۔ اور یہ حشر صرف اللہ کے لفظ پر ہی نہیں گذرا۔ رحمٰن۔ رحیم۔ سما۔ کرسی۔ ملائکہ۔ کو تہ یا جہاں پر بھی اگر کوئی نیا لفظ آیا ہے وہیں تفسیروں میں سارے جہان کی ڈکشنریاں کھولدی گئی ہیں۔ آخر ان بحثوں سے مطلب کیا ہے۔ اللہ ایک سادہ سا لفظ ہے۔ سب

لوگ اس کے مفہوم کو سمجھتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ کے تمام صفات قرآن شریف کے اندر درج ہیں۔ علم لغت ایک بالکل الگ تھلگ علم ہے۔ جو شخص کسی قرآنی لفظ کی تحقیق کرنا چاہے وہ البتہ لغت کی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔ قرآن پاک کے اندر دنیا بھر کی لغوی تحقیقات کو داخل کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک شخص اس غرض سے تفسیر قرآن کو کھولتا ہے کہ وہ روحانی راست بازی اور تزکیۂ نفس حاصل کرے مگر اس کے بجائے وہ اپنے سامنے ایک ڈکشنری کی کتاب کھلی ہوئی پاتا ہے اور گھبرا کر پیچھے کو ہٹ جاتا ہے۔ اب عمل کس پر ہو۔

قرأت کی نزاع

اگر کسی لفظ کی لغت سے خلاصی ہوتی ہے تو قرأت والے اس کو لے بیٹھتے ہیں کہ اس کو ادا کیونکر کیا جائے ناظرین کو معلوم ہے کہ مسلمانوں میں مالک یوم الدین اور ولا الضالین میں۔ مالک ارض پر کس قدر جنگ وجدل برپا رہا ہے۔ ایک شخص اس کو مَلِک پڑھتا ہے تو دوسرا اسکو مالک کہتا ہے۔ ض کے لفظ کی بحث تو اس قدر اہمیت اختیار کر گئی ہے کہ گویا نماز اور جماعت کا کلی انحصار اور نجات کا مدار ہی ض پر ہے ض کے لفظ پر بحثیں ہوتی ہیں۔ لاٹھیاں چلتی ہیں۔ دور سے مولوی بلائے جاتے ہیں۔ اور کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ قرآن قرأت کے لئے نہیں بلکہ عمل کے لئے نازل ہوا ہے۔ اب قرأت کی سب کو فکر ہے لیکن عمل کی نہیں۔

کرسی کی تشریح

الفاظ کے نحوی تحقیق اور قرأت کے بعد عام فہم اور تشریح کا میدان آتا ہے۔ علمائے کرام نے اس بحر ناپیدا کنار میں بھی وہ غوطے کھائے ہیں کہ الفاظ کی روح یعنی عمل تو گم ہو گیا ہے اور دوسرے صدہا نئے جھگڑے پیدا کر دیے ہیں۔ قرآن پاک کے اندر ایک آیت ہے۔ وسع کرسیہ السمٰوات والارض ماقبل اور مابعد کی آیات سے ایسا معلوم ہوتا ہے

معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے صاف اور سادہ معنی یہ ہیں کہ خدا کی سلطنت اور حکومت زمین اور آسمان سب پر حاوی ہے۔ لیکن مفسرین کی نقطہ آفرینی سادگی معنی پر کیب قائد ہو سکتی ہے۔ انہوں نے کرسی کے لفظ کر خیال آورائی کی بنیاد دیکر حسب ذیل حقائق کا انکشاف فرمایا ہے۔

(۱) کرسی اسی جگہ کا نام ہے جہاں خدا کے پاؤں ٹکے ہیں (عن السدی)

(۲) خدا کی کرسی اتنی بڑی ہے کہ زمین و آسمان اس کے جوف میں سما سکتے ہیں اور خدا کا عرش کرسی سے بھی بڑا ہے اور اس قدر بڑا ہے کہ جیسے ایک وسیع میدان کے بالمقابل ایک لوہے کا چھلا۔ (عن السدی عن ابی ذر)

(۳) عرش اور کرسی دونوں ایک ہیں (عن الحسن)

(۴) خدا کی کرسی آسمان کے اوپر ہے۔ (نیشاپوری)

(۵) خدا کی کرسی عرش کے زیر ہے۔ (عن السدی)

(۶) خدا کرسی پر بیٹھتا ہے اور اس کی کرسی میں اس کی پوری سمائی ہو جاتی ہے کہیں چار انگل بھی جگہ نہیں بچتی۔ کرسی سے چرچراہٹ کی آواز بھی آتی ہے جس طرح کہ کسی بھاری بھرکم آدمی کے بیٹھنے سے چرچراہٹ پیدا ہوتی ہے۔ (عن عبداللہ بن خلیفہ)

یہ نکتہ آفرینی بھی کس قدر قابل داد ہے کہ خدا کی کرسی کا طریق استعمال محل وقوع طول اور عرض وغیرہ۔ کرسی کا زینہ۔ کرسی کا لچکدار ہونا۔ اس قدر بے تکلفی سے بیان کیا جاتا ہے کہ گویا ابھی آسمان سے اس کی پیمائش کر کے اترے ہیں۔ اس کے ساتھ اگر اتنا اور بیان کیا جاتا کہ اس کرسی کو کتنے فرشتوں نے مل کر بنایا ہے؟ عمارت کب تک شروع رہی؟ لوہا۔ لکڑی۔ لعل و جواہرات کہاں کہاں سے فراہم ہوئے۔ کل لاگت کیا آئی۔ تو یہ تمام بحث پوری ہو جاتی۔ جائے غور ہے کہ جس قوم کے علما زمین پر بیٹھے ہوئے عرش اور کرسی کی پیمائش کرنے پر قادر ہوں۔ انہیں عقل اور ترقی کی کیا ضرورت ہے

(الخ الخ)

سورۂ نسا میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ آتش دوزخ سے جب گناہگاروں کی کھالیں گل جائیں گی تو ہم اس غرض سے کہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں گلی ہوئی کھالوں کی جگہ ان کی دوسری کھال بدل دیں گے۔ اس آیت کے اندر کوئی پیچیدہ یا کوئی ابہام نہیں ہے۔ گناہگاروں اور بد اعمال لوگوں پر بعد مرگ جو تکلیف وہ وقت آنے والا ہے اس کا نہایت ہی موثر الفاظ میں نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس کا مقصود محض یہ ہے کہ انسان راستی اور پاکبازی کا راستہ اختیار کرے۔ مگر چونکہ آیت کے اسلوب بیان میں ایک قسم کی ندرت اور انوکھا پن ہے اس واسطے علمائے تفسیر نے اسی ندرت بیان کے سہارے پر خیال آرائی کا ایک بینا بازار منعقد کیا ہے۔ صرف کھالوں کے بدلنے کے الفاظ کو لیکر ارشاد فرماتے ہیں:۔

(۱) دوزخیوں کی جب ایک کھلڑی گل کر گر جائے گی تو ایک دوسری کھلڑی چڑھ جائے گی۔ اور اس کا رنگ سفید کاغذ کا سا ہو گا۔

(۲) کھلڑی ۴۰ گز ہو گی۔ دانت ۷۰ گز اور پیٹ اتنا بڑا کہ اس میں پہاڑ سما جائیں

(۳) ایک دن میں ستر دفعہ کھلڑی گلیگی اور نئی کھلڑی چڑھیگی۔

(۴) ایک دن میں سو کھلڑی بدلی جائیں گی۔

(۵) ایک دن میں ستر ہزار کھلڑیاں آگ سے گل جایا کریں گی اور ہر کھلڑی ۴۰ گز موٹی ہو گی۔

(۶) دوزخیوں کا جسم اتنا لمبا چوڑا کر دیا جائے گا کہ ایک تیز سوار کے لئے دونوں کاندھوں کے درمیان تین دن کی مسافت ہو گی۔

(۷) دوزخیوں کے دانت کوہ احد کے برابر اور جسم کی موٹائی تین دن کی مسافت کے برابر ہو گی۔

(۸) نئی کھلڑیاں جو پیدا ہوں گی وہ دوزخیوں ہی کے گوشت سے بنیں گی۔

(۹) جو کھلڑی بدلی جائیگی وہ اصل ذات کی تبدیلی ہوگی۔ (محکمات)

یہ تو ہوئی صرف کھلڑیوں کی تحقیقات کے متعلق گل افشانیاں۔ اب اس عقدۂ مشکل کو حل کرنے کے لئے علمائے فلاسفہ نے جو نکتہ نوازیاں کی ہیں ذرا وہ بھی ملاحظہ ہوں۔ وہ فرماتے ہیں۔

(۱) کیا یہ جائز ہے کہ ان کھلڑیوں کے علاوہ جو دنیا میں رہی ہیں۔ دوسری کھلڑیاں بدل دیجائیں؟

(۲) اگر کھلڑیوں کا بدلنا جائز ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آخرت کا عذاب اصل آدمیوں پر نہیں دوسروں پر ہوگا۔

(۳) گوشت اور پوست کے لئے کوئی عذاب نہیں۔ کھلڑیوں کا عذاب نفس کو عذاب دینے کا ایک ذریعہ ہے۔

(۴) کھلڑیوں کی تبدیلی سے مراد لباس کی تبدیلی ہے۔

(۵) اگر عذاب کا تعلق روح سے ہے۔ تو خدا جانے براہ راست نفس کو کیوں عذاب نہ دیا۔

(۶) اگر گوشت اور پوست میں بھی احساس کا مادہ ہے تو کیا یہ مادہ کھلڑیوں کے جدا ہو جانے کے بعد بھی ان میں باقی رہے گا۔

(۷) بار بار کھلڑیاں بدلنے سے کیا فائدہ۔ کیا خدا ایک ہی کھلڑی کو جسم پر باقی رکھکر اسی کے ذریعہ مسلسل عذاب دینے پر قادر نہ تھا۔

(۸) جس گوشت اور پوست نے گناہ کئے تھے وہ تو جل گیا۔ کیا نئے گوشت اور پوست کو جلانا جو بالکل بے گناہ ہے صریح ناانصافی نہیں ہے۔

(۹) کھلڑی مراد گندھک کا کرتہ ہے۔

(۱۰) آیت سے حقیقت مراد نہیں بلکہ استعارہ مراد ہے۔

یہود کی راہ

مولوی قریشی اپنے مضمون کے آخر میں جا کر لکھتے ہیں کہ ان دور از کار تحقیقات کا کہاں تک شمار کیا جائے۔ دوزخیوں کی کھلڑیوں کا جلنا تو قیامت کو واقع ہوگا۔ البتہ ہم لوگوں کا دل و دماغ جو کہ ان تشریحات کو پڑھتے ہیں اسی دنیا میں کُڑھنا بھی ہے اور جلنا بھی۔ ہمارے علمائے کرام قرآن پاک کی ایک سادہ سے سادہ آیت سے لیتے ہیں تو پیناہ بخدا اس کے متعلق اسقدر بعید از قیاس باتیں جوڑتے چلے جاتے ہیں کہ خود اس آیۂ پاک کو بھی ان موشگافیوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ غور کرو کہ وہ قوم جو انہیں تفسیروں اور تعبیروں کو قرآن سمجھ رہی ہو۔ وہ قوم اپنی زندگی کو کیا بہتر بنا سکتی ہے۔

اے خداوند عالم کیا تو نے یہود کو مخاطب کر کے یہ نہیں کہا تھا کہ

منهم امیون لا یعلمون الکتاب الا امانیا و ان هم الا یظنون

یعنی انہیں اہل کتاب میں وہ اَن پڑھ بھی ہیں جو کتاب (اللہ) میں ڈھکوسلوں کے ماسوا کچھ نہیں جانتے۔ یہ ان کی صرف ظنی خیال آرائیاں ہی ہیں۔

اس آیت کو سامنے رکھیئے اور دیکھئے کہ کیا یہ ہمارے علما جو ہم کو عرش اور کرسی کی پیمائش اور کھالوں اور دانتوں کا احد پہاڑ کے برابر ہونا بیان کرتے ہیں کیا یہ بالکل وہی ڈھکوسلے نہیں کہ جن پر علما یہود کو تنبیہ کی گئی تھی۔ یہاں یہ بحث نہیں کہ یہ خبریں فی نفسہ صحیح ہیں یا غلط۔ بحث طلب بات یہ ہے کہ آخر یہ خبریں قرآن کی تفسیروں میں لا کر کیوں درج کر دی گئی ہیں؟ قرآن تو دراصل عمل کے لئے تھا اور ان چیزوں کا عمل سے کیا تعلق؟

ایسے عمل سے عاری اور علمائے ظاہر پرست کو حضرت مولانا روم "عالمان گفتار" اور ان کے علم کو "علم گفتاری" کے نام سے مسمی کرتے ہیں۔ اس علم گفتاری کے

متعلق آپ فرماتے ہیں:۔ (مثنوی)

علم گفتاری کہ آں بے جان بود | عاشق روئے خریداراں بود
گرچہ باشد وقت بحث علم زفت | چوں خریدارش نباشد مرد و رفت
ایں خریداران مفلس را بہل | چہ خریداری کند یک مشت گل
گل مخور گل را مخر گل را مجو | زانکہ گل خوار است دائم زرد رو
دل بجو تا دائما باشی جوان | از تجلی چہرہ ات چوں ارغوان
طالب دل باش تا باشی چو مل | تا شوی شاداں و خنداں ہمچو گل

مشابہت علماء سوء بہ علماء یہود

ہمارے علماء سوء کی تحریفات، تفسیحات، تاویلات اور تعبیرات کی بدقسمتی سے آجکل ویسی ہی حالت بن گئی ہے جیسی کہ نزول قرآن کے وقت علمائے یہود کی تھی علماء سوء کی علمائے یہود کے ساتھ مشابہت کو مثال اور استعارے کے ساتھ عارف رومیؒ نے کس خوبی کے ساتھ ہمیں سمجھایا ہے۔ مثنوی کے اندر آپ نے ایک لڑکے کی کہ جس کا باپ مرگیا تھا اپنے مردہ باپ کے تابوت کے سامنے رونے اور آہ و بکا کرنے کا قصہ بیان فرمایا ہے اس میں آپ لکھتے ہیں کہ

(۱) کودکے در پیش تابوت پدر | زار می نالید و بر مے کوفت سر

یعنی ایک لڑکا اپنے مردہ باپ کے تابوت کے سامنے زار و قطار رو رہا تھا اور اپنے سر کو پیٹ رہا تھا۔

(۲) کاے پدر آخر کجایت می برند | تا ترا در زیر خاکے بسپرند

یعنی اے پیارے باپ آخر یہ لوگ تجھے کہاں کو لے جارہے ہیں۔ غالباً وہ تجھے اس لئے لیجاتے ہیں کہ تجھے خاک میں دفن کردیں۔

(۳) میبرندت خانۂ تنگ و زحیر   نے دراو قالی نے فرش و حصیر

یعنی اے میرے پیارے باپ یہ لوگ تجھے تو ایک تنگ اور تاریک ناخوش کن گھر کو لے جا رہے ہیں۔ وہ ایسا گھر ہے کہ اس میں نہ فرش ہے نہ رخت اور نہ سامان۔

(۴) نے چراغ در شب و نہ روز نان   نے دراں بوئے طعام و نے نشان

یعنی وہ تجھے اے باپ ایک ایسے مقام پر لے جا رہے ہیں کہ جس میں نہ رات کو چراغ ہے نہ روشنی ہے اور نہ دن کو کھانے پینے کا کوئی انتظام ہے کھانا تو بجائے خود رہا وہاں بوئے طعام بھی نہیں ہے۔

الغرض وہ لڑکا رو رو کر تابوت پدر خود کے ساتھ اس مقام کی جہاں اس کو لے جا رہے تھے، اس طرح سے اس کی خرابیاں بیان کر رہا تھا۔

مولوی رومیؒ فرماتے ہیں کہ وہاں کوئی مسخرہ لڑکا بھی کھڑا تھا۔ رونے والے کی باتیں سن سن کر اس نے اپنے باپ کو کہا کہ

(۵) گفت جوحی با پدر کاے ارجمند   واللہ ایں را خانۂ ما میبرند

جوحی یعنی کسی مسخرے لڑکے نے اپنے والد کو کہا کہ ابا جان غالباً ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اس تابوت کو شاید ہمارے گھر لیجا رہے ہیں۔

(۶) گفت جوحی را پدر ابلہ مشو   گفت اے بابا نشانیہا شنو

جوحی کی باتیں سن کر اس کے باپ نے کہا کہ بیٹے پاگل پنے کی باتیں چھوڑ دو اس پر جوحی نے پھر کہا کہ اے میرے باپ اس گھر کی نشانیاں اور علامات تو سنو کیا ہو بہو ہمارے گھر کا قصہ نہیں بیان ہو رہا۔

(۷) ایں نشانیہا کہ گفت او یک بیک   خانۂ ماراست بے تردید و شک

(۸) نے حصیر و نے چراغ و نے طعام   نے درش معمور و نے صحن و نہ بام

یعنی اس نے کہا اے ابا جان سوچئے تو جو جو نشانیاں اس نے اس گھر کی بیان کی ہیں۔ ایک ایک پر غور کر کے دیکھو۔ تو معلوم ہوگا کہ ہو بہو ہمارے گھر کی کہانی بیان ہو رہی ہے۔ ہمارے گھر میں بھی نہ کوئی چراغ ہے نہ طعام ہے نہ اچھی خوبصورت عمارت ہے نہ صحن ہے اور نہ کام کی چھت ہے۔ الغرض جوجی نے کہا کہ نام اگرچہ ہمارے گھر کا نہیں لیا گیا۔ لیکن دراصل غور سے دیکھا جائے تو جو حالت قبرستان کی ہے وہی ہمارے گھر کی حالت ہے۔

اس حکایت کو سامنے رکھکر اگر ہم عمیق غور اور فکر سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ قرآن کے اندر خدا نے علمائے یہود کی داخلی اور خارجی برائیوں کا جن الفاظ میں ذکر کیا ہے اگر وہی خرابیاں خود ہمارے ایک دو دس بیس یا زیادہ علماسو کے اندر اسی شکل و صورت کے ساتھ پائی جائیں تو کیا خدا کے نزدیک ایسے علماسو بھی اسی وعید اور اسی سزا کے مستحق نہیں ہوں گے جن کے متعلق کہ علمائے یہود کو تنبیہ کیا گیا ہے گناہ اور اخلاقی برائیاں بمنزلہ زہر ہلاہل کے ہیں۔ اس لئے جو شخص بھی گناہوں اور برائیوں کا ارتکاب کرے گا وہ فوراً ہلاک ہوگا۔ خواہ وہ یہودی، نصرانی ہو یا کلمہ گو مسلمان ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ سنکھیا کا ایک تولہ کھا جانے والا ایک مسلمان مولوی تو بچ جائے لیکن ایک یہود عالم اس قدر یا اس سے بھی کم مقدار میں سنکھیا کھا لینے سے فوراً ہلاک ہو۔ سنکھیا کے زہریلے اثرات سے بچنے اور سلامت رکھنے کے لئے یہی ایک مجرب علاج ہے کہ سنکھیا کھانا چھوڑ دیا جائے۔ گناہ روحانی زہر ہیں۔ گناہ کرنے سے انسان کی روح اور اخلاقی بصیرت مر جاتی ہے۔ گناہ اور اخلاقی برائیاں خدا کو ناپسند ہیں۔ بلالحاظ اس امر کے کہ گناہ کرنے والا یہود ہے یا مسلمان؟

نزول قرآن کے وقت علمائے یہود کی حالت کو دیکھکر اللہ نے ان کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ (قرآن)

یا اھل الکتاب لم تکفرون بآیات اللہ وانتم تشھدون
یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل وتکتمون الحق وانتم تعلمون - یعنی اے اہل کتاب تم کیوں خدا کے دین اور ناقابل انکار احکام کے بارے میں انکار کا باطنی پہلو دلوں میں چھپائے بیٹھے ہو۔ کیوں ان کے مقاصد کو نظرانداز کرتے ہو۔ اس میں تاویل اور مکر پیدا کرتے رہتے ہو۔ حالانکہ تم اچھی طرح سے ان کی غرض اور غایت کو دیکھ رہے ہو۔

اے اہل کتاب تم کیوں حق بات اور صریح حکموں کو باطل کا لباس پہنا کر ان کی اصلیت کو مسخ کر دیتے ہو۔ اور جان بوجھ کر حقیقت اور واقع الامر کو تاویل کے پردوں میں چھپا دیتے ہو تاکہ تمہارے ذاتی عیوب اور کام چوریاں چھپی رہیں۔ (اسی طرح دوسری آیت میں اللہ نے کہا ہے) کہ

قل یا اھل الکتاب لم تکفرون بآیات اللہ واللہ شھید علی ما تعملون۔ الخ الخ

یعنی اے پیغمبر تم ان خائن خدا کے عالموں سے کہو۔ کہ اے اہل کتاب تم کیوں احکام خدا کے بارے میں عملاً انکار کا پہلو قائم کر رہے ہو حالانکہ جو کچھ تم عمل کر رہے ہو خدا اس کو بخود دیکھ رہا ہے۔ اے اہل کتاب تم کیوں خدا کی راہ میں مکر کے پہلو نکال کر تاویل کے زاویے کا ٹکر اس کو کج بنانے کے درپے ہو گئے ہو۔ اور ایمان والوں کو اس پر چلنے سے روک رہے ہو۔

ان آیات قرآنی کے اندر یقیناً مسلمانوں سے خطاب نہیں کیا گیا کیونکہ اس وقت کے مسلمانوں میں یہ برائیاں نہیں پائی جاتی تھیں۔ وہ احکام الہی کے اندر یہود کی طرح سے مکر اور حیل کے خوگر نہیں تھے۔ اس لئے خدا نے علمائے یہود کو قرآنی آیات کے ذریعہ عتاب کیا کہ اے علمائے یہود تم کیوں حق کو چھپاتے ہو اور

کیوں مکر۔ حیلے اور حجتیں گھڑ گھڑ کر حقیقت کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔

علمائے سو کے مکر اور حیلے

خدا کو نزول قرآن کے وقت جو شکایت یہود اور نصاریٰ سے تھی جیسا کہ قرآن میں بار بار اس کا ذکر ہوا لیکن وائے بدنصیبی کہ آج جاہل مسلمان نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے اکثر علما سے ہو بہو وہی حرکات سرزد ہو رہی ہیں اور جن چیزوں کی غیروں سے شکایت تھی آج اپنے وہی کام کر رہے ہیں۔ یہ بالکل وہی چیز ہے جس کی مکمل تصویر اس صادق المصدوق کی دوربیں آنکھوں کے آگے آج سے ۱۴ سو برس پیشتر پھر رہی تھی۔ اس لئے آپ نے مسلمانوں کو ان آنے والے ناخوشگوار اوقات کی طرف متوجہ کر کے پیش گوئی فرمائی اور کہا کہ

(حدیث) لتتبعن سنن من کان قبلکم حذ والقذہ (او جذ والنعل بالنعل) حتی لو دخلوا حجر ضب لدخلتموہ قالوا الیھود والنصاریٰ؟ قال فمن؟ اخرجاہ عن ابی سعید۔

یعنی تم سے پہلے جو قومیں گذر چکی ہیں ضرور ہے کہ تم ان کے سارے طور طریقوں اور چالوں کی ہو بہو پیروی کرو گے۔ یعنی ان کی ساری گمراہیاں اختیار کرو گے۔ صحابہ نے کہا۔ کیا یہود اور نصاریٰ کی بھی؟ فرمایا ہاں اور کون؟

مولانا روم نے مشابہت علماء یہود اور علمائے اسلام کے دریا کو ایک شعر کے کوزے کے اندر کس خوبی کے ساتھ بھر دیا ہے۔ (مثنوی)

آں نشانیہا ہمہ چوں در تو ہست   چوں تو زیشانی کجا خواہی برست

یعنی اے مسلمان (علما سو) جب علمائے یہود کی ساری علامات اور سارے

نقش و نگار اور سارے نشان تجھ میں موجود ہیں۔ پس "چوں تو زیشانی کجا خواہی برست"۔ یعنی جبکہ تو انہیں میں سے ہو گیا ہے تو "کجا خواہی برست" پھر تم اس عذاب اور اس سزا سے کب نجات حاصل کر سکتے ہو۔ جن کی یہود کو وعید سنائی گئی ہے

مولانا ابو الکلام آزاد کی رائے

اے قبلۂ دو عالم ہندوستانی سیاسیات کی آلائشوں کو اگر ایک طرف رہنے دیا جائے تو یقیناً مولانا ابو الکلام آزاد کا مقام علمائے ہندوستان کے اندر اس قدر ارفع اور اس قدر بلند ہے کہ خود ان کے دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ آپ کا علم، آپ کی علمی بصیرت، آپ کا وہ زور بیان۔ آپ کا وسیع تبحر علمی کا مقام دیکھ کر وہ کون ہے کہ جس کی آنکھیں عقیدت اور احترام کے ساتھ نہ جھک جائیں۔

ان علمائے اسلام کے دجل اور فریب کے متعلق میرا کچھ کہنا یقیناً چھوٹا منہ اور بڑی بات کے مترادف ہوگا۔ لہٰذا اس بارہ میں مولانا ابو الکلام کے فتویٰ (تذکرہ ابو الکلام) کا ایک تکڑہ من وعن درج ذیل کرتا ہوں۔

ابو الکلام کا نام سنکر کانگریسی! کانگریسی! کا شور و غوغا بلند کر کے وکیل کہنے لگا کہ اے خداوند عالم یہ وہی ابو الکلام ہے جس کی ساری زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ وہ مسلمانوں سے کٹ کر ہندوؤں کے ساتھ شامل رہا حتیٰ کہ آجتک بھی ہندو حکومت کا غلام بنا بیٹھا ہے۔

میں نے کہا کہ اے رازوں اور بھیدوں کے جاننے والے خداوند، مجھے ابو الکلام کے سیاسی نظریے سے یقیناً اختلاف ہے۔ لیکن اس کے تبحر علمی سے تو اس کا ایک دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا۔ مجھے جمعیتہ العلما لاہور کا سالانہ جلسہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ آجتک اچھی طرح سے یاد ہے۔ جبکہ ہندوستان کے سارے مشاہیر علما

میں جلسہ کے پنڈال پر فرش زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ لیکن اکیلا ہی ابوالکلام
کرسئی صدارت پر رونق افروز تھا۔ فرش زمین پر مفتی کفایت اللہ صاحب۔ مولانا
مدنی صاحب۔ حافظ احمد سعید صاحب اور ایسے سینکڑوں انسان تھے جن کی
امامت، صدارت اور پیشوائی کا فخر اسی ابوالکلام کو بخشا گیا تھا۔ باقی رہا کانگریس
کا سوال یہ ایک نظری اختلاف ہے۔ شریعت کسی کو اختلاف رائے کے حق سے محروم نہیں کرتی
اے خداوند عالم، یہ دکیل خواہ مخواہ چیخ پکار کر کے ہمیں اپنے موضوع سے
ہٹا لیجانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سے اس کو باز رکھنا چاہیئے۔
بہت خوب! تم اپنے موضوع پر جو گفتگو کر رہے تھے اس کو شروع کر سکتے
ہو" دربار قدسی کی طرف سے یہ حکم سنکر میں نے کہا۔
اے الہ العالمین۔ علما کی حیل۔ مکر اور دجل کا قصہ مولانا ابوالکلام نے اپنے
تذکرہ میں پوری پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ جس کا ایک ٹکڑہ درج کرتا ہوں۔

زمانہ حال کے فتویٰ باز حیلہ ساز مولوی اعتقاداً ملحد نہیں ہیں بلکہ عملاً ملحد ہیں

"بہرحال سلسلۂ سخن بلا قصد بہت دراز ہو گیا۔ مقصود یہ تھا کہ بدعت حیل منجملہ
مصائب عظیمۂ اسلام کے ہے جس نے مسلمانوں کی عملی زندگی کو بالکل بے روح
کر دیا۔ اور مقاصد شریعت فوت ہو گئے۔ یہ جو تم دیکھتے ہو کہ عموماً علما دنیا اور فقہا
دولت کا گروہ تزکیۂ نفس و اخلاق سے بالکل کورا ہوتا ہے۔ اور اصلاح و تصفیۂ باطن
کی روح انکی زندگی کی کسی شاخ میں نظر نہیں آتی۔ دنیا سازی و سخن پروری۔ حیل و
اختلاف و مکر و ریا کو شریعت کا علم و عمل سمجھتے ہیں۔ اور اپنی خشکی دماغ و عبوسیٔ طبع و سوء

فکر میں ٹھیک ٹھیک ان صدوقیوں اور فریسیوں کا نمونہ ہوتے ہیں جن کا نقشہ حضرت
مسیح علیہ السلام نے اپنے مواعظ میں کھینچا ہے۔ اور جن کی نسبت وہ بار بار کہتے
تھے کہ "ضمیر مایۂ فریسیاں کی روٹی نہ کھاؤ" تو اس کا اصلی سبب کیا ہے؟ یہی حیلہ
سازی و بہانہ جوئی۔ ظاہر آرائی و باطن خرابی۔ اخلاق حسنہ اور سچی خدا پرستانہ زندگی کا
سارا دارومدار تصحیح نیت و باطن پر ہے۔ جب خود اعمال شریعت میں اس کی قید
اٹھ گئی اور سمجھ لیا گیا کہ حیلوں بہانوں سے یہاں بھی کام نکالا جا سکتا ہے۔ تو پھر
اخلاق کہاں باقی رہا؟ زکوٰۃ کا اصل مقصد شارع تو یہ بتلاتے ہیں کہ "یوخذ من
اغنیاءھم ویرد علیٰ فقرائھم" جس سے ظاہر ہوا کہ محض کوئی ظاہری رسم ادا
پوری کر دینا مطلوب نہیں ہے بلکہ اغنیا سے فقرا کو مال دلانا اور ان کی حاجت روائی کرنا
تاکہ قوم کا کوئی طبقہ محتاج نہ رہے۔ مگر یہ دین باز اس کا یہ مطلب بنا لیں کہ اگر صرف
دکھلاوے کی بات پوری کر دی تو حکم زکوٰۃ ساقط ہو گیا۔ پھر ایسی حالت میں سچی خدا پرستی
اور راست بازی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟

یہ لوگ بھی درحقیقت ملحد ہیں۔ لیکن ان کا الحاد۔ الحاد اعتقادی نہیں ہے۔ بلکہ
عملی ہے۔ اور دنیا میں ہمیشہ الحاد فی العمل ہی زیادہ رہا ہے۔ اعتقادی ملحد تو ہمیشہ
مثل شواذ خلقت و نوادر انسانیت کے رہے اور رہیں گے۔"

علماء سو کی حیلہ جوئی

حیلہ جوئی

"اصل فطرت انسانی تصدیق ہے نہ کہ انکار۔ بڑی حقیقت اس
سے یہ پیدا ہوئی کہ عوام امت کا سارا معاملہ علماء کے
ہاتھ میں تھا جب خود ان کے عمل کا یہ حال ہوا تو پھر عوام کا کیا
پوچھنا۔

زکان رب البیت بالطبل ضاربا   فلا تلم الاولاد فیہ علی الرقص

لکھتے لکھتے ایک بات یاد آگئی۔ ہمارے زمانہ کے بعض مشہور ملاؤں کی نسبت ہی خصوصیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ اسی حیلۂ زکوٰۃ پر عمل کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے مجھسے ایک مولوی صاحب کی نسبت کہ مدرس بھی ہیں واعظ بھی ہیں اور حیلل و مکائد کے بعض رسائل کے مصنف بھی۔ بیان کیا کہ وہ ہرسال اپنا اندوختہ بیوی کے نام ہبہ کر دیتے ہیں۔ اور پھر وہ نیک بخت اسی کارو عمل کرتی ہے۔ ان کے استاد جناب محمود الحسن صاحب دیوبندی نے جب یہ سنا تو ایسا کرنے سے ان کو روکا کہ یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ میں نے یہ سنکر کہا کہ تقویٰ تو مزید ایک درجہ عمل فضیلت ہے اس کا یہاں ذکر ہی کیا۔ یوں کہنا چاہیئے کہ سرے سے دین اور شریعت ہی کے خلاف ہے۔ اور ایک نہایت غلیظ قسم کا باطنی فسق اور کامل قسم کی یہودیت ہے اور اصحاب السبت کے شجرۂ ضلالت سے پورا پورا استلحاق۔ خیر دنیا کی زندگی ہے اور دنیا والوں کے احکام و افکار سے مقابلہ ہے جو جی میں آئے کریں۔ اور ابلیس خادع کی ہر کھوئی ہوئی راہ کو صراط مستقیم سمجھ لیں۔ لیکن ایک دن آنے والا ہے جب نیتوں کے بھیدوں کو جاننے والا اور سرائر و خفایائے قلوب کا دیکھنے والا سامنے ہوگا اور اس وقت یہ ساری مکاریاں اور حیلہ بازیاں جو دنیا والوں کو دھوکہ دیتی تھیں دھری کی دھری رہ جائیں گی۔ (الخ)"

یہود ھٰذہ الامۃ

یعنی اس امت محمدی کے یہود کے متعلق ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ حضرت مخدوم الملک کی دولت اور تمول کا یہ حال تھا کہ صرف اس کے گھر کے صندوقوں ہی میں نہیں بلکہ خاندانی قبروں میں بھی سونے چاندی کی اینٹیں ہی مدفون تھیں اور یہ تمام مال ،

زمانہ شیخ الاسلام کے غصب و تصرف و اکل اموال بالباطل کا اندوختہ تھا۔ طرح طرح کے تمام نہاد شرعی حیلے بہانے بنا رکھے تھے۔ اور ان کی آڑ میں بندگان الٰہی کو لوٹتے اور کھسوٹتے تھے۔ جب عہد اکبری کا نیا دور شروع ہوا اور ان کی ہوا اکھڑی تو عجیب عجیب باتیں کھلیں کہ باایں ہمہ دولت و تمول عمر بھر کبھی زکوٰۃ نہیں ادا کی۔ زکوٰۃ سے بچنے کے یہ حیلہ گھڑ لیا تھا کہ ہر سال کے آخر میں اپنا تمام خزانہ بیوی کے نام ہبہ کر دیتے تھے اور ان کی بی بی ایک سال پورا ہونے سے پہلے ان کے نام بخش دیتی۔ اس طرح حول کامل کسی پر نہ گذرتا جو کہ ادائے زکوٰۃ کی شرط ہے۔ (ملا عبد القادر بدایونی کی زبانی یہ کہانی کیا بھلی لگتی ہے)

"و غیر ازیں نیز حیلہ ہائے دیگر کہ حیل بنی اسرائیل پیش آں شرمندہ است و ہم چنیں خست و رذالت و خباثت و جہالت مکاری و ستم کاری او کہ بمشائخ و فقرائے دیار و ضعوہ بہ ائمہ مساجد و اہل استحقاق پنجاب نمودہ بود یک بہ یک ظہور پیوست و سر یوم تبلی السرائر بر ضمائر ظاہر گشت و حکایاتے کہ مشتمل بر انواع اہانت و استخفاف و مذمت او بود ہر روز در مجلس تقریر مے کردند و قرار چناں یافت کہ بجبر اً و قہراً او را بمکہ یا مدینہ فرستند و چوں از و پرسیدند کہ حج بر تو فرض شدہ؟ گفت کہ نے!"

اگرچہ ٹھیک ٹھیک طور پر یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ احبار یہود اور اصحاب السبت کے بعد امت اسلامیہ میں سب سے پہلے کن "ھذہ الامت" نے ان مکروں اور حیلوں کی اسلام کے اندر بنیاد ڈالی اور شریعت الٰہی کو نفس و شیطان کا بازیچہ لہو و لعب بنا یا مگر یہ معلوم ہے کہ دوسری صدی کے اوائل ہی میں بعض فقہائے دنیا و عبید السلاطین اور متفقہین بالظن والارائے نے یہ حیلہ تراشیاں شروع کر دی تھیں اور تیسری صدی میں اہل امت کے صدوقیوں اور فریسیوں نے کتاب الحیل کو بھی منجملہ ابواب فقہ کے قرار دے دیا تھا جس کا پتہ ان اقوال سے چلتا ہے جو نام نہاد حیل و احتیال شرعیہ کی نسبت

ائمہ اسلام کے منقول ہیں اور جن کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے بعض فتاوی میں جمع کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے ایک حیلے کا حال سنکر کہا کہ

(ترجمہ) اسلام میں لوگوں نے حیلے پیدا کرنے کی بدعت رائج کی ہے سو جو شخص ان پر فتوے دے وہ کافر ہے۔

شریک بن عبداللہ قاضی کوفہ سے جب کتاب الحیل کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا "من یخادع اللہ یخدعہ" یعنی حیلے نکال نکال کر شریعت کی تعمیل سے بچنا خود خدا کو دھوکہ دینا ہے۔ اسی طرح حفص بن غیاث نے کہا کہ کتاب الحیل پر لکھدو کہ یہ کتاب الفجور ہے۔ یزید بن ہارون نے کہا ہے کہ لقد افتی اصحاب الحیل لشیئی لو افتی الیہود کان قبیحا۔ یعنی ان حیلہ تراشوں نے یہودیوں کو بھی مات کر دیا ہے (الخ) آگے جاکر لکھتے ہیں کہ ان تمام تصریحات سے بڑھکر یہ ہے کہ قرآن حکیم نے صاف صاف لفظوں میں بتلا دیا تھا کہ یہودیوں کی ضلالت و مغضوبیت و ملعونیت کے اعمال خبیثہ میں سے ایک بڑا فتنہ یہ تھا کہ شریعت الٰہیہ کے احکام قطعیہ مصلحہ سے بچنے کی خاطر طرح طرح کے حیلے حوالے اور بہانے نکالتے تھے کہ یوں سمجھتے تھے کہ خدا کا معاملہ بھی فریب خوردہ انسان کا سا ہے کہ اگر کسی حیلہ مکر سے ظاہری صورت کو ٹھیک کر لیا جائے تو حقیقت کی اس کو خبر نہ ہوگی"۔

یہی خطرہ تھا جسکو دیکھکر حضور سرور عالم نے صاف اور واضح الفاظ کے اندر مسلمانوں کو ذہن نشین کرا دیا تھا

(حدیث) لا ترتکبوا ما ارتکبت الیہود فتستحلوا محارم اللہ بادنی الحیل۔

یعنی حضور صلعم نے فرمایا (کہ اے مسلمانو) وہ کام نہ کرنا جو یہودیوں نے کیا کہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ادنی حیلوں بہانوں سے حلال کر لو۔

مگر افسوس کہ ہوا وہی کہ جس کا اس صادق و مصدوق کو خطرہ تھا حتیٰ کہ اس امت میں بھی ویسے صندوقی اور قرنیسی پیدا ہو گئے۔

اور آگے چل کر ایک جگہ تذکرہ میں مولانا ابو الکلام آزاد صاحب لکھتے ہیں۔ یہ ضلالت اس درجہ سے بھی بڑھ گئی یہاں تک کہ مسائل حیل و اختیال تفقہ سوئے زعومہ کا ایک باقاعدہ باب و مبحث بن گئے۔ اور رفتہ رفتہ فقہائے دنیا کے لئے صرف ذہانت و نمایش فقاہت۔ اظہار علم و درایت وغیرہ کا بڑا دلچسپ و جالب قلوب میدان یہی حیلہ بازی قرار پا گئی۔ اسی کتاب میں اور آگے جا کر ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ دنیا کی تباہی کے لئے اس سے بدتر دقت اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ خدا کا پاک نام تھے سے کہ اس کی دنیا میں برائی پھیلا جائے۔ کتنی ہی زنا کاریاں ہیں جو حیلے نکال نکال کر نکاح شرعی بنائی گئیں کتنے ہی غصب اور ظلم اور اکل اموال بالباطل کے رذائل ہیں کہ جن کو ایک شرعی معاملہ بنا کر جائز کیا گیا۔ کتنے ہی عقود فاسدہ ہیں کہ جن کو اسی شیطانی حیل نے جائز کیا کر بندگان الٰہی کے حقوق تلف کرائے۔ کتنے ہی حج ہیں کہ جو ساقط ہو گئے۔ کتنی ہی زکاتیں ہیں جو کبھی ادا نہیں کی گئیں۔ کتنے ہی شارب الخمر اور زانی محصن ہیں جو حدود شرعیہ سے صاف بچا لئے گئے۔ الخ"

اندریں بارہ مولانا ابو الکلام آزاد نے بڑی تحقیق و تدقیق فرمائی ہے۔ اس سارے فیصلہ کو بیان کرنا خلاف معمول طوالت کا باعث ہوگا۔ ہم نے اس لئے اس میں سے منتشر منتشر اور متفرق ٹکڑے درج کئے ہیں۔

ایسے ریاکار دعویٰ گران ایمانی کے حیلوں بہانوں اور مکر و دجل سے تنگ آ کر کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

زبان کشیدہ بدار القضائے عجب دریا بشہود کذب ز دعویٰ گران ایمانی
اگر حقیقت اسلام در جہان این است ، ہزار خندہ کفر است بر مسلمانی

اپنی لوگوں کی حیلہ بازیوں سے گھبرا کر مولانا روم نے بھی ان کے خلاف فریاد کی ہے

(مثنوی)

زو بیان زیرک آخر زماں | بر فزودہ خویش بر پیشیاں
حیلہ آموزاں جگر ہا سوختہ | فعل ہا و مکر ہا آموختہ
صبر و ایثار و سخائے نفس و جود | باز دادہ آں بود اکسیر سود

خدا کے کاموں میں حیلہ جوئی

خود خدا کے کاموں میں حیلے بہانے اور مکر کرنا ضعف ایمانی نہیں بلکہ بالکل بے ایمانی کی علامت ہے۔ حافظ شیرازی نے بالکل سچ کہا ہے۔

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند | چوں بخلوت می روند آں کار دیگر می کنند

حافظ کا یہ شعر عام طور پر سننے میں آتا ہے۔ لیکن اس سے اگلا شعر اس سے بھی زیادہ پر اثر اور پر معانی ہے۔ آپ نے کہا ہے کہ جو لوگ اس طرح ریا کاری برتتے ہیں وہ (شعر)

گوئیا باور نمی دارند روزِ داوری | کیں ہمہ کذب و دغل در کار داور می کنند

اے خداوند عالم! ایک معمولی فہم اور عقل والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے اندر کوئی چیز بھی مفت اور رائگاں نہیں ملا کرتی۔ ہر چیز کی ایک قیمت ہے۔ دنیا کے اندر ہر جگہ لین دین کا سلسلہ جاری ہے۔ ہم زمین میں کھاد ڈالتے ہیں تو وہ ہمارے گھر غلہ کے انباروں سے بھر دیتی ہے۔ لیکن اگر ہم نہ کھاد ڈالیں اور نہ زمین کو ہل چلائیں تو وہ بھی ہرگز پیداوار نہیں دے گی۔ ہمیں یہ سلسلہ لین دین کا ایثار اور قربانی کا قدم قدم پر جاری اور ساری نظر آتا ہے۔ اگر سگڑی اور کوئلہ جلنے سے انکار کر دے اور چاہے کہ بغیر ایثار اور قربانی کے کسی کا گھر گرم ہو جائے یا کسی کی روٹی اور کھانا

پک جائے۔ یا کسی کا بھوکا پیٹ بھر جائے یا ایک گندم کا دانہ اپنی ہستی کو مٹائے بغیر صحیح و سالم پڑا رہے اور چاہے کہ گندم کی فصل پیدا ہو اور زمیندار کا گھر غلے سے اٹ جائے۔ یا ایک گندم کی روٹی یہ چاہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوئے بغیر اپنی ہستی قربان کئے بغیر کسی مزدور کو قوت اور طاقت اور زندگی میسر آجائے تو یہ بالکل ناممکن ہے اور خدا کے قانون جاریہ کے بالکل برخلاف ہے۔

یہی حال ہے زکوٰۃ اسلامی کا۔ زکوٰۃ کا منشا یہ ہے کہ اپنا مال بغیر کسی وجہ کے محض اللہ واسطے دینا دینے سے اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے۔ بخل کی عادت کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ ایثار قربانی غریبوں سے ہمدردی کا جذبہ قوت پکڑ جاتا ہے۔ خدا کے فرمان اور اطاعت کی خوبی اور عادت زور پکڑ جاتی ہے۔ نفس اور شیطان کی سرکوبی ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنا مال غیروں کو دینے سے نفس امارہ روکتا ہے۔ لیکن اگر نفس کی آرزو کے خلاف عمل کیا جائے تو نفس اصلاح پذیر ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک نہیں دو نہیں سینکڑوں فائدے اس کے اندر مضمر ہیں لیکن اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ زکوٰۃ کا مال دیئے بغیر . . . . . . صرف اپنی بی بی کے نام ہبہ کر دیا جائے اور پھر سال ختم ہونے سے پہلے وہ نیک بخت وہی مال خاوند کو واپس دیدے تو اس سے کیا ایثار اور قربانی ہوگی۔ اس کا کسی کو کیا فائدہ ہوگا۔ یہ تو محض وہی بات ہوئی کہ اپنا سونا ایک صندوق سے نکال کر دوسرے صندوق میں رکھ دیا جائے اور بغیر کسی بھوکے کا پیٹ بھرے اور بغیر کسی ایثار اور قربانی کرنے کے مفت میں ثواب کا حقدار ٹھہرے یہ تو بالکل اے خداوند عالم تیری درگاہ میں ایک قسم کا ٹھٹھول کرنا ہے اور ایک تمسخر بازی ہے۔ نہ کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے۔ اس چیز کو مولانا روم نے مثنوی میں خوب سمجھایا ہے۔

صدق جان باشد درون ایثار را — صد علامت است نیکو کار را
مال در ایثار اگر گردد تلف — در درون صد زندگی آید خلف

سیر بد باید از دمت ... در سر درد تابہ اے لائق غمت
ساند حاذق در مصاف ... تو بہ جلدی از ہو کم کن گزاف
از مشک کاں بوئے بیاد ... اندم تو بے کند مکشوف راز
گل شکر خود دم ہے گوئی دیر ... میز بند از سیر کہ یا دہ مگو
درمیان نافداں زرقی متن ... یا محک اے قلب دوں لائق مزن

فلسفۂ زکوٰۃ

ماہرین علم النفس جدید وقدیم سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قلب انسانی کے اندر نیک اور بد صفات دونوں رکھی گئی ہیں۔ ان صفات باطنی کی بھی زندہ جانداروں کی طرح سے خوراک مقرر ہے۔ جب تک ان کو اپنی خوراک ملتی رہے وہ زندہ رہتی ہیں بلکہ خوراک کے حسب منشا ملنے سے وہ چاک چوبند اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی ہیں۔ ان اوصاف قلبی کی خوراک انسانوں کی طرح سے دال۔ چاول۔ آٹا نہیں بلکہ ان کی خوراک ہے ان کی خواہشات نفسانی کا میسر آنا اور مقتضیات طبعی کا فراہم ہونا۔ جب تک ان کو ان کے حسب منشا ان کے مقتضیات ملتے چلے جاوینگے وہ زندہ رہیں گی ورنہ وہ بھوک سے نحیف اور کمزور ہو کر مر جائیں گی۔

پس معلوم ہوا کہ ہماری صفات خبیثہ قلبی مثلاً بخل۔ زنا۔ چوری۔ وغیرہ کی خواہشات کو اگر روکا جائے اور ان کی مقتضیات طبعی کے مطابق اگر عمل کرنے سے انکار کر دیا جائے تو یہ اوصاف رذیلہ کمزور ہوتے جاتے ہیں اور اس طرح سے کمزور ہو کر ایک دن مر جاتے ہیں۔ صفات باطنی میں سے بخل ایک بہت بری نفسیاتی بیماری ہے دوسری صفات کی طرح بخل کے طبعی مقتضیات ہیں۔ مثلاً بخل چاہتا ہے مال جمع کرنا۔ سونا چاندی سمیٹنا۔ غریب یتیم۔ بیوہ۔ وغیرہ مستحقین کسی کی معاونت نہ کرنا۔

جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ ہر صفات خبیثہ قلبی کی ایک علیحدہ غذا ہے جب اس کی وہ غذا اس سے روک دی جاتی ہے تو وہ صفت خبیثہ بھوک سے اور خوراک کے نہ ملنے سے خود بخود ہلاک ہو جاتی ہے۔ صفات خبیثہ قلبی کی خوراک یہی کہ اس کی صفات کے مقتضیات کے مطابق کام کیا جائے۔ یہاں ہم چونکہ صفت بخل سے بحث کر رہے ہیں لہذا بخل کو ختم کرنے اور خبث بخل کو مٹانے کا علاج یہ ہوا کہ بخل کے مقتضیات اور منشا کے مطابق عمل نہ کیا جائے۔ جہاں صفت بخل چاہتی ہے کہ مال و زر جمع کرتا چلا جائے۔ بخیر یہاں سونے اور چاندی کی بھرتا چلا جائے لیکن ان کو خرچ نہ کرے۔ کسی کی حاجت روائی پر ایک روپیہ دے ڈالنا بھی مشکل معلوم ہوتا ہو حق داروں کا حق ادا نہ کرے۔ بیماروں اور محتاجوں کی معاونت نہ کرے خیرات اور زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ تو اب صفت خبیثہ بخل کا علاج یہ ٹھہرا کہ مال و زر کی محبت اور عشق کو کم کرتا جائے۔ مال و دولت جمع کرنے کی بجائے لوگوں کی حاجت روائی کرے، محتاجوں اور یتیموں کی ضروریات پر مال خرچ کرنا بتدریج اور بہ تکلف اپنی عادت بنالے اس سے بخل کا روگ کمزور ہوتا چلا جائے گا۔ اور پھر اگر بار بار کوشش کی جائے اور نفس کے ساتھ جہاد کیا جائے اور جب کبھی بھی ایسا موقع پیش آئے تو مقتضیات نفس کو ٹھکرا کر بذل مال کی عادت پیدا کرے تو یقیناً آہستہ آہستہ اس کے بخل کا مرض ختم ہو جائیگا اور خبث بخل بالکل مر جائے گی

زکوٰۃ کا نفسیاتی منشا
حیلہ جو علما کا فریب

حیلہ جو علما جہاں مسلمانوں کو فریب دے رہے ہیں اس کے ساتھ ہی ساتھ خود کو بھی مبتلائے دجل کر رہے ہیں اور دھوکہ دے رہے ہیں۔ بھلا زکوٰۃ ادا

کئے بغیر محض ظاہری اور رسمی حیلوں بہانوں سے کس طرح ادا ہو سکتی ہے۔ ہر جسمانی عبادت کا منشا ظاہری رسوم تک محدود نہیں ہوتا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی یا کوئی بھی اور عبادت ہو ان سب کا منشا قلب اور ذہن میں تبدیلی پیدا کرنا ہوتا ہے اسلامی کلچر کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اعضائے جسمانی کے اندر اور قلب انسانی کے اندر ایک بڑا بھاری ربط اور ایک گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اعضائے انسانی کے افعال کا قلب انسانی پر اثر پڑتا ہے ٹھیک اسی طرح سے قلب انسانی کا بھی اعضائے انسانی پر ایک گہرا اثر نمودار ہوتا ہے مثلاً دیکھو ایک کاتب شروع میں الف کا حرف ہی نہیں لکھ سکتا لیکن اعضائے جسمانی ہاتھ کی مشق اور استعمال کے بعد وہی آدمی آنکھیں بند کر کے ایک مشین کی سی سرعت رفتاری کے ساتھ لکھتا چلا جاتا ہے۔ اسکے بھی یہی معنی ہیں کہ اسکے اعضا اسکے اشارے پر کام کرتے رہتے ہیں یہ ایک اصول ہے دین اور دنیا کے سارے کاموں میں اثر پذیر ہے زکوٰۃ دینا یا روزہ رکھنا یا طہارت کرنا، نماز میں سجدہ کرنا، قیام اور قعود کرنا۔ یہ سب جسمانی حرکات ہیں ان تمام حرکات جسمانی کا ایک سائیکل سوار کی طرح یا ایک کاتب کی طرح اس کے دل پہ یقیناً اثر پڑتا ہے۔ پھر جب دل یہ اثر اخذ کر لیتا ہے تو اس کے بعد زکوٰۃ اور سخاوت کی خو اس کے دل میں پیدا ہو جاتی ہے۔ داد و دہش آسان ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سے روزہ رکھنے سے دل اس کا عادی ہو جاتا ہے۔ نماز سے دل میں خشوع اور خضوع پیدا ہو جاتا ہے۔ اعضائے جسمانی اور قلب انسانی کے باہمی تعلق کو سمجھنے کے لئے اس کی یہ بھی ایک عمدہ مثال ہے کہ اگر کسی عضو انسانی پر زخم لگ جاتا ہے تو اس سے دل میں درد ہوتا ہے اور دل مغموم رہتا ہے۔ خوشی مفقود ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دل جب کسی عزیز کے مرنے سے مغموم ہو جاتا ہے تو اس دل کے غم کا اثر اعضائے جسمانی پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ چہرہ پژمردہ۔ کمر خمیدہ۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں۔ کبھی رنگ بدل جاتا ہے کبھی غشی آ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ گویا مندرجہ بالا مثالوں سے یہ امر

بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ جسم کے افعال کا دل پہ اثر پڑتا ہے اسی طرح سے دل کا اثر اعضا پر پڑتا ہے۔ دل اور جسم ایک دوسرے سے فوراً اثر پکڑتے ہیں۔ لہذا جو شخص زکوٰۃ دیئے بغیر محض مکر اور فریب سے زکوٰۃ کے حیلے سوچیگا تو یقیناً اس کا دل اس کے ان افعال سے اثر حاصل کر کے مکار۔ فریبی۔ دغاباز۔ چالباز بنجائیگا ہر کام کے اندر نمائش۔ ریاکاری اور ظاہرداری کو کام میں لاکر اپنا دین برباد کردے گا کیونکہ دین کا مدار کلی دل پر ہے۔ دل پر چونکہ ہاتھ نہیں پہنچ سکتا کہ اس کو پکڑ کر سیدھا کر دیا جائے اس لئے شریعت نے دل کو سیدھا کرنے کے لئے اعمال صالحہ کا ایک قیمتی گویا ایک قیمتی نسخہ عطا کر دیا ہے یعنی اعمال صالحہ کرنے سے دل خود بخود صالح ہوجاتا ہے۔ جیسے کاتب کے جسمانی حرکات اور مشق کتابت سے اس کا دل کتابت کا اثر لیتا ہے۔ سائیکل چلانے کی مشق سے اس کا دل مشاق ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد دل کام کرتا ہے۔ اور اعضا اس کے زیر فرمان ہوجاتے ہیں۔ بالکل یہی حال امور دین کے اندر بھی جاری ہے۔ نیک کام کرنے سے۔ مال قربان کرنے سے انسان کا دل نیک بن جاتا ہے۔ اور راہ خدا کے اندر قربانی دینا اس کے لئے آسان ہوجاتا ہے۔ جب دل نیک بنجاتا ہے سخی ہوجاتا ہے۔ متقی ہوجاتا ہے تو اس کے بعد اعمال جسمانی اعمال قلبی کے تحت ہوجاتے ہیں۔ ہر نیکی کے کام کے لئے دل مستعد بنتا ہے۔ موقعہ آنے پر ذرا سے اشارے کی دیر ہوتی ہے کہ اس کے اعضا فوراً بلا سوچے سمجھے تعمیل پر آمادہ ہوجاتے ہیں۔ جس طرح کاتب اور سائیکل سوار کا حال تھا۔ یہی حال اعمال صالحہ کے بعد صالحین کا ہوجاتا ہے۔ ان کا دل عمل پیہم کے بعد جب نیک بن جاتا ہے تو اس کے لئے نیکی کرنا بالکل آسان ہوجاتا ہے

میں حیران ہوں کہ یہ حیلہ جو علماء زکوٰۃ دیئے بغیر کس طرح فریضۂ زکوٰۃ سے سبکدوش ہوسکتے ہیں جبکہ نفس انسانی کے اندر زکوٰۃ کا اثر اتنا عمیق اور گہرا ہوتا ہے جیسا کہ اوپر

ذکر ہوا۔ تو بھلا ایک خاوند کا نفقہ کر کے مال اور سونا بیوی کو دیدینا اور پھر سال پورا ہونے سے پہلے خود واپس کر لینا یہ دین ہے یا تمسخر۔ ایسا دین جس کے عالم اسطرح سے اس کو بازیچہ لہو و لعب بنا کر کھیلتے ہیں وہ دین کس طرح دوسرے ادیان پر غالب آسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے کہ

"اس دین کو دوسرے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ خواہ کافروں کو برا کیوں لگے۔"

کیا عمل کے بغیر محض کھیل تماشا کرنے سے کوئی دین یا مذہب یا ملت کسی دوسری ملت پر غالب آسکتی ہے؟

دو اسلام

ڈاکٹر غلام جیلانی برق نے حال ہی میں ایک کتاب اسمی دو اسلام تصنیف کی ہے۔ اس میں اپنا سارا زور قلم احادیث کی تنسیخ، تحریف اور متروک ثابت کرنے پر صرف کیا گیا ہے حالانکہ اسلامی کلچر کی عمارت کے دو ستون ہیں جن پر کہ یہ عمارت اٹھائی گئی ہے۔ ان میں سے ایک ہے خود قرآن اور دوسرا ہے احادیث اور سیرت پاک نبوی صلعم۔ اس طرح سے احادیث کی بنیادوں کو اکھاڑنا خود اسلام کی عمارت کا انہدام ہے۔ ہاں اگر ہمیں "دو اسلام" کے نام سے کتاب لکھنے کا ارادہ ہوتا تو ہم احادیث کو متروک گردان کر اسلام کی عمارت کی جڑوں کو اکھاڑ دینے کے بجائے ان ملانوں کی پیدا کردہ "بدعات" کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکتے اور خالص اسلام کو بدعات سے نکھیر نکھیر کر صاف کرتے جاتے۔ کیونکہ ان ملانوں (علماء سوء) نے خلاف شریعت رسوم اور خلاف شریعت بدعات کو دین اسلام کے اندر داخل کر کے اس کا نام اسلام رکھ چھوڑا ہے۔ مثلاً یہی حیلہ بازی جو کہ ایک لعنتی بدعت ہے آج خود شریعت بنگئی ہے

ان کے نکاحوں میں چیلے۔ ان کی زکوتوں میں چیلے اور بکر خود زنا میں حیلہ اور فریب کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہ لوگ بہانے اور بکر گھڑ گھڑ کر غیبت جیسی لعنت کو روا بناتے ہیں۔ مثلاً یہ مشائخ کبار ہم لوگوں کی طرح سیدھی سادی قسم کی غیبت نہیں فرماتے ان کی غیبت کا ڈھنگ بھی نرالا ہے۔ اپنے رقیبوں اور دشمنوں کی تعریف کے جملے کہتے ہیں اور پھر اس میں غیبت کی خبیث روح پھونکتے جاتے ہیں۔ جس طرح پہلے زمانہ کے لوگ تلخ دوائیں پلا دیا کرتے تھے۔ لیکن انگریزی ڈاکٹروں نے ان زہریلی دواؤں کے اوپر چینی کا کوٹ چڑھا کر شوگر کوٹڈ (Sugar coated) بنا بنا کر بیچنا شروع کر دیا ہے یا جس طرح سے دیہاتی ڈاکو بندوق اور تلوار سے دشمنوں کو مارا کرتے ہیں۔ لیکن مکار اور دغاباز تریبی ڈاکو دشمن کو لڈوؤں اور دوسری نظر فریب مٹھائیوں کے اندر سنکھیا ملا کر کھلا دیتے ہیں۔ کھانے والا اس کو شیرینی سمجھکر کھا جاتا ہے۔ اور کچھ دیر کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ یہی حال ہے علما سو اور دغاباز پیروں کا کہ وہ اپنے دشمن کا نام لیکر بڑے بھولے اور سادے درویش بنکر کہتے ہیں کہ فلاں مولوی صاحب اپنے زمانہ کے مشائخ کبار میں سے ہیں۔ آپ اپنے وقت کے بحر العلوم ہیں افسوس اتنا ہے کہ آپ کو بے ریش لونڈوں سے دل لگاوٹ ہے۔ شب و روز ان کے گرد یہ لونڈے حلقہ باندھے رہتے ہیں۔ اگر یہ ایک بات نہ ہوتی تو آپ اپنے وقت کے شیخ المشائخ ہوتے۔ اے خداوند عالم ان منافقوں نے کس چیلے بہانے سے تعریفی جملوں کے اندر زہر ملا کر دینے کی کوشش کی۔ ہم تو سیدھی سادی غیبت کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن یہ بزرگ والا غیبت کے ساتھ ساتھ ریاکاری، غیبت اور منافقی، تین گناہوں کا یکبارگی ارتکاب کر رہے ہیں۔ شریعت نے اگر غیبت سے روکا ہے تو اس کا منشا یہ تھا کہ مسلمان کی عزت اور آبرو اور وقار بنا رہے۔ مسلمان ایک دوسرے کی پگڑیاں اچھالتے نہ پھریں۔ لیکن ان مشائخ کبار نے شریعت کو ہاتھ میں لیکر اس کو

رنگ برنگ کے خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر اس کا غلط استعمال کیا ہے۔ ہمارے ملا کے یہ اور اس قسم کے اور دوسرے منافقانہ افعال، حرکات اور رذیل اخلاق ہیں جس کے سبب اس اعلیٰ قرآنی تعلیم اور تدریس کے باوصف ہم لوگ دن بدن بد سے بدتر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ قرآن تو واقعی وہی قرآن ہے کہ جو نبی صلعم پر اور ان کے اصحاب پہ نازل ہوا تھا۔ یہ قرآن تو یقیناً وہی ہے کہ جس کے نزول کے ساتھ ساتھ کسریٰ اور قیصر کے خزانے مدینہ کی گلیوں میں بانٹے گئے۔ یہ قرآن یقیناً وہی قرآن ہے کہ جس کے آتے ہمارے پاس حکومت آگئی تھی۔ دولت، عزت اور شہنشاہی آگئی تھی۔ جس کے آتے ہی غلام آزاد ہو گئے تھے۔ گڈریے بادشاہ بن گئے تھے۔ اگرچہ آج بھی قرآن کا وہی مجرب نسخہ ہمارے پاس محفوظ ہے لیکن بغیر عمل کے صرف جزدانوں میں لپٹا ہوا گھروں کی زینت بنا پڑا ہے۔ یہی ہمارا فقدان عمل ہے جس کے سبب سے ہماری حکومتیں دن بدن دم توڑ رہی ہیں۔ ہمارے مسلمان فاقوں مر رہے ہیں۔ بھیک اور خیرات کے غلے پر وقت گذار رہے ہیں۔ استقلال خودداری، اتحاد۔ اور تنظیم سراسر مفقود ہے۔ اس کی وجہ بالکل صاف ہے کہ نسخہ خواہ کس قدر مجرب ہی کیوں نہ ہو اس کے عمل اور استعمال سے فائدہ ہو سکتا ہے نہ کہ کسی مجرب نسخہ کے الفاظ کو خوبصورت کاغذ پہ جلی قلم سے لکھنے اور ریشمی غلافوں میں لپیٹ کر رکھنے یا چومنے چاٹنے سے کیا کوئی بیمار تندرست ہو سکتا ہے یا کسی بخار کے مریض کا بخار اتر سکتا ہے یا کوئی ضعف قلب کا مریض صحتیاب ہو سکتا ہے صحت دوا کے استعمال سے کھانے اور عمل کرنے سے ملتی ہے نہ کہ محض نسخے لکھنے سے یا سنبھال کر رکھنے سے۔

آج ہمارا وہی حال ہے کہ ہم قرآن کے حروف کو رٹتے رہتے ہیں لیکن عمل ندارد ہمارے عمل کی جب یہ صورت ہو تو قوم کے ذہن اور قلب میں عادات اور اخلاق میں

انقلاب کس طرح سے رونما ہو سکتا ہے۔

عمل بالقرآن

سلف کے مسلمانوں کا عمل اور بعد کے مسلمانوں کی بے عملی کا اندازہ حضرت ابن عمرؓ کے اس قول سے ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم اصحاب رسول اللہ صلعم کو قرآن مجید سے پیشتر ایمان عنایت ہوا تھا اور عنقریب تمہارے بعد کچھ لوگ (ایسے) آدیں گے کہ ان کو ایمان سے پہلے قرآن ملیگا کہ وہ اس کے الفاظ اور حروف کو تو درست کریں گے اور اس کے حدود یعنی امرونہی کو ضائع کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے پڑھا ہے۔ ہم سے زیادہ پڑھنے والا کون ہے۔ ان کا حصہ قرآن سے اسی قدر ہے۔

ملا کا فریب

اگر ہمارے علما کے دوسرے حیل اور مکروں سے آنکھیں بند کر کے فقط اسی ایک چیز کو دیکھا جائے کہ وہ حکومت، دولت اور عزت کو جو کہ مسلمانوں کے گھر کی دیرینہ کنیز اور باندی رہی ہے۔ آج ہمارے علما بجائے اس کے کہ مسلمانوں کو قرآن کھول کھول کر یہ باتیں بتلاتے کہ اے مسلمانو! تم کیوں خوار و ذلیل ہو کر مفلس اور اپاہج بن رہے ہو۔ کمر ہمت باندھ کر اٹھو۔ حکومت اور دولت تو تمکو ورثے میں ملی ہیں۔ لیکن اس کے بجائے آج وہ غافل مسلمانوں کو اور زیادہ غافل۔ مفلس مسلمان کو اور زیادہ مفلس بنانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ بات اے الٰہ العالمین کتنی عجیب اور افسوسناک ہے کہ "اقتدار اور ملائیت" پر کتاب لکھکر یہ ملا نے خود کو مستحق اقتدار اور حکومت ٹھیرانے کے لئے پر زور پروپگنڈا کرتے ہیں لیکن اسی کتاب کے اندر

باقی مسلمانوں کو قرآن کی آیاتوں کی لوریاں سنا سنا کر اور زیادہ خواب غفلت میں لے جانے کی دعوت دے رہے ہیں۔ یعنی مریض غشی کو افیون کھلا کھلا کر جلد ختم کرنے کے در پے ہیں۔ اقتدا اگر برا ہے تو امام اور مقتدی سب کے لئے برا ہے لیکن امام صاحب کی نیت ملاحظہ ہو وہ طائیت کے اقتدار کا جواز اور مقتدیوں کو اس سے محرومی۔ بُعد اور دوری کا سبق دے رہے ہیں (ع) ببیں تفاوت رہ کہ از کجاست تا بہ کجا۔

اس قسم کی غلط قیادت اور ناقص ترین لیڈر شپ کے خلاف حضرت مولانا روم ؒ نے کیا ناطق فیصلہ صادر کیا ہے (مثنوی)

ہر ہلاک امت پیشیں کہ بود ۔۔۔ زانکہ بر چندل گماں بردند عود

یعنی آپ فرماتے ہیں کہ آغاز جہاں سے لیکر آج تک جتنی قومیں تباہ ہوئی ہیں اگر عمیق غور اور فکر سے تحقیقات کی جائے تو اس کی وجہ صرف یہی غلط قیادت اور نا اہل لیڈر شپ کے سوائے کچھ نہیں۔ چندل گز کی ناقص لکڑی کو کہتے ہیں جس کی ظاہری شکل عود کی اور قیمتی لکڑی کی طرح ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ظاہری شکل اور جبہ و دستار پر بھول کر غداروں کو امام اور سردار بنانے کا نتیجہ ہمیشہ سے یہی نکلتا چلا آیا ہے کہ ان کی قیادت سے قومیں بربادی کے گھاٹ اترتی رہتی ہیں۔ یہ دراصل انگریزی دور حکومت کی غلامی کا ردعمل ہے کہ آج ہم مسلمانوں کو دولت اور حکومت سے خود ہمارے علما ڈرا رہے ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے کہ شریعت ایک مکمل ضابطہ قانون ہے اور مسلمان اسکو چلانے والا واضع قانون ہے۔ قانون کو چلانے والے یعنی ایک واضع قانون میں اس قدر قوت اور طاقت ضرور ہونی چاہیئے کہ جس کے خوف سے کوئی آدمی قانون کی خلاف ورزی نہ کر سکے۔ چونکہ قانون کے ساتھ قوت اور طاقت تنفیذیہ کا ہونا لازمی ہے جس میں

کسی عاقل انسان کو شک اور کلام نہیں ہو سکتا۔ تو کیا قانون الٰہی کے لئے قوت اور ہیبت کی ضرورت نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے تو پھر ہمارے یہ نادان دوست مسلمانوں کے ہادیان دین ہونے کا دعویٰ بگھارنے والے ہو کر کس طرح مسلمانوں کو حکومت اور دولت کے طعن دے رہے ہیں۔ کیا یہ ہمارے دوست نما دشمن یہ نہیں جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کس طرح بغیر حکومت اور سیاسی قوت کے قائم اور برقرار رہ سکتا ہے۔ اگر یہ حکومت پر طعن اور تشنیع کرنے والے خود کو مجلس العلما کے ممبر ظاہر نہ کرتے تو ہمیں یقیناً یہی گمان ہوتا کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے یہ لوگ یقیناً حقیقت اسلام سے ناآشنا ہیں۔ غلامانہ ذہنیت کی طرف مسلمانوں کو پھیرنا چاہتے ہیں۔ قرآن کے احکام کو جھٹلاتے ہیں۔ قرآن کو قابل عمل تصور نہیں کرتے۔ خود نبی کریم صلعم کے طرز عمل اور اسوۂ حسنہ کو غلط بتا رہے ہیں۔ اور آپکی حیات طیبہ کے کردار پر پردہ ڈال کر مسلمانوں سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مجلس علما کے نام پر کتابیں شائع کرنیوالے حضرات کس طرح قرآن اور قانون خداوندی کی پشت پر قوت تنفیذیہ اور حکمرانی کو برا ظاہر کر رہے ہیں جبکہ قوت کے بغیر حدود اللہ کا قیام قطعاً ناممکن ہے اور قانون شریعت حکمرانی کے بغیر بالکل ہیچ اور بیکار اور معطل ہو جاتا ہے۔

یہ ملا صاحب مجھے بتائیں تو کہ قرآن کریم کے اندر جہاں جہاں خلیفہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور بنی نوع انسان کی خلافت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ " الارض " کا لفظ بھی ضرور آیا ہے جس سے مراد زمین کی مملکتوں کے اندر خلافت الٰہیہ کا قیام نہیں تو اور کیا ہے۔ اور خلیفہ سے مراد حکمران کے ہیں یا نہیں؟ قرآن میں خدا کہتا ہے "انی جاعل فی الارض خلیفہ" یعنی ہم نے بنی آدم کو زمین کا حکمران بنایا ہے خیر اس آیت میں بنی آدم کی عام خلافت کا ذکر ہے مگر آیت ذیل میں خاص مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

ھو الذی جعلکم فی الارض خلیفہ

یعنی اے مسلمانو ہم نے تمہاری قوم کو حکمران قوم بنایا ہے۔ خدا نے ساری مسلمان قوم کو مخاطب کرکے اقتدار کا وعدہ کرتا ہے۔ لیکن ہمارا ملا تعجب ہے کہ اقتدار کو فقط ملا کے لئے مخصوص کر دیتا ہے اور باقی مسلمانوں کو حکومت دولت اور عزت سے بھاگ جانے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ ملا اقتدار کو فقط اپنے لئے روا رکھتا ہے اور باقی مسلمان کے لئے استنجا کے ڈھیلے اور وضو کا کوزہ بس کافی سمجھتا ہے۔ وہ سجدے سجود کرتے رہیں۔ تسبیحیں کھڑکھڑاتے پھریں۔ شیعہ، سنی کے نام پر لڑتے مرتے رہیں۔ کفر کا فری کے فتاویٰ جو ملا صاحب صادر کریں انہیں اچھالتے پھریں۔ صحن مسجد کے اندر اور حجروں میں رہن رہیں۔ باقی رہی دولت، عزت اور حکمرانی یہ سب "جہان بے ثبات" کی چیزیں ہیں تو یہ سب کی سب مبارک ہوں یا نو کفار کو یا پیر اگر ان کا بچا کھچا تلچھٹ رہ جائے تو وہ حصہ ہے ملا جی کا۔ باقی کے مسلمان جائیں بھاڑ میں۔

مثنوی میں ایسے علماء کے متعلق کہا گیا ہے کہ

علمہائے اہل دل حمّال شان — علمہائے اہل تن احمال شان

علم چوں بر دل زند یارے بود — علم چوں بر تن زند مارے شود

گفت ایزد یحمل اسفارہٗ — بار باشد علم کان نبود زہوٗ

ارمغان حجاز میں علامہ اقبال مسلمان کی اس غفلت اور خواب خرگوش کو شیطان اور اس کے مشیروں کی ایک فرضی مجلس قائم کرکے ہمیں سمجھاتے ہیں اس میں سب سے بڑا شیطان اپنے چیلوں چانٹوں کو ہدایت کرتا ہے۔ انہیں کہتا ہے کہ مسلم اب سو چکا ہے۔ تمہاری کوشش ہمت اور جدوجہد یہ ہونی چاہیئے کہ وہ جاگنے نہ پائے اور اگر ایک دفعہ بد قسمتی سے کہیں جاگ پڑا تو یہ یاد رکھو کہ ہماری سب کی خیر نہیں

لہذا اس کو سلانے کے لئے مجرب نسخے یہ ہیں کہ انہیں علم، کلام، جدل و مباحث کے اندر کفر و کافری کے جھگڑوں میں، قرآن مخلوق ہے یا نہیں۔ ضالین پڑھنا صحیح ہے یا ظالین۔ وغیرہ وغیرہ کے اندر الجھائے رکھو۔ ؎

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

ملا کی خرافات تو آپ دیکھ چکے۔ اب ایک غیر مسلم نصرانی عالم کی حق گوئی اور مسلمان کی شان اور عظمت کی کہانی مسٹر ٹامس کارلائل کی زبان سے سنیئے کہ وہ کیا کہتا ہے؟

دشمن نما دوست

ہمارے ملا کی روایات کے خلاف مسٹر ٹامس کارلائل اپنے مشہور لیکچر ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ کے اندر جو کہ آپ نے ۸ مئی ۱۸۴۰ء میں بمقام لندن دیئے تھے۔ مسٹر ٹامس کارلائل نے یہ لیکچر ایسے زمانہ کے اندر دیا ہے جبکہ کسی غیر مذہب کی کتاب کا ترجمہ کرنا بھی بجز اجازت پوپ روزنہ الکبریٰ یعنی پاپائے روم کی منظوری اور استصواب رائے کے بغیر بالکل ممنوع تھا اور یہ اجازت ہو کر مقید شرائط ہوا کرتی تھی کہ کسی غیر مسیحی مذہبی کتاب کا مترجم اس کتاب زیر ترجمہ کے مسائل فروع و اصول کی تردید میں اپنا پورا پورا زور قلم صرف کر کے ایک معقول عام قسم کا اس پر دیباچہ لکھتے۔ بلکہ خاص خاص مواقع پر جہاں جہاں اس کتاب میں ایسے مسائل مندرج ہوں جو مذہب عیسویت کے مسائل کے معارض ہوں یا مخالف تو ان کی ذیل میں ایسے ایسے نوٹ کرتا جائے جس سے کہ مسئلہ مخالف کی تردید حسب اطمینان دائی ملک اور پاپائے روم

کے ہر۔ اور اگر کوئی شخص بلا پابندی مذکور کسی کتاب کو شائع کرتا تو کم از کم اس سزا کا مستوجب ٹھیرتا کہ اس کی ساری محنت کا ثمرہ برباد کر دیا جاتا۔ یعنی اس کی مرتبہ کتاب کے جس قدر نسخے دستیاب ہو سکتے ان کو اس خوف سے کہ مبادا اس کے مفہوم کا اثر پبلک کے دلوں کو مسخر اور متاثر کرے جلا دیتے تھے۔

اسے اللہ العالمین ایسی شرائط اور پابندیوں کے باوصف ایک کٹر نصاریٰ مسلمانوں کی جہاں بانی اور حکمرانی کی تعریف اور توصیف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

" اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں آنا ایسا ہے جیسا کہ تاریکی کے اندر روشنی کا آنا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اسی اسلام کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اس سے پہلے عرب قوم گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے کہ دنیا بنی تھی وہ عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اس کا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اس قوم میں اولوالعزم پیغمبر جس پر کہ وہ یقین رکھتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہیں تھا وہ تمام دنیا میں مشہور اور معروف ہو گئی اور ایک چھوٹی چیز بہت بڑی چیز بن گئی اس کے بعد صرف ایک صدی کے اندر اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف دہلی ہو گئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت کا آفتاب کیا بلحاظ شجاعت اور کیا بلحاظ شوکت اور کیا بلحاظ دانائی اور عقلمندی کے ایک طویل عرصہ تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر آب و تاب کے ساتھ چمکتا رہا۔ ایمان ایک شے ہے جو زندگی بخش ہے جونہی کہ ایک قوم کا ایمان مضبوط ہو جاتا ہے اس وقت وہ قوم عالی حوصلہ عظیم الشان اور بہتر برکات ہو جاتی ہے۔ اور عرب کو دیکھو پھر محمد صلعم کو دیکھو اور پھر ایک صدی کے زمانہ کو دیکھو کیا یہ ایسا معلوم نہیں ہوتا کہ گویا یہ ایک چنگاری تھی ہاں صرف ایک چنگاری تھی کہ جو اس دنیا پر پڑی کہ جو پہلے سیاہ غیر معلوم ریت دکھائی دیتی تھی۔ مگر جونہی کہ چنگاری اس پر پڑی تو یہ ریت ایک بھک سے اڑ جانے والا بارود ثابت ہوئی اور اس بارود کے شعلے اس قدر اونچے

اسٹھے کہ یہ نیلا آسمان اور یہ خاکی زمین اس کے شعلوں کی لپک سے روشن ہو کر ایک ہو گئے۔ اور دہلی اور غرناطہ کے کنگرے اس روشنی سے جگمگا اٹھے۔"

سبحان اللہ ہمارا مذہب حکومت اور دولت کے طعنے دیتا ہے لیکن اس کے برعکس ایک نصاریٰ عالم مسلمانوں کی جہاں بانی جہاں رانی اور ترقی کو کن کن خوبصورت الفاظ میں بیان کر رہا ہے۔

موسیو لبنان کا نظریہ

بالکل اسی طرح سے مسلمانوں کی حکومت اور دولت کے متعلق ایک غیر مسلم موسیو لبنان حیرت اور استعجاب کے اندر غرق ہو کر لکھتا ہے کہ

"مسلمانوں کی تہذیب اور اقبال نے ہزار برس سے بھی زیادہ عمر پائی ہے ان کے ایک ہشام کے پاس جتنی وسیع دنیا تھی بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ بیک وقت اتنی دولت اور دنیا (یعنی ملک اور حکومت) کسی بھی ایک زمانہ والے پاس اب تک نہیں ہوئی۔ یعنی نصف فرانس۔ پورا اسپین اور پرتگال۔ تمام افریقہ اور ایشیا میں حدود چین اور ہندوستان میں دریائے بیاس تک کے علاقے پر اس کا پرچم اقبال لہرا رہا تھا۔ رومی سلطنت گو بہت بڑی تھی لیکن اس کی حدود بھی دریائے فرات سے آگے نہ بڑھنے پائی تھیں۔ پھر جب اس عہد کے ذرائع آمد و رفت اور اس وقت کے وسائل حمل و نقل کی دشواریوں پر غور کیا جائے تو اس کی وسعتیں بے پناہ ہو جاتی ہیں۔"

اے خداوند عالم! یہ غیر مذہب آدمی مسلمانوں کی حکومت اور سلطنت، تہذیب اور تمدن کو کن خوبصورت الفاظ کے ساتھ یاد کر رہا ہے۔ لیکن اس کے برعکس علمائے کرام جو خود کو ہادیان دین کہتے ہیں اور جو ۲۴ گھنٹوں میں کئی بار قرآن

کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ حکومت، عزت اور دولت کو ایک غول بیابانی کی شکل میں پیش کر کے مسلمانوں کو اس سے دور بھگائے جانے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں حالانکہ قرآن کی تعلیم سراسر حکومت، غلبے اور سربلندی کی تعلیم ہے۔

حکومت اور غلبۂ اسلامی کے احکام قرآن میں

ولینصرن اللّٰہ من ینصرہ	یعنی جو اوامر اور احکام الٰہی کی پابندی کرے گا اللّٰہ بھی اس کی مدد کرے گا۔
یاایہا الذین آمنوا ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقدامکم	یعنی اے مسلمانو اگر تم خدا کے احکام کی اوامر و نواہی کی پابندی کرو گے تو وہ تمہاری مدد بھی کریگا اور دشمنوں کے مقابلہ میں تمہیں ثابت قدمی اور استقلال ہمت بھی عطا کرے گا۔
ان ینصرکم اللّٰہ فلا غالب لکم	اے مسلمانو جب (خود) اللّٰہ تمہارا معاون ٹھیرا تو پھر کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا۔
وعد اللّٰہ الذین آمنو منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم	یعنی تم لوگوں میں جو ایمان لاتے اور نیک اور شریفانہ عمل کرتے ہیں خدا ان سے وعدہ کرتا ہے کہ وہ انہیں ضرور سلطنت عطا کرے گا (واللّٰہ اعلم مولوی صاحب اس کی کیا تاویل فرمائینگے.. (مصنف)) جیسا کہ وہ پہلے بھی کرتا رہا ہے اور تمہارے مذہب کو بھی قوت اور استحکام عطا کرے گا اور جس خوف و دہشت کی زندگی بسر کی جا رہی ہے اس کے بجائے انہیں اطمینان

عطا فرمائے گا۔

لا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (سبحان اللہ قرآن میں کہتا ہے کہ) ہمت نہ ہارو آزردہ خاطر اور ہراساں نہ ہو۔ اگر تم مومن ہو (یعنی اگر تمہارا ایمان تو سچا ہے) تو تم ضرور غالب ہو کر رہو گے۔ (لیکن مولوی کہتا ہے کہ حکومت اور دولت سے دور بھاگو)

یہ مولوی مسلمان نادار کو اور زیادہ نادار بنانے کے درپے ہو رہے ہیں۔ ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں پسند کے زریں اصول کے بالکل خلاف اپنے لئے تو اقتدار کو جائز تصور کرتے ہیں لیکن دوسرے مسلمانوں کو حکومت اور اقتدار سے دور بھگا دینا چاہتے ہیں۔ یہ ایک عجیب اور نرالی منطق ہے جو آج تک نہ کبھی سنی تھی اور نہ دیکھی ہے۔ چہ عجیب ؟ کہ مسلمانوں کی حکومت اقتدار اور دولت کی فراوانیوں کے اذکار ایک غیر مسلم لوگوں کی زبان حق ترجمان سے تو سنے جا رہے ہیں لیکن کیا ہمارے مسلمانوں کے یہ عالم اور واعظ اتنا بھی نہیں جانتے اور انہیں مسلمانوں کی حالت کی اتنی بھی خبر نہیں ہے جتنی کہ گبن ایک غیر مسلم کو تھی یا موسیو لیبان کو۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ جس کا علامہ اقبالؒ ساری زندگی بھر رونا روتے رہے

غش میں ہیں یا سکتے میں ہیں یا مبتلائے خواب ہیں
یا نصیبِ دشمناں یہ موت کے اسباب ہیں

اوپر لکھی ہوئی ان چند آیات قرآنی پر کیا منحصر ہے سارے کا سارا قرآن ایسے پیغاموں اور ایسے جانفزا حکموں سے اور اس قسم کی خوشخبریوں سے اٹا پڑا ہے اگر ہم اس بارہ میں ہر ایک آیت قرآنی کو پیش کرنا چاہیں تو ہمیں سارا قرآن نقل کرنا ہوگا اسی قرآن کی چنگاری پڑنے کی دیر تھی کہ مسلمانوں نے نہ صرف محاذ جنگ میں فتوحات

حاصل کیں بلکہ میدان علمی کے اندر بھی دنیا کے استاذ الاستاد ہو گئے خود عیسائی مورخین اور یورپین محققین کو بھی اس بات کا اعتراف اور اقرار ہے۔

مسلمانان سلف کے کارنامے

خود عیسائی مورخ ڈاکٹر ڈریپر کہتے ہیں کہ گھڑی مسلمانوں کی ایجاد ہے خلیفہ ہارون رشید نے ۸۰۰ء میں عیسائی بادشاہ شارلمین کے دربار میں ایک گھڑی تحفۃً بھیجی گئی تھی تو اس کے درباریوں نے حیرت زدہ ہو کر گھڑی کو جادو خیال کیا (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۹ زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف)

ردی کا کاغذ۔ مشہور فرانسیسی مورخ موسیو سربو کہتے ہیں کہ یوسف بن عمر نے ۸۰۰ء میں ردی کا کاغذ ایجاد کیا (ملاحظہ ہو ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ جلد 8 صفحہ 275)

رقوم ہندسہ۔ نولڈیکی مشہور یورپین لکھتا ہے کہ رقوم ہندسہ عربوں نے اہل یورپ کو سکھلایا (ہسٹو ہسٹری آف دی ورلڈ جلد 8 صفحہ 200)

رمل اور نجوم۔ عیسائی مورخ ٹامس بکل لکھتا ہے کہ اہل عرب نے رمل اور نجوم کو ترقی دیگر سائنس کے درجے پر پہنچا دیا تھا (ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی سویلیزیشن آف یورپ جلد اول صفحہ 27)

تیزاب۔ ڈاکٹر ڈریپر کی تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تیزاب عربوں نے ایجاد کیا۔ (ڈیولپمنٹ آف یورپ جلد ۱ صفحہ 408)

بارود۔ عیسائی مورخ جرجیس یدان فرماتے ہیں کہ بارود مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ اسے مسلمانوں نے ایجاد کر کے یورپ کو سکھایا ہے۔ اور خوبی یہ کہ بارود کے اجزا ابھی آجتک وہی ہیں اور بالکل اسی تناسب سے اور اسی مقدار سے ہیں

جو کہ عربوں نے ترتیب دیئے تھے۔ (تمدن عرب جلد ا صفحہ ۱۹۹)

عملی میکینکس ــــ ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں کہ عربوں نے عملی میکینکس کے آلات ایجاد کر کے یورپ کو ان کا استعمال کرنا سکھایا۔ جن کو کہ آج یورپین اور امریکن استعمال کر رہے ہیں۔

فلسفہ یونان ــــ مشہور مورخ مارکو لیتھ لکھتے ہیں کہ صرف مسلمانوں کی بدولت یورپ فلسفۂ یونان سے بہرہ اندوز ہوا۔ (منسٹرم صفحہ 359)

پروفیسر رینالڈس نکلس لکھتا ہے کہ مسلمانوں نے مختلف شعبہ جات علوم میں قیمتی اضافے کئے لیکن ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے یورپ کو بڑی فیاضی سے علوم و فنون سکھلائے۔ (لٹریری ہسٹری آف دی عرب صفحہ 359)

مسٹر ہاٹیڈ کہتے ہیں کہ تمام علوم یونانی کا بڑا حصہ جو اصلی ذریعہ سے ہم تک (یعنی یورپین قوموں تک) پہنچا ہے وہ پہلے پہل ہم کو عربوں نے عنایت کیا تھا (ملاحظہ ہو ہسٹری آف دی ورلڈ جلد 8 صفحہ 276)

جان کلرک رڈ پاتھ لکھتا ہے کہ یورپ میں علوم و فنون صرف عربوں نے پھیلائے ہیں۔ (انسائیکلو پیڈیا آف یونیورسل ہسٹری جلد 2 صفحہ 125)

مشہور مورخ ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں کہ تمدن اسلامی کا بہت زبردست اثر ساری دنیا پر رہ چکا ہے۔ مسلمانوں نے یورپ کی ان وحشی قوموں کو جنہوں نے رومیوں کی سلطنت کو فتح کیا تھا۔ مسلمانوں نے یورپ میں علوم و فنون کا دروازہ کھول کر احسان کیا جس سے کہ ہم یورپین قطعاً ناواقف محض تھے۔ اور مسلمان چھ سو برس تک مشرق سے مغرب تک سارے یورپ کے استاد رہے۔

نظریۂ ارتقاء ۔ ایوولیوشنری تھیوری کی بابت یورپ کا خیال ہے کہ یہ تھیوری مسٹر ڈارون کی ہے کہ انسان سب سے پہلے بندر تھا۔ اس کے

بعد ترقی کرتے کرتے انسان ہو گیا۔ لیکن ڈاکٹر ڈریپر کہتے ہیں کہ مسٹر ڈارون کے پیدا ہونے سے کئی صدی پہلے نظریہ ارتقاء کی تعلیم مسلمانوں کے مدارس میں دی جاتی تھی۔ کانفلکٹ بیوین۔ ریلیجن اینڈ سائنس صفحہ ۱۱۸۔ مفصل کیفیت کے لئے ملاحظہ ہو کتاب معارج الدین مصنفہ نواب علی ایم۔ اے۔ بڑودہ کالج"

علم ہیئت — ڈاکٹر ڈریپر کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے ان تمام ستاروں کی فہرست مرتب کی جو انہیں نظر آئے۔ اور بڑے بڑے ستاروں کے نام رکھے جو آجتک بھی تبدیل نہیں ہوئے۔ نیز انہوں نے یہ اصول بھی دریافت کیا کہ شعاع نور ہوا میں تشکل قوس گزرتی ہے۔ چاند اور سورج کے افق پر نظر آنے کی توجہ کرتے ہوئے بتلایا کہ اجرام قبل از طلوع اور بعد از غروب کیوں دکھلائی دیتے ہیں۔ شفق کی اصلیت اور ستاروں کے جھلانے کی صحیح وجہ دریافت کی۔ یورپ میں سب سے پہلے جو رصدگاہ قائم ہوئی وہ مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی تھیں۔ ان کی رائیں اور نتائج اس قدر صحیح ہیں کہ زمانہ حال کے ماہران فن ریاضیات ان رسدی نتائج سے استناد کرتے ہیں۔ (کانفلکٹ (صفحہ 158 - 159)

فن جراحی — مسٹر ہالمان فرماتے ہیں کہ فن جراحی اور بہت سے آلات جراحی کا موجد ابوالقاسم عرف ابوالقاسم ابن عباس القرطبی الاندلسی الزہراوی المتوفی ۱۰۱۳ء جن کی تصویر ان کی کتابوں میں درج ہیں، پتھری نکالنا، جو اس وقت بالکل جدید عمل سمجھا جاتا ہے۔ دراصل اسی نامور جراح کی ایجاد ہے۔ دنیا کے تمام جراحوں کا یہی شخص استاد ہے۔ اس کی تصانیف آجتک تمام یورپ میں موجود ہیں۔ (تمدن عرب صفحہ ۴۹۵) فن جراحی مطبوعہ ۱۸۷۳ء (دائرۃ المعارف جلد ۲ صفحہ 314)

اے خداوند عالم ایسے شاندار تمدن اور ایسی بلند روایات کی مالک قوم کو

ہمارے ملّا حکومت ۔ دولت اور دنیاداری کے طعنے دے دے کر ان میں احساس کمتری کا بیج بونے کی کوشش کر رہے ہیں ۔

اے اللہ العالمین انگریز اگرچہ چلا گیا ہے لیکن ہماری وہ ذہنی غلامی ابھی تک بھی نہیں گئی ہے ۔ ہم کو انگریز نے تو آزاد کر دیا ہے لیکن ذہنی طور سے اس سیاسی آزادی کے باوجود بھی ہم بعینہٖ اسی طرح سے غلام کے غلام چلے آ رہے ہیں ۔ اے خدا اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسا کہ کوئی آقا اپنے کسی دیرینہ غلام کو اگر آزاد بھی کر دیتا ہے اور غلامی کا جوا اس کی گردن سے نکال بھی لیتا ہے تاہم بھی اس غلام کے ذہن سے وہ احساس غلامی نہیں نکل جاتا جونہی کہ یہ غلام اپنے پرانے آقا کے سامنے آتا ہے تو وہ سیدھا کھڑا ہو کر آنکھ سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتا ۔ آقا کے سامنے ہونے کی دیر ہوتی ہے کہ وہ فوراً ایک آٹومیٹک مشین کی طرح سے بلا سوچے سمجھے فوراً جھک جاتا ہے جہاں اس کی جسمانی حرکات کا یہ حال ہوتا ہے وہاں اس کی ذہنی حالت اس سے بھی بدتر ہوتی ہے ۔ وہ ہر چیز کو مالک کی آنکھ سے دیکھتا ہے ۔ مالک کے کانوں سے سنتا ہے ۔ مالک کے ذہن سے سوچتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ایک غلام آدمی کو مشکلات میں پڑنے اور اپنا راستہ خود صاف کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی وہ آرام طلبی ۔ کاہلی اور آسائش کو پسند کرتا ہے ۔ اس کی ضمیر مردہ ہو جاتی ہے اقبال نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا ہے کہ

وائے آں قافلہ کز دونئے ہمت مے خواست

رہگذرے کہ دروہیچ خطر پیدا نیست

(اقبال)

ذہنی غلامی کا ایک چشم دید واقعہ

سبی بلوچستان سے تقریباً چالیس۔ پچاس میل دور لہڑی نام ایک قصبہ ہے وہاں ریاست قلات کے ایک جاگیردار بلوچ سردار محراب خان ڈومبکی جب فوت ہوئے تو ان کے فرزند سردار میر چاکر خان نے جو کہ ایک مشہور سخی۔ ان داتا۔ سیدھا سادہ امیر بھی تھا۔ سردار بھی اور درویش طبع بھی (یہ واقعہ ہمارا یعنی مصنف کتاب کا اپنا چشم دید واقعہ ہے) آپ نے اپنے والد کے ایصال ثواب کے لئے اپنے چند غلاموں کو بمعہ ان کے عیال اور اطفال کے آزاد کر دیا۔ لوگوں نے ان غلاموں کو آزاد ہونے پر مبارکبادیں دیں۔ وہ خود بھی "آزادی" "آزادی" کا شور اور مبارکباد کی گونج سن کر بڑے خوش ہوئے۔ غلاموں کو سردار مذکور کے لنگر سے صبح اور شام پکی پکائی روٹی اور سالن مل جایا کرتا تھا۔ لیکن آزادی ملنے کے بعد ان کا یہ وظیفہ یعنی لنگر کا کھانا بند ہو گیا۔ غلام لوگ پشتہا پشت سے تیار روٹی ملنے کے عادی ہو چکے تھے۔ ان کے چولہے میں کبھی آگ نہیں جلی تھی۔ آزادی کی پہلی شام ہوئی تو وہ بھی حسب معمول لنگر کے کھانے کے لئے دوسرے غلاموں کے ساتھ وہاں جا دھمکے۔ سردار کے آدمیوں نے ان کو کہا کہ بھائی تم لوگ کیوں یہاں آئے ہو اب تم چونکہ آزاد کر دیئے گئے ہو اس لئے تمہارا کھانا آئندہ کے لئے اس لنگر سے بند کر دیا گیا ہے۔ وہ بڑے حیران و پریشان ہو کر دوڑے دوڑے سردار چاکر خان سخی کے پاس پہنچے۔ ان کے مرد۔ عورتیں اور بچے فریاد اور آہ و فغاں کرتے، روتے۔ چلاتے ہوئے کہنے لگے کہ آج ان کا کھانا لنگر سے بند کر دیا گیا ہے جبکہ دوسرے سارے آدمیوں کو اور خادموں کو بدستور کھانا مل رہا ہے۔ تو آخر

انہوں نے کیا گناہ کیا ہے۔ اور ان سے کونسی ایسی خطا سرزد ہوئی ہے کہ آج ان کا کھانا پانی بند کر دیا گیا ہے۔ سردار ننکورا دران کے حاشیہ نشینوں نے انہیں بہتیرا سمجھایا کہ بھائی تم پہلے غلام تھے اور اب تم آزاد ہو گئے ہو۔ اس لئے اب تم کو لنگر سے روٹی نہیں ملا کرے گی۔ تم اب بالکل آزاد ہو۔ جہاں چاہو وہاں چلے جاؤ۔ اپنی محنت مزدوری کر کے خود کماؤ اور کھاؤ۔ غلام آزادی کی قدر و قیمت کیا سمجھ سکتے ہیں۔ وہ بار بار روتے چلاتے اور کہتے رہے کہ ایسی آزادی پر لعنت۔ ہمیں ایسی آزادی نہیں چاہئے۔ بھلے سے آپ کسی اور غلام کو آزاد کر دیں ہم اپنے حق کا لنگر سے کھانا ہرگز نہیں چھوڑیں گے۔ ہاں اگر ہم سے کوئی قصور ہوا ہو۔ کسی قسم کی خطا سرزد ہوئی ہو تو ہمیں بتایا جائے۔ سردار اور اس کے ساتھی انہیں بار بار آزادی کی نعمت اور قصے کہانیاں سناتے رہے۔ لیکن غلامانہ ذہنیت جو کہ ان کے رگ رگ، ریشے ریشے کے اندر سرایت کئے ہوئے تھی۔ لنگر کی روٹیوں سے پیدا شدہ خون جو بدن سے ان کے دل اور دماغ کے گوشہ گوشہ میں دوڑ رہا تھا۔ وہ بھلا آزادی کی قدر و قیمت کو کیا جان سکتے تھے۔ آخر کار سردار مجبور ہوا اور انہیں دوبارہ غلاموں کے زمرے میں شمار کر کے لنگر کی دال روٹی پھر سے جاری کر دینے کا حکم کر دیا۔

غلامی کا اثر

غلامی اور پنیتہ ہا بنیت کی غلامی جب قوموں کے قلوب اور اذہان کے اندر گھر کر جاتی ہے تو ان میں شجاعت کے بجائے بزدلی۔ عزت نفس کے بجائے دون ہمتی اور بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں ایک گدھے یا ایک بیل کی طرح صرف پیٹ بھرنے سے کام ہوتا ہے۔ انہیں اس کی کچھ پرواہ نہیں ہوتی

کہ وہ روٹی ان کو ان کی ضمیر فروشی کے صلہ میں دی جا رہی ہے۔ یا کہ عصمت، عزت، دین اور ایمان کے عوض میں۔ یہی وجہ ہے کہ غلام قوموں کی خود اعتمادی، عزت نفس۔ اپنے آپ پر بھروسہ کرنا۔ اپنی قوت بازو سے کمانا اور کھانا۔ وقار اور شجاعت کے سارے احساسات مجروح ہو ہو کر آخر مر جاتے ہیں۔

ان میں آزاد قوموں کی سی وہ جفا کشی وہ مشکلات میں پڑ کر نہ گھبرانا اور اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کے اوصاف باقی نہیں رہتے جن کا کہ علامہ اقبالؒ نے اپنے ذیل کے اشعار میں ذکر فرمایا ہے۔

شنیدم کہ مک شب تاب مے گفت ۔۔۔ نہ آں مورم کہ کس نالد ز نیشم
تواں بے منت بیگانہ سوخت ۔۔۔ نہ پنداری کہ من پروانہ کیشم
اگر شب تیرہ تر از چشم آہو ست ۔۔۔ خود افروزم چراغ راہ خویشم

ہماری آزادی کا بھی تقریباً یہی حال ہے۔ ہم بھی چونکہ انگریز کے لنگر سے دال روٹی کھا کر پڑے ہوئے ہیں۔ آج اگرچہ انگریز (سردار جا کر خان کی طرح سے) ہمیں آزاد کر گیا ہے۔ لیکن ہمیں اس آزادی کی صحیح قدر اور قیمت ابھی تک بھی معلوم نہیں۔ انگریز کے لنگر سے اسر انوز کہ ہم آج آیزن ہاور صاحب (امریکہ) کے لنگر کا آٹا پھانک رہے ہیں۔ خدا بھلا کرے امریکہ کی حکومت کا۔ اگر ہمیں اس اقتصادی بحران کے وقت یہ امداد نہ ملتی تو خدا جانے ہماری آج کیا حالت ہوتی؟ اور ہم آج کون سے دوسرے لنگر کے گرد طواف کر رہے ہوتے؟

ناامیدی کی بات نہیں

چونکہ آزادی کا یہ پہلا دہلا ہے اس لئے اس تو ئے غلامی کا جو ہمارے حق میں دو ڑہ با تھا ضرور ردِ عمل ہونا نفادہ ہو گیا۔ اس کے بعد ان شاء اللہ خداداد پاکستان

پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہو جائے گا۔ بلکہ جس قدر اسکیموں اور منصوبوں پر غور ہو رہا ہے اگر ان سب کو عملی جامہ پہنایا گیا تو ہمارا زرخیز پاکستان بالے دیگر انشاء اللہ دوسرے ملکوں کو غلہ فراہم کرے گا۔ کیونکہ آہستہ آہستہ اس حق سے غلامی کی بجائے ہمارے اندر حریت اور آزادی کی بے پناہ لہریں دوڑنا شروع ہو جائیں گی اور ہمارے دل اور دماغ میں آزادی کی صحیح صحیح قدر اور قیمت بھی ذہن نشین ہوتی چلی جائے گی۔ اور ہم انشاء اللہ بہت جلد ان غیور لوگوں کی پہلی صف میں کھڑے ہو جائیں گے کہ جن کے حق میں کہا گیا ہے (شعر)

خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلمانوں کو ہے ننگ وہ پادشاہی

مرا از شکستن چنیں عار ناید
کہ از دیگرے خواستن مومیائی

یا جیسا کہ کسی دوسرے بزرگ نے فرمایا ہے۔

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردیٔ ہمسایہ در بہشت

سیاسی آزادی سے نظریاتی آزادی زیادہ ضروری ہے

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ فقط سیاسی آزادی سے کسی ملک یا کسی قوم کی تقدیریں ہرگز نہیں بدل سکتیں۔ خارجی اور ظاہری آزادی دراصل کوئی چیز نہیں ہے حقیقی آزادی اور صحیح حریت فقط دل کی تبدیلی اور باطنی آزادی سے میسر آسکتی ہے یہ بات جس طرح پر کہ انفرادی صورتوں میں صحیح ہے بالکل اسی طرح سے اجتماعی حالات میں بھی صحیح ہے۔ جس طرح پر کہ دل کی خوشی کے آثار چہرے پر نمودار ہوتے ہیں اور دل کے غم کی علامت اعضا اور جوارح پر پڑتی ہے بالکل اسی

اسی طرح سے قوموں کے باطنی حالات اور کیفیات ان کی چال ڈھال۔ اخلاق اور عادات کا اثر اس کے تمدن اور تہذیب پر، اس کی آزادی اور حریت پر۔ اس کے عدل اور انصاف پر پڑتا رہتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے اندر فرانس کا باوجود دنیا کی تیسری طاقت ہونے کے صرف ۴ دن کے اندر اندر ہتھیار ڈال دینا اس کی باطنی خرابیوں۔ اندرونی لغزشوں اور اخلاقی کمزوریوں کی ایک بین شہادت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب قوت اور طاقت کی بہ نسبت باطنی پاکیزگی، بلند تخیلات اور بلند نظریات کسی قوم کے ابھارتے اور ارتقائی منازل کے طے کرنے کے لئے بدرجہا بہتر ہیں۔ اور ضروری ہیں۔

جائے غور ہے کہ آغاز اسلام کے وقت حضور نبی کریم صلعم نے کونسی فوج اور لشکر کے ساتھ مسلمانوں کو یہ فروغ، یہ ارتقا اور یہ معراج بخشا تھا اور ان کے دشمنوں کو کن ہتھیاروں، کن ہوائی جہازوں، کن ایٹم بموں کے زور اور بل بوتے پر مغلوب کیا تھا۔ اگر غور اور فکر کے ساتھ سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہی بلند نظریات اور یہی بلند تخیلات ہی تھے جو کہ قوم مسلم کے قلوب اور اذہان میں ڈال دیئے گئے تھے۔ اور انہیں بلند نظریات کو "ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ" کے اندر مسٹر ٹامس کار لائل ایک چنگاری اور بارود سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

مسلمان کی دنیاداری

اسی چنگاری کا اثر یہ ہوا کہ ہر میدان میں مسلمان دوسری قوموں سے بازی جیت گئے۔ جس طرح فتوحات ملکی میں اور علمی و ادبی میدان میں مسلمان سب سے سبقت لے گئے تھے اسی طرح امور دنیاداری اور تجارت کے اندر بھی مسلمانوں کا کوئی

مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

دولت اور حکومت کو شعار اسلامی سے خارج سمجھنے والے یہ مولوی صاحبان اگر تھوڑی دیر کے لئے فقہ کی کتابوں کو چھوڑ کر اگر دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کر کے دیکھیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ بغداد کے دریبے میں نو کروڑ روپے کے ہیروں کی تجارت کرنے والی بی بی ایک مسلمان عورت تھی۔ مطالعہ تاریخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بی بی کی دکان سے بھی زیادہ مال اور شوکت والی کم از کم ستر اور ایسی ہی دکانیں اسی دریبے میں تھیں جن کے مالک مسلمان ہی تھے۔ بلکہ یہ نہیں کہ صرف کروڑوں کی تجارت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی بلکہ ان ہیروں کو رگڑ رگڑ کر بنانے والے بھی مسلمان تھے زیورات بنانے والے بھی مسلمان تھے اور دوسرے اسقم صنّاع اور جوہری سب مسلمان

چہ عجب

باوجود مسلمان قوم کے ان شاندار دینی اور دنیاوی روایات کے آج یہ ملّا ہمیں اور مفلس بناتے۔ ہم ناداروں کو اور زیادہ نادار اور زیادہ غلام اور زیادہ ذلیل بنا کر ذلت کے گڑھے میں پھینکنے کے لئے کیا کیا من گھڑت روایات پیش کر رہا ہے۔ علامہ اقبال نے ایسے ملّاؤں کی پست ذہنیت کا نقشہ اس شعر میں خوب کھینچا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

مُلّا کی خرافات

اے خداوند عالم! تیرا وہ قرآن جس کی آواز سن کر کسی زمانے میں یورپ کی حاملہ عورتوں کے حمل گر جایا کرتے تھے۔ جس کا نام سن کر فاتحین ملک پر ایک ہیبت

اور دہشت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ کیا یہ وہی قرآن نہیں جس کو ہاتھ میں لیکر لارڈ جیمسفورڈ نے انگلستان کی پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں رہے گی عیسائیت کو آرام اور چین نہیں ملے گا۔ افسوس صد افسوس کہ آج تیرا وہی قرآن کس قدر مظلوم بن گیا ہے۔ مفلوج اور مفقود ہے۔ اور اس کی وہ ہیبت بالکل جاتی رہی ہے۔ آج تیرا وہی قرآن اور تیرے قرآن کی وہی پاکیزہ آیات ہیں کہ جس سے تیرا مُلّا جھاڑ پھونک۔ تعویذ گنڈے کا کام لے رہا ہے۔ اور اس کو حیلوں مکروں دجل اور فریب کے کاموں میں استعمال کر رہا ہے۔ دوسری دنیا کا تو ہمیں علم نہیں خود ہمارے مغربی پاکستان کا تو یہ حال ہے کہ قرآن کو آلۂ مکر اور فریب بنا کر مسلمانوں کی جیبیں تراشے جا رہے ہیں۔

خداوند عالم جب کوئی مسلمان بیمار ہوتا ہے تو ان مولوی صاحبان کے گھروں میں گھی کے چراغ جلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ یٰسین پڑھنے کے لئے مولوی صاحب بلائے جاتے ہیں تو واپسی پر روپیہ۔ پیسہ۔ گھی۔ مرغی۔ غلہ جو ہاتھ لگ جاتا ہے مولوی صاحب بٹور لاتے ہیں۔ چونکہ موت کا وقت بالخصوص نزع کی حالت مرنے والے کے لئے بھی اور اس کے عزیزوں کے لئے بھی بڑی دل خراش۔ نہایت دل دوز سخت پریشان کن ہوا کرتی ہے۔ چونکہ مولوی صاحب اس نزاکت حالات سے پورے واقف ہیں کیونکہ ان کو سینکڑوں ایسے مرنے والوں کا اور ان کے دل شکستہ عزیزوں کا حال معلوم ہوتا ہے وہ اپنے اس کہنہ تجربے کا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ مولوی صاحب مرنے والے کو اور اس کے عزیزوں کو دوزخ کی آگ اور جانکندنی کے جانگسل حالات سنا سنا کر اور زیادہ پریشان کرتا رہتا ہے۔ اور جب ان کے قلوب جو کہ پہلے ہی اپنے عزیز بھائی کے مرنے سے موم کی طرح پگھل رہے ہوتے ہیں پوری طرح سے نرم اور رقیق بن جاتے ہیں تو مولوی صاحب خیرات صدقات اور امداد و بخشش

کا لیکچر شروع کر دیتے ہیں ۔ پھر ہوتا کیا ہے ۔ یہ کہ کچھ مرنے والا جو دے جاتا ہے ۔ کچھ اس کی ماں دیتی ہے ۔ کچھ بہن ۔ کچھ بھائی ۔ اس طرح سے مرنے والے کے ساتھ ساتھ اس کا گھر بھی لٹ جاتا ہے ۔ پھر جب مردہ دفنانے کے لئے لیجایا جاتا ہے تو قبرستان کے اندر اس کھدی ہوئی قبر کے کنارے پر جس میں کہ ایک دن خود اس ملّاں صاحب کو بھی داخل ہونا ہوگا ۔ ان سب چیزوں سے آنکھیں بند کر کے اسی قبر کے کنارے پر بیٹھ کر یہ حضرت عجیب عجیب مکروں اور حیلوں کے ساتھ مرنے والے کے غمزدہ عزیز و اقارب کو لوٹنا شروع کر دیتا ہے ۔ قبر کے عین کنارے پر بیٹھ کر قرآن کے ساتھ عجیب عجیب کھیل کھیلا جاتا ہے ۔ ؎

نہیں یہ شان خودداری چمن سے توڑ کر مجھ کو
کوئی دستار میں رکھے کوئی زیب گلو کرے

قرآن کا اسقاط

مرنے والے کے عزیز آہ و بکا کے اندر ۔ رقیق قلبوں اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ مولوی صاحب کے رحم و کرم پر بیٹھے ہوئے ہیں ۔ اب مولوی صاحب ڈھونگ رچانا شروع کر دیتے ہیں ۔ مولوی صاحب مرنے والے کی زندگی کے سال شمار کر کے بڑے ریاضی داں بنکر کچھ بن بنانا شروع کرتے ہیں ۔ سب لوگ بہوت بنے ہوئے بیٹھے ہوتے ہیں ۔ اور مولوی صاحب اس کی زندگی کے سال گن گن کر اس نے جتنا غلہ کھایا ہوا ہوتا ہے ۔ اس کا کچھ الگڑم بگڑم سا حساب لگا کر اس کے وارثوں کو حکم دیتے ہیں کہ قرآن لاؤ ۔ اسی وقت یہ مظلوم قرآن جس کی آیات اور مقصد کے خلاف اس کے ساتھ فریب کیا جا رہا ہوتا ہے مُلاجی اپنے ہاتھوں میں لیکر بیٹھ جاتے ہیں ۔ اس کے عزیز و اقارب کو پڑھایا جاتا ہے کہ یہ قرآن مردے کے گناہوں کے

کفارہ میں ہمیں بخشدو۔ تاکہ جتنی نمازیں مرنے والے نے قضا کی ہیں یا جتنے روزے حج اور زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ فرائض اس نے قضا کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی جتنے گناہ اس نے زنا چوری وغیرہ کی ہیں اس قرآن بخشی کے ذریعہ خدا اس کے سارے گناہ بخشدے گا۔ یہ اس سب گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ ہمارے علاقہ (سبی) میں قرآن کی قیمت ساڑھے تین روپیہ مقرر ہے۔ آخر کار یہ سارا کھیل کھیلنے کے بعد یہ بخشا ہوا قرآن تو ملا جی واپس دیدیتے ہیں اور تین روپیہ آٹھ آنے مگر جیب میں ڈال لیتے ہیں یہ تو ایک غریب مرنے والے کا حال ہے جس کو کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ سود پر کفن اور یہ ساڑھے تین روپیہ لائے ہوئے ہوتے ہیں۔

امیروں اور کھاتے پیتے لوگوں کا تو معاملہ ہی اور ہے۔ ان کے سارے عزیز اور سارے دوست ایک ایک قرآن ملا جی کو بخش دیتے ہیں۔ جب ملا جی کا گھر قرآنوں سے پٹ جاتا ہے تو کچھ دیر کے بعد ملا جی ان قرآنوں کا بنڈل باندھکر ان فالتو قرآنوں کو کسی دکاندار کے پاس نصف قیمت پر بیچ آتا ہے۔ ملانوں کے یہ کرتب ہر علاقہ میں علیحدہ علیحدہ طور پر کھیلے جاتے ہیں۔ افغانی حصے بلوچستان کے اندر ایک اور طریق یہ درتائے متوفی کو لوٹا جاتا ہے۔ مردہ کی لاش بیچ میں رکھی ہوتی ہے اور ملا جی اس کے وارثوں کو کہتے ہیں کہ کچھ غلہ گندم اور کچھ زیورات بیگمات کے اتار لاؤ۔ وہ مظلوم دوڑے دوڑے گھر جاتے ہیں۔ زارو قطار روتی ہوئی غمزدہ عورتوں کے زیور اتار کر غلہ کی گانٹھ کے اندر رکھکر لے جاتے ہیں اور پھر دو تین ملا اس گانٹھ کو اٹھا کر مردہ کی لاش کے گرد پھیراتے ہیں اور چند عجیب عجیب فقرے (جیسا کہ جادوگر لوگ جنتر منتر) بولتے رہتے ہیں۔ سات چکر مردے کے گرد لگا کر یہ گانٹھ کھول لیجاتی ہے۔ پھر کچھ مولوی صاحب کو حسب استعداد دے دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ

ہمارے گاؤں کا مُلّا

ہمارے اپنے گاؤں کے دیرینہ لوگ یہ ذکر کرتے تھے کہ گاؤں کا ایک مالدار آدمی بیمار ہوا تو ملا جی ایک ہندو دوکاندار کے پاس قرض لینے کے لیے گئے۔ ہندو دوکاندار نے قرض دینے سے انکار کیا تو ملا جی نے اس کو آہستہ سے کان میں کہدیا کہ گھبراؤ نہیں فلاں آدمی جو کہ تمہیں معلوم ہے کہ ایک بڑا مالدار شخص ہے اس کی حالت بہت پتلی ہو گئی ہے اور اب وہ چند دنوں کا مہمان نظر آتا ہے۔ اس کے مرنے کے بعد جو آمدن ہو گی اس سے تمہارا قرضہ بلا عذر چکا دوں گا۔ ہندو دکاندار بڑا کائیاں تھا اس نے گاؤں کے لوگوں کو خوش کرنے اور ملا کو بدنام کرنے کی خاطر اس کو کہا درست ہے میں تم کو سودا سلف قرض پر دیدونگا۔ لیکن اقرار نامہ اپنے دستخط کے ساتھ میری بہی کے ورق پر لکھ جاؤ۔ شاید کل تم پشیمان ہو۔ ملا نے جو کچھ زبانی کہا تھا سب کچھ لکھدیا۔

ہندو دکاندار بہی ہاتھ میں لیکر مریض کے گھر پہنچا۔ لوگ تیمارداری کے لیے وہاں کافی جمع تھے۔ یہ دوکاندار بہی کھولکر بیٹھ گیا۔ لوگوں نے حیران ہو کر پوچھا سیٹھ جی کیا بات ہے؟ سیٹھ جی نے کہا تمہارا ملا مجھ سے یہ اقرار نامہ لکھکر دے آیا ہے آپ لوگوں کی شہادت دلوانے آیا ہوں۔ اس اقرار نامہ اور بہی کو لیکر پڑھا گیا تو دنیا دنگ اور ششدر رہ گئی کہ بیمار ابھی تک زندہ موجود ہے اور گاؤں کا ملا اس کی عین حیات میں اس کی موت کی تاک میں لگا ہے اور قرض لیتا پھرتا ہے اور اقرار نامے لکھ لکھکر لوگوں کو دے رہا ہے۔

کہتے ہیں کہ لوگ ملاؤں کے اس قسم کے مکر اور عذر کو سمجھ گئے اور سب نے باہم قسم قرآن کر کے عہد کیا کہ آئندہ کسی کے مرنے پر ملاؤں کو کچھ نہیں دیا جائیگا۔ لیکن

آج پھر اسی گاؤں میں باوجود ان روایات کے ملا اپنے ہاتھ بدستور رنگ رہے ہیں اور لوگوں کو وہ باتیں بالکل بھول چکی ہیں۔

کسی مسلمان کے گھر جب کوئی موت واقعہ ہو تو دین اور شریعت میں تین دن تک اس گھر کا کھانا پینا سارے مسلمانوں پر حرام ہوتا ہے۔ لیکن باوجود ان اسلامی احکام کے آج عملاً یہ ہو رہا ہے کہ گھر کے آدمی کے مرنے کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں بھی جھاڑو پھر جاتا ہے۔ کچھ تو دعاؤں میں اڑ جاتا ہے کچھ تعویذوں میں۔ کچھ خیرات میں کچھ قبر پر قرآن بخشی میں اور دوسرے اسی قسم کے خلاف شرع بدعات اور دستوروں میں۔ ازاں بعد جو کچھ بچ رہے تو وہ مرنے کے بعد کی رسمی خیراتوں میں۔ جمعہ کے علاوہ میں۔ مرنے والے کی فاتحہ خوانی میں۔ قل خوانی اور مردے کی روح کو ثواب پہنچانے کے لئے ملا جی کو باقاعدہ حلوہ وغیرہ بہم پہنچاتے رہنے میں اڑ جاتا ہے۔ ان ملاؤں نے تو کچھ ایسا دستور بنا دیا ہے کہ جس گھر کا ایک آدمی مر جاتا ہے تو اس کے خرچ میں باقاعدہ روزانہ روٹی ملا جی کے گھر پہنچتی رہتی ہے۔ جب تک کہ دوسرا آدمی نہ مرے۔ گویا یہ سلسلہ زنجیر کے حلقوں کی طرح یکے بعد دیگرے چلتا رہتا ہے۔ یہی ملا جی کا کاروبار ہے۔ یہی اس کا ذریعہ معاش ہے۔ گویا آج کا ملا گدھ کی طرح سے ہے جو مرنے والے جانوروں کی تاک میں رہتا ہے۔ اسی طرح ملا بھی مسلمانوں کی موت کے انتظار میں رہتا ہے۔ کیونکہ مسلمان کی موت میں اس کی خیر ہے۔ مسلمان کی موت میں اس کی برکت ہے۔ مسلمان کی موت میں اس کی قوت ہے۔ اس کو حلوہ اور تر لقمہ مل جاتا،

اسلام نے کفن کے کپڑے کی تجارت کو بھی مکروہ ٹھیرایا ہے کیونکہ اس میں اس کی نظر مسلمانوں کی تباہی پر پڑی رہتی ہے۔ اگر اس مسئلہ پر نظر کی جائے تو یقیناً ملا کی ایسی روٹی اور ایسا ذریعہ معاش جس کا اوپر ذکر ہوا ہے یقیناً حرام ہوگا۔

علماء سو کا رزق حرام

یہ اور اس قسم کے حیلوں اور حجتوں اور مکر و دغا کے ساتھ حرام رزق کی کمائی کھانے والے مُلّا کو فوراً بتا دینا چاہیئے کہ آپ خود اس سے باز آ جائیں اور کوئی حلال ذریعہ معاش پیدا کریں۔ ورنہ ہم خود آج سے آپ کو رزق حرام کھلا کھلا کر موٹا کرنا بند کر دیں گے۔ آج مُلّا کو صاف صاف کہدیا جاتا ہے ؎

کیوں گرفتار طلسم ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکت طوفاں بھی ہے

حکومت پاکستان کا فرض

حکومت پاکستان الحمدللہ ایک اسلامی حکومت ہے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ سب علمائے اسلام سے اندریں بارہ فتاویٰ حاصل کرے۔ اگر علمائے اسلام کے حق گو علماء بھی ہماری طرح سے ایسے رزق کو حرام قرار دیں تو اس کے بعد حکومت کا یہ فرض ہوگا کہ بذریعہ قانون اس قسم کے خلاف شرع حیلوں، حجتوں مکر و دغا کے بہانوں سے روزی کمانے کی بندش کے احکام جاری کر دے۔ اور جس طرح کہ راشی اور مرتشی دونوں مجرم ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے بہانہ بازی سے خیرات دینے اور لینے والے دونوں کو سزاوار کر دیا جائے۔ تب کہیں جا کر شاید یہ بری رسوم اور یہ جاہلانہ عادات بند ہو سکتی ہیں ورنہ نہیں۔

مُلّا کو حکومت تنخواہ دے

اگر مُلّا کی ایسی روزی حرام قرار دی جائے جس کا کہ اوپر ذکر ہوا ہے تو اس کے

یعنی حکومت کا فرض ہوگا کہ وہ ملّا کی باقاعدہ تنخواہ مقرر کرے تاکہ وہ ایسے ایسے حرام حیلوں اور حیلوں کو ترک کرکے حلال روزی کھانے کا عادی ہو جائے ۔

ان ملّانوں کے ہتھکنڈے اور ان کے لوٹنے کے سارے دستور مثلاً "موت، شادی ۔ بیاہ ۔ نکاح ۔ وغیرہ اگر سب کو یکجا لکھا جائے تو یہ ایک علیحدہ کتاب بنجائے گی لیکن اس مختصر باب کے اندر اس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ۔

اے اللہ العالمین تیرا قرآن نعوذ باللہ آج ان علمائے سو کے ہاتھوں میں ایک جیب تراشی کی قینچی سا بن گیا ہے ۔ آج اسی قرآن کے بہانے غریبوں کو لوٹا جا رہا ہے مفلسوں کو اور زیادہ مفلس، جہلا کو اور زیادہ غرق جہل کیا جا رہا ہے ۔ اسی لئے علامہ اقبالؒ جن کا نباض ہاتھ ہمیشہ قوم کی نبض پر رہا کرتا تھا، پکار پکار کر ہماری اس حالت زار کا رونا روتے رہے ۔ (شعر)

تمدن تصوف شریعت کلام — بتان عجم کے پجاری تمام
یہ امت روایات میں کھو گئی — حقیقت خرافات میں کھو گئی
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

کیا یہ تحریف قرآنی نہیں

اے اللہ العالمین ۔ وہ قرآن جو کہ عیسائی کلیسا کی ناروا حرکات کو مٹانے آیا تھا پاپائے روم جو زنا کرنے والے مردوں اور زانیہ عورتوں سے چند ٹکے وصول کرکے انہیں جس طرح بہشت کے دارو غہ کے نام حکمنامہ دیدیا کرتا تھا کیا آج ان ملانوں نے خود شریعت اور قرآن کے ساتھ وہی کھیل تماشا نہیں بنا رکھا ہے ؟ کیا اسی طرح سے صرف ساڑھے تین روپیہ کی حقیر رقم وصول کر کرکے مرنے والے کے عزیزوں اور دوسرے سارے مسلمانوں کے روبرو متوفی کے سارے گناہ

اس کی ساری بے جا حرکات۔ اس کے سارے مظالم۔ اس کی ساری کوتاہیاں اس کے قصور۔ نمازوں۔ روزوں، حج اور زکوٰۃ کی ساری قضاؤں کا کفارہ بنا کر اس تھوڑی سی رقم کے عوض اس کو سیدھا بہشت میں پہنچنے کا ٹکٹ عطا کیا جا رہا ہے۔

اے خداوند عالم۔ جب ہمارے عوام پہر روز یہ تماشا دیکھ رہے ہوں کہ صرف ساڑھے تین روپیہ کے عوض میں زنا، فواحشات اور ہر قسم کے گناہ وغیرہ کرنے والے کو عزتیہ بخشوا سکتے ہیں اور ان کی مسجد کے ملا کو ایسا کلی اختیار ملا ہوا ہے تو کسی کو کیا پڑی کہ وہ نمازیں پڑھتا پھرے۔ زکوٰتیں ادا کرتا رہے۔ حج کی مصیبتیں اٹھائے۔ زنا اور فواحشات اور دوسری ہر قسم کی عیاشیوں سے باز رہنے کی کوشش کرے۔ جبکہ اس کو یقین واثق ہو گیا ہے کہ صرف ساڑھے تین روپے دیدینے سے ان کی مسجد کا ملا جی اس سارے جھگڑے کو چکا کر معافی دلا سکتے ہیں۔

اے خداوند عالم تیری بہشت کو اور مسلمانی کو اس ملا نے کس رنگ میں دنیا کو پیش کیا ہے۔ حالانکہ اقبال کہتا ہے

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

اور ذرا عرب کے بدوی سے جا کر پوچھو کہ تم محمد رسول اللہ صلعم کے ہم قوم اور ہم وطن ہو کر کیوں چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ کا ارتکاب کرتے ہو؟ تو یہ لوگ بیت اللہ شریف کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ بیت اللہ ہمارے گناہوں کو اس طرح دھو دیتا ہے جس طرح صابن میل کو صاف کر دیتا ہے۔ اس لئے ہمیں گناہوں کا کیا ڈر ہے۔

اے محبوب عربیؐ۔ اے کالی کملی والے پیا! دیکھ تو سہی کہ یہ کیا اندھیر ہو رہا ہے

اس تیرے لائے ہوئے قرآن کی تیرے یہ نا خلف جانشین کیا کیا گت بنا رہے ہیں اس تیرے محبوب دین کو کن کن خرافات میں کھویا جا رہا ہے۔ اس تیرے پیارے اسلام کی پیاری پیاری اور دل کو لبھانے والی خوبصورت شکل کو کس کس طرح سے بری صورت اور برے رنگوں میں پیش کیا جا رہا ہے۔ تیرے یہ نا اہل گدی نشین کس کس طرح تحریف تنسیخ اور دور دراز کار تاویلات کر کر کے تیرے دین کی شکل کو بگاڑ رہے ہیں یقیناً اے پیارے رسول تو اگر آج آکر اپنے دین کا جائزہ لے تو قسم بخدا تو ہر گز نہیں پہچان سکیگا کہ یہ وہی دین متین ہے کہ جو تو نے کبھی دنیا کو پیش کیا تھا۔ ۵

اے بہ سرا پردۂ یثرب بخواب
خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

آج کل کا اسلام

اے خدا کے پیارے رسول! آج توکل نام ہو گیا ہے بیکاری، جمود اور تعطل کا۔ آج تقدیر نام ہو گیا ہے کشمکش حیات اور تنازع للبقا سے شکست کھا کر گھر کے کونے میں سو رہنے کا۔ اور تقویٰ نام دھرا گیا ہے دنیاوی ساز و سامان؟ اور مادی قوت اور طاقت سے گریز کرنے کا۔ اسی طرح سے اسلام اور دین نام بن گیا ہے حکومت، دولت اور عزت سے نفرت اور حقارت کرتے کا۔ مُلّا ازم نام بن گیا ہے حیلہ بازوں کا۔ مکاروں کا اور خدا کے دین کو بیچ کر کھانے والوں کا۔ اور وعظ و نصیحت نام بن گیا ہے چندہ جمع کرنے کا۔ اسی طرح سے تدریس مدارس اسلامی نام بن گیا ہے فقہ کی چند کتابوں کا اور صرف اور نحو کے چند صیغے یاد کرنے کا۔ قرآن اور حدیث سے غافل رہنے کا۔ اسی طرح سے حنفی یا سنی ہونا نام بن گیا ہے سارے دوسرے مذاہب کو برا کہنے کا اور

اور سب کو کافر اور ملعون بنانے گا۔

اے خداوند عالم! آجکل سود اور رہن کا نام بیع بالوفا رکھکر اس کو جائز بنایا گیا ہے۔ بلوچستان میں لڑکیاں خود ان کے والدین روپیہ لے کر فروخت کر رہے ہیں۔ اور اس کا نام رکھا گیا ہے حق مہر۔ اسی طرح سے بردہ فروشی کو جائز بنا دیا گیا ہے۔ بازاری عورتوں سے زنا کرنے کو متا کہہ کر اور عصمت فروشی کی رقم کا نام حق مہر ٹھیرا کر اس کو روائیت اور جواز کا جامہ پہنایا جا رہا ہے۔

رقص اور سرود۔ طاؤس اور رباب باقی دنیا کے لئے جرم اور گناہ کا درجہ رکھتے ہیں لیکن مسلمانوں کا ایک برگزیدہ طبقہ یعنی چشتیہ کے لئے نہ صرف یہ روا ہے بلکہ معراج اور ارتقائے روحانی کا ایک ذریعہ ہے۔

خوبصورت عورتوں اور حسین لونڈوں سے عشق کرنا عوام کے لئے تو قابل گردن زدنی ہے لیکن بڑے بڑے مشائخ کبار کو جب بیگانہ عورتوں سے اور چھوکروں سے خلط ملط ہونے پر اعتراض کیا جائے تو وہ اس کو عشق مجازی کہہ کر نہ صرف جائز بلکہ ذریعہ نجات اور روحانی ارتقا کا ذریعہ ظاہر کرتے ہیں۔ اور عربی کا ایک مشہور مقولہ المجاز قنطرۃ الحقیقت کا جامہ اڑھا کر بالکل جائز قرار دیتے ہیں۔

ایک بڑے مولوی صاحب جو کہ ابھی تک ماشاء اللہ زندہ ہیں اور بقید حیات موجود ہیں۔ آج وہ حضرت ریاست فلاں کے اندر کسی مقام پر بڑے مولوی صاحب بنے بیٹھے ہیں اور حکومت کی طرف سے تنخواہ دار قاضی ہیں، اس عشق حقیقی اور عشق مجازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ عشق مجازی یعنی خوبصورت لونڈوں اور خوبصورت عورتوں سے علیحدگی کے اندر ان کا دیدار کرنا اور ان سے عشق اور محبت لگانا روا ہے اور بطور سند مثنوی کا یہ شعر بیان کر گئے

(مثنوی) عاشقی گرزیں سر و گرزاں سراست
عاقبت مارا بداں شہ رہبراست

جس کے معنی ہیں کہ عشق اور عاشقی خواہ حقیقی ہو یا مجازی یہ دونوں آخر کار اسی بادشاہ حقیقی کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔

میں نے کہا آپ عالم دین ہو کر ایک ایسی حرام چیز کو مثنوی کے ایک شعر کیساتھ کس طرح حلال بنا رہے ہیں۔ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ ایک روز حضرت ابابکر صدیقؓ اپنی لخت جگر حضرت بی بی عائشہؓ کے ساتھ گھر میں کھڑے کچھ باتیں فرما رہے تھے کہ خود آنحضرتؐ بھی تشریف لے آئے اور ابابکرؓ کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ اے ابابکرؓ تم کس کے ساتھ کھڑے ہو۔ ابابکرؓ نے فرمایا کہ وہ اپنی لخت جگر بی بی عائشہؓ کے ساتھ کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نہیں تیسرا شیطان بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہے پھر آپ نے ابابکر صدیقؓ کو کہا کہ اے ابابکر تمہیں علیحدگی میں تم اپنی بیٹی کے ساتھ بھی نہ کھڑے رہا کرو۔ حدیث نبوی سے ہمارے مطلب کو پیش کرتی ہے۔

میں نے مولوی صاحب کو کہا کہ کیا دوسری موثق اور مستند خبر آپ کی نظر سے نہیں گذری کہ ہمارے امام اعظمؒ جب بغداد میں قید تھے تو امام محمدؒ ان کے پاس سبق پڑھنے آیا کرتے تھے۔ امام محمد چونکہ طفل تھے اور ابھی تک آپ کو ڈاڑھی نہیں آئی تھی۔ یعنی بے ریش چھوکرے سے تھے۔ اس لئے امام اعظمؒ ان کو سبق تو پڑھایا کرتے لیکن اس کے منہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ ایک دن جبکہ امام محمد کے منہ پر ڈاڑھی نمودار ہو گئی تو آپ نے کتاب پر امام محمد کی ڈاڑھی کا پرچھاواں دیکھ لیا اس کے بعد آپ امام محمد کے چہرے کو دیکھ لیا کرتے تھے۔ لیکن جب تک کہ ڈاڑھی نہیں آئی تھی چہرہ پر نظر کرنا سخت گناہ تصور فرماتے تھے۔ تو حضرت یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ابابکر صدیقؓ اور امام اعظمؒ جس چیز کے خطرے سے مامون نہ ہوں تو آپ یا ہم یا کوئی اور

ہمارے زمانہ کا کوئی پیر و مرشد کیسے اس خطرے سے بے خوف اور نڈر ہو کر لونڈوں اور خوبصورت عورتوں کے ساتھ علیحدگی میں مجلس اور دیدار سے حظ اٹھا سکتا ہے۔

الحمدللہ مجھے چونکہ مثنوی شریف پر کافی عبور اور ادراک حاصل تھا۔ میں نے اس کو شعر بالا کے اندر عشق حقیقی اور عشق مجازی دونوں کس طرح اللہ تک راہنمائی کر سکتے ہیں کے معنی سمجھائے۔ میں نے کہا کہ (شعر)

عاشقی گرزیں سر و گرزاں سر است　　　عاقبت ما را بداں شہ رہبر است

کے یہ معنی ہیں کہ اگر کسی شخص کی اتفاقاً نہ کہ ارادتاً اگر کسی مہ جبیں عورت یا کسی خوبصورت لونڈے کے چہرے پر نظر پڑ جائے تو چونکہ شریعت میں پہلی اتفاقی نظر معاف ہوتی ہے پس اس طرح سے اگر کسی شخص کا کسی معشوق مجازی کے ساتھ دل پھنس گیا تو چاہیئے کہ وہ یا رہے دیگر اس کے چہرے پر ہرگز نظر نہ ڈالے بلکہ اگر اسی تصور اور اسی حسن کے پرتو سے عاشق کو اس سے ایسا عشق دامنگیر ہو جائے کہ کھانا۔ سونا۔ کاروبار چھوٹ جائیں تو ایسا عشق اگرچہ مجازی کہلائیگا۔ لیکن عاشق اس کو شریعت کے سانچہ میں ڈھال لیگا تو اسی عشق مجازی سے ضرور اس کی راہنمائی ہوگی۔ بالکل اسی طرح سے جس طرح کہ عشق حقیقی کیا کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ جب مجازی عشق کو شریعت کے سانچہ میں ڈھال لیا جائے گا تو اس سے بھی فائدہ ضرور پہنچیگا۔ لیکن مولوی صاحب کہتے تو کیا کرتے جبکہ ان کے پیر و مرشد اپنے مریدوں کو اسی عشق مجازی کی خود تاکید فرمایا کرتے تھے۔ یعنی خوبصورت عورتوں کا دیدار کرنے کو ترقی و عروج مدارج باطنی کا زینہ کہا کرتے تھے۔ معاذ اللہ۔ خدا ان کے شر سے بچائے۔

لہذا پیر صاحب کی غلط معانی کی تاویل کرنا تو مولوی صاحب کے لئے کفر کا تریاق کے برابر بات تھی۔ لیکن قرآن، حدیث اور سلف صالحین کے مستند اعتقادات کی تاویل اور تحریف کرنا اور ان کو پیر صاحب کے غلط اقوال کے تابع کر دینا یہ . . . عین اسلام

سمجھا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا روم نے فرمایا ہے

بر ہوا تاویل قرآں میکنی　　　　پست دکژ شد از تو معنی سُنی

ایک بار یہی مولوی اپنے استاد اور پیر صاحب کا حوالہ دیکر کہنے لگے کہ مرحوم حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے کہ بعض اولیاء اللہ نماز سجدہ کے تارک ہوتے ہوئے بھی ولی کامل اور اہل اللہ ہوا کرتے ہیں۔ نماز اہل اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں ہوا کرتی۔ میں نے کہا آپ عالم کہلاتے ہوئے یہ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ ان کے پیر و مرشد مثنوی کے ان اشعار سے یہ معنی استنباط فرمایا کرتے تھے۔ (مثنوی ۲)

ہر سرے را سجدہ ہم دستور نیست　　　　مزد رحمت قسم ہر مزدور نیست

اس شعر کے اصلی معنی تو یہ ہیں کہ ہر شخص کو اللہ کے سامنے جھکنے ، سر نیاز اور عبودیت رکھنے کی توفیق کہاں نصیب ہوتی ہے۔ یہ سجدۂ بندگی کسی کسی اللہ کے پیاروں کو میسر آتا ہے۔ دوسرے مصرع میں اس کی مثال پیش کرتے ہیں کہ مزدور کو مزدوری میں کبھی نقد اجرت ملا کرتی ہے اور کبھی جنس یعنی غلہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔ لیکن بعض خوش نصیب مزدور ایسے بھی نکل آتے ہیں جنہیں کام کی مزدوری کے عوض اللہ کی رحمت ملا کرتی ہے۔ لیکن ایسے خوش بخت مزدور بہت کم ہوا کرتے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب مذکور اس کے الٹے معنی بتا رہے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ اس شعر کے معنی ہیں کہ ہر ایک ولی اللہ سجدہ یعنی نماز نہیں کیا کرتا اور بغیر نماز پڑھے ہی وہ ولی اللہ بن جاتا ہے۔

سوال گندم جواب چنا۔ یہ غلط معنی کیوں کر رہے تھے محض اس لئے کہ ان کے پیر اور مرشد یوں ہی ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

اے خداوند عالم اوپر ہم رسمی اسلام اور بدعات پیدا کردہ ملایان اسلام کا ذکر کر رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی ہے کہ شادی اور نکاح کے اندر جب تک

بیوی شوہر کو پسند نہ کرے۔ اور شوہر بیوی کو نکاح میں لانے کے لیے بہ طیب خاطر رضامند نہ ہو جائے ایسا نکاح فاسد ہوتا ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد حرام ٹھیرتی ہے۔ لیکن آج شریعت کے اس لازمی رکن کو بالکل رسوم۔ روایات کے حیلوں اور بہانوں کے جائے اڑائے جاتے ہیں۔ یقیناً اس وقت عام مسلمانوں کے اندر بچانوے فیصدی نکاح اس شرعی اصول کے بالکل خلاف عمل میں آ رہے ہیں۔ عورت اور مرد کی رضامندی کی حقیقت کو اس طرح سے بدعات اور روایات کے اندر گم کر دیا گیا ہے کہ دیہاتی مرد اور عورت کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ ان کی پسند اور رضامندی بھی نکاح کے لئے کوئی ضروری اور لازمی چیز ہے بلکہ بلوچستان کے اندر تو یہاں تک عملاً ہو رہا ہے کہ عورت کی طرف سے ایک آدمی فرضی دکیل بنکر آ جاتا ہے اور وہ لڑکی کو لڑکے سے بیاہ دیتا ہے۔ بعض اوقات اگر کوئی عورت کسی کو پسند نہ کرے تو اس کو مار پیٹ کر لہولہان کر کے شوہر سے روپیہ وصول کر کے لڑکی اس کے حوالہ کر دی جاتی ہے۔ اگرچہ ایسی صورت میں نکاح بالکل جائز نہیں۔ لیکن لالچی کو ٹکوں سے کام ہے۔ حلال اور حرام سے نہیں۔

آج مسلمانوں میں اسی وجہ سے آئے دن خاوندوں اور ان کی بی بیوں میں اختلافات۔ مقدمات۔ خون خرابہ وغیرہ ہوتا رہتا ہے۔ آئے دن اخبارات میں ذکر ہوتا ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کی ناک کاٹ لی۔ کسی کی بی بی کسی غیر آدمی کے ساتھ فرار ہو گئی ہے۔ یہ ساری خیانتہ خرابی اس خلاف شرع قسم کے جبری نکاح خوانیوں سے پیدا ہو رہی ہے۔ اور اسلام کے اس پاکیزہ اصول اور قرآن کے ان روشن احکام کی خلاف ورزی کرنے سے مسلمانوں کے گھر آئے دن برباد ہو رہے ہیں۔ یہ بدنصیب مسلمان پھانسیوں کے تختہ پر قرآن اور شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کے باعث لٹک رہے ہیں اور مقدمہ بازی کر کے یوں

برباد ہو رہے ہیں۔ اگر یہ مُلّا نے ان اسلامی احکام کی پوری پوری پیروی کرتے اور شریعت کے خلاف نارضامندی کی صورت میں نکاح خوانی سے صاف صاف انکار کر دیتے بلکہ میاں اور بی بی کو شریعت کے احکام کھول کھول کر بیان کر دیتے اور نارضامندی کی شادیوں کے مفاسد اور نقصانات پر تقریر کر کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھاتے تو یقیناً پچاس فیصدی میاں بیوی کے درمیانی جھگڑے تو ختم ہو سکتے تھے اور ان بدبخت مسلمانوں کے گھر جو آج اختلافات کے سبب سے جہنم بنے پڑے ہیں یقیناً جنت کا نمونہ بن سکتے تھے۔

علماء سوء کے کرتوت

اے پیارے رسول اللہ اور اپنی امت کی خبر لے۔ اٹھ اور دیکھ کہ تیرے یہ امین اور وارثان دین تیرے قرآن کے حاملین تیرے قرآن کے ساتھ کیا کیا کھیل تماشے کر رہے ہیں اور مسلمانوں کے دماغوں سے وہ فاتحانہ اور شاہانہ خیالات نکال نکال کر ان میں گداگری اور افلاس کے خیالات ٹھونس رہے ہیں۔ ان کے انہیں فاسد خیالات کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی سلطنتیں آئے دن ٹوٹ پھوٹ رہی ہیں۔ آج جہل۔ نادانی افلاس۔ تنگدستی۔ تنظیم۔ اتحاد اور اتفاق سے بیگانگی۔ بدعات اور فواحشات سے محبت کرنا مسلمان کی تعریف سمجھی جاتی ہے۔ بدچلنی کے اڈے انہیں کے مرہون منت ہیں ساقی خانے۔ قمار خانے۔ شراب خانے۔ چکلے انہیں کے دم سے زندہ ہیں۔ کاہلی اور غفلت ان کا قومی نشان بن گیا ہے۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس ساری خرابی کا ذمہ دار کون ہے تو میں کہوں گا کہ مسلمان کی ان تمام خرابیوں کی ذمہ داری ساری کی ساری مُلّا (علماء سوء) کے سر پر ہے یہ میری ذاتی رائے نہیں بلکہ خود حجۃ الاسلام امام غزالیؒ ساری خرابی کا ذمہ دار علماء سوء کو گردانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

" مسلمان اس لئے خراب ہوئے کہ بادشاہ اور حکام نے عدل اور انصاف اور

مسلمانوں کی اصلاح کا طریقہ چھوڑ کر عیاشیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ بادشاہ اور حکام اس لئے خراب ہوئے ہیں کہ علما جاہ و مال کے درپے ہو کر بادشاہوں کی خوشامد کرتے رہتے ہیں۔ حق گوئی اور امر معروف کا طریق ترک کر چکے ہیں؛

امام غزالیؒ کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں

" فساد الرعایا بفساد الملوک وفساد الملوک بفساد العلماء و فساد العلماء باستیلاء حب المال والجاہ "۔

یعنی رعایا اس وجہ سے ابتر ہو گئی کیونکہ سلاطین کی حالت بگڑ گئی ہے۔ اور سلاطین کی حالت اس وجہ سے خراب ہو گئی کہ علماء سو کی حالت بگڑ گئی۔ اور علما کی خرابی اس وجہ سے ہوئی کہ جاہ و مال کی محبت نے ان کے دلوں کو چھا لیا ہے۔

لیکن علامہ اقبال نے ملّا (عالم سو) اور بادشاہ کے ساتھ سود خوار اور پیر کو بھی اس خرابی امت کا ذمہ دار گردانا ہے۔ ؎

چار مرگ اندر پئے ایں دہر پیر
سود خوار و والی و ملّا و پیر

اس لئے ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ برے علما زہر بیچنے والے دکاندار ہیں۔ زہر بیچنے والا دکاندار تو خود یقیناً مالدار ہو گا لیکن گاہکوں اور خریداروں کا ضرور ستیاناس ہو جاتا ہے۔ غالباً ایسے ہی لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے ؎

طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا
اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا

گبرکا قصّہ ایسے ملاجن کی حالت دین کو دیکھکر ایک گبر یعنی آتش پرست لڑکی مومن ہونے کے بعد دوبارہ گبر بن گئی تھی اس کا قصّہ مثنوی شریف میں حضرت مولانا رومؒ نے مفصل درج فرمایا ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ایک آتش پرست لڑکی اسلام کے محاسن اور خوبیاں سن کر یا کسی اللہ والے صالح بندہ کی صحبت سے مستفیض ہو کر مسلمان ہو گئی تھی کہ قضا کار حاجیوں کا ایک قافلہ حج کے لئے جاتا ہوا ان کے گاؤں میں شب باش ہوا۔ ان میں ایک درشت گو بد لہجہ مؤذن بھی تھا اس نے رات کو اس گاؤں کی مسجد کے اندر اذان دی۔ لکھا ہے کہ وہ گبر لڑکی جو کہ مسلمان ہو گئی تھی اس کی آواز درشت یعنی بری آواز کو سن کر ڈر گئی۔ سہم کر پوچھنے لگی کہ یہ کیا بری آواز ہے۔ لڑکی کے باپ اور ماں وغیرہ کو موقعہ مل گیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بری آواز ایک مسلمان کی ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ اسی طرح سے گیدڑوں کی طرح بولیاں بولتے ہیں۔ لڑکی متعجب ہو کر اسلام کی اس بھونڈی شکل اور صورت کا حال سن کر اسلام سے برگشتہ ہو گئی۔ آذان کے بعد مؤذن کی حیرت کی حد نہ رہی کہ بوڑھا گبر جو کہ اس لڑکی کا باپ تھا کچھ میوہ اور کچھ مٹھائیاں بطور تحفہ اور نذرانہ مؤذن کے پاس لایا اور اس کے پاؤں چومنے لگا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا کہ آخر بات کیا ہے۔ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔

بوڑھے گبر نے کہا کہ اے مؤذن آپ نے تو ہم پر وہ احسان کیا ہے جو کسی سے بھی نہ ہو سکا۔ ہماری لڑکی جو ہمارے دین سے برگشتہ ہو چکی تھی آپ کی آواز سنکر اسلام سے بیزار ہو گئی ہے۔

یہ سارا قصہ لکھنے کے بعد حضرت مولانا رومؒ ہم جیسے مسلمانوں سے اور ہمارے ملاؤں سے جنہوں نے دنیا میں اسلام کی یہ بھونڈی تصویر پیش کی ہے مخاطب فرما کر کہتے ہیں (مثنوی)

ہست ایمان شما زرق و مجاز
راہزن ہم چوں کہ آں بانگ نماز

یعنی چونکہ تمہارا ایمان محض ٹھگی۔ دھوکہ اور مکر ہے۔ اس لئے تمہارا یہ ایمان

لوگوں کو دین سے برگشتہ اور اسلام سے بدظن بنا رہا ہے۔ لوگ تمہارے دین اور تمہاری اسلامی حالت کو دیکھ کر اسلام سے بیزار ہو رہے ہیں جس طرح کہ بانگ اذان سنکر وہ گبر کی اسلام سے برگشتہ ہو گئی تھی۔

حضرت مولانا رومؒ ہماری زبوں حالی اور کفر گری اور ہمارے علماء سوء کے ناگفتہ بہ کردار اور بدعملیوں کا قصہ لکھنے کے بعد ہم سے اور ہمارے بدعمل ملاؤں سے یوں خطاب کرتے ہیں۔ (مثنوی)

کردہی بر دیگراں نوحہ گری	مدتے بہ نشیں و بر خود مے گری
ہر کجا نوحہ کنند آنجا نشیں	زانکہ تو اولے تری اندر حنین
گر ضریرے لمتراست و تیز خشم	گوشت پارہ اش دان کہ اور انیست چشم
گر سخن گوید زمو باریک تر	آں سرش را از سخن نبود خبر
آب در جوئے نمی گیرد قرار	زانکہ آں جوئیست تشنہ وا نجوار
ہم چو نائے نالہ و زاری کند	لیک پیکارے خریدارے کند
نوحہ گر باشد مقلد در حدیث	جز طمع نبود مراد آں خبیث

قرآن کی تاثیر اور ہیبت

وہ قرآن جس کو آج تعویذوں۔ گنڈوں اور حلف حلوت کے لئے ہمارے ملاّ نے (علماء سوء) استعمال کو رکھا ہے۔ یا جس کو ریشمی رومالوں کے اندر لپیٹ کر الماریوں کی زیب اور زینت بنایا ہوا ہے۔ یا مرنے والوں کو جلد مارنے اور جلد ختم ہو جانے کے لئے سورت یسین پڑھ پڑھ کر پھونکنے اور ورد و وظائف کے لئے وقف کیا ہوا ہے۔ یا قرآن بخشوانے یا اسقاط کے حیلوں بہانوں کے لئے قرآن بیچ بیچ کر روزی کمانے کا آلۂ کار بنایا ہوا ہے اس کی بالکل وہی مثال ہے۔ جیسے

کہ ایک خرکار کو قیمتی لعل ہاتھ لگا اور اس نے اس کو اپنے گدھے کی گردن سے باندھ دیا تھا۔ دراصل یہ وہی قرآن ہے کہ جس کے احکام کی پیروی میں سلف کے مسلمانوں نے قرآنی آیات کی گونج اور تلاوت قرآنی کے زمزموں کے اندر مملکتوں پر مملکتیں فتح کیں۔ جس کی تلاوت کے خیر اور برکت سے کفار کے تخت اوندھے کر دیے۔ مرنے والے مسلمانوں پر قرآن پڑھ پڑھ کر روزی کمانے والا یہ عالم سوءان تواریخی واقعات پر نظر ڈالکر دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔

قرآن کے دوررس اثرات

قرآن کو تعویذوں، گنڈوں، اور حیلوں بہانوں میں کام لانے والے ملّا ذیل کے مستند تاریخی واقعات پر غور کریں۔

(اول) جس وقت سلطان احمد شاہ ابدالی ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے تو اس کی تو جون کی راہ میں ہریں مارتا ہوا ایک دریا حائل ہوتا ہے جس کی موجیں کف اڑا رہی ہیں۔ اس وقت غازی احمد شاہ بابا دو مشکلوں میں گھر گئے ہیں۔ سامنے سے دریا ہے۔ جس کا عبور کرنا بغیر کشتی کے پُر خطر اور ساتھ ہی حملے میں تاخیر کرنا بھی خطرناک تھا۔ لہذا ان ہر دو مشکل اور خطرناک مراحل کو طے کرنے کے لئے اس نے قرآن کا آسرا لیا اور قرآن کا دامن مضبوط تھام کر اپنی ترکش سے ایک تیر نکالا۔ اس پر سورۃ فاتحہ شریف دم کر کے چلا چڑھا کر دریا میں تیر مارا اور اس تیر کے پیچھے سب سے پہلے اپنا گھوڑا دریا میں ڈالدیا۔ اس کو قرآن کے ماننے والے قرآنی معجزہ کہیں یا نئی روشنی اور نئی تہذیب والے قوت ارادی کی آہنی طاقت اور غلبہ خیال کریں۔ بہر حال ہوا یہ کہ بادشاہ کے پیچھے پیچھے ساری فوج دریا میں اتر گئی اور سب کے سب خیریت کے ساتھ دریا کو عبور کر کے پار ہو گئی اور دشمن پر

فتح حاصل کی۔

اسی طرح سے جنگ قادسیہ اور اس کے بعد کی جنگوں میں دریاؤں کی روانی سے عہدہ برآ ہونے کے لئے یہی صورت اختیار کی گئی تھی۔

بالکل اسی طرح سے ہوا جبکہ سلطان محمد شاہ فاتح نے قسطنطنیہ پر یلغار کی ہے تو آیت الکرسی آپ کی زبان پر جاری تھی۔

قلعہ دہلی پر جب تاتاریوں نے حملہ کیا ہے تو اس وقت سلطان علاء الدین کے پاس باوجود عسکری قوت کم ہونے کے اس حالت پریشان کن کے اندر وہ قل ہو اللہ پڑھتا جاتا تھا۔ اور اپنی فوجوں کو آگے بڑھاتا جاتا تھا۔ قرآن کی ہیبت اور قل ہو اللہ کی گونج کا اثر یہ ہوا کہ تاتاریوں کے چھکے چھوٹ گئے۔ ان کی فوجوں کے قدم اکھڑ گئے اور ان پر ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ آخر کار رات کی اندھیری میں انہیں بھاگ کر چلے جانے میں ہی اپنی خیر نظر آئی۔

اگر ہمارے ملا کو فقہ کے سلم اور اجارے کے ابواب یا فقہ کے باب الحیل کے پڑھنے سے ذرا فراغت ہو تو وہ مسلمانان سلف کی تاریخ کھول کر مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ خدا کے ان نیک بندوں نے آیات قرآنی سے کیا کیا فتوحات حاصل کی ہیں اورنگ زیب عالمگیر۔ شاہجہاں اور شیر شاہ سوری کے متعلق تاریخی شہادت ہے کہ ان کا طریق عمل یہ تھا کہ جب کبھی جنگ کی حالت دگرگوں ہوتی تو قرآن کریم پڑھنے لگ جاتے۔

اسی طرح سے یہ بھی ایک تاریخی سچائی ہے کہ پانی پت کے میدان میں جب مرہٹوں کے پانچ لاکھ کی فوج اور لشکر میں شب کے سناٹے کے اندر حرکت پیدا ہوئی ہے اور شجاع الدولہ آپ کو ان خطرات سے مطلع کرنے دوڑے ہیں تو شجاع الدولہ کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی جبکہ اس نے دیکھا کہ بادشاہ اپنے خیمے میں بیٹھا کلام اللہ شریف کا

درد کر رہا ہے۔ آپ کی اس قرآن خوانی کی برکت تھی کہ مسلمانوں کے دلوں میں قیامت کا جوش اور جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ تاریخ ہمیں بتا رہی ہے کہ مسلمانوں کی اس قلیل فوج یعنی تریسٹھ ہزار مسلمانوں نے ان پانچ لاکھ مرہٹوں کو شکست فاش دیدی۔

محمود غزنویؒ نے جب سومنات پر حملہ کیا ہے تو سومنات کے مندر کو بچانے کیلئے ہندوستان بھر کے راجے اور مہاراجے لاکھوں کی فوج لیکر سومنات میں پہنچ گئے تھے ادھر غازی محمود غزنویؒ کی تھوڑی سی فوج تھی جو کہ غزنی سے سومنات کا طول طویل پیدل راستہ کاٹ کر نہایت تھکی ماندی مضمحل حالت میں پہنچی تھی۔ محمود نے دشمن کی بے پناہ طاقت کو دیکھکر قرآن کا وسیلہ پکڑا۔ اور وہ اس کے سامنے سجدہ میں گر گر کر دعائیں مانگیں۔ سجدے سے فارغ ہو کر یلغار کا حکم دیدیا۔ حکم کا انتظار تھا کہ ان تھکے ماندے سپاہیوں نے بجلی کی کڑک اور سمندر کے طوفان کی طرح سے کفار کو گھیرے میں لے لیا۔ اور دشمن فوجوں کو گھبراہٹ اور سراسیمگی کے عالم میں بھاگ کر جان بچانے کے ماسوائے کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔

اے خداوند عالم! سلف کے مسلمانوں نے قرآن کا وسیلہ اور آسرا ایسے ایسے مواقع پر لیا ہے یا عمل بالقرآن سے۔ لیکن ہمارے علماء سوء نے قرآن کو فتح کی بجائے شکست کے لئے زندگی کے بجائے موت کے لئے مسلمانوں کے فائدہ کے بجائے استفادہ قرآن بخشی کے بہانے اور مکر کے لئے اس کو استعمال کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج ہر جگہ مسلمان مغلوب ہے۔ مفلوج ہے۔ بیکار ہے۔ اپاہج ہے مفلس اور نادار ہے۔

قرآن صحیفہ عمل ہے

قرآن نے کس قدر واضح الفاظ کے اندر کہدیا ہے کہ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ

عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ یعنی جو کچھ بھی کمائی کرتے ہو وہ سب تم خود کرتے ہو۔ اسی طرح سے جو کچھ گنواتے ہو وہ بھی خود گنواتے ہو۔ اس میں نہ قسمت کا قصور ہے نہ تقدیر کا گلا۔ مولانا رومؒ نے اس حقیقت کو کیسے شیریں انداز کے اندر ہمیں سمجھایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں (مثنوی)

ازتو رستہ است ازنکوست ورید ست ناخوش وخوش ہم ضمیرت از خود است

یعنی اے انسان۔ نیکی یا بدی۔ خوشی یا غم۔ آزادی یا غلامی جو کچھ بھی تجھے پیش آرہی ہے (ازتو رستہ است) یہ سب تیرے اپنے وجود سے پیدا ہوتی ہے۔ تیرے اپنے کئے کا پھل ہے۔

گر بخاری خستہ خود کشتہ در حریر و قز دری خود رشتہ

یعنی اگر تو خوار اور خستہ حال ہے اور اگر تو ریشم اور حریر پہنتا ہے یا موٹا جھوٹا کھردرا کپڑا۔ تو یہ تو نے خود سیا ہے کسی کا اس میں قصور نہیں۔

قرآن نے واضح الفاظ میں ہم سے کہہ دیا ہے کہ جو کچھ بھی بنتا ہے تمہارے اپنے اعمال سے بنتا ہے۔ اپنی زندگی کو بنانا یا بگاڑنا۔ سنوارنا یا برباد کرنا یہ سب تیرے اپنے کرتوت کا پھل ہے۔ قرآن نے ہمیں بیدار کر دیا ہے کہ اگر ترقی اور عروج چاہتے ہو تو نیک عمل کرو۔ عمل سے ہی سب کچھ بنے گا۔ محض باتیں بنانا یا محض قرآن کو ریشمی جزدانوں میں زیب طاق کر کے رکھنا تمہیں کچھ کام نہیں دیگا۔ تم اپنی زندگی کی عمارت کے خود انجنیر ہو۔ تمہاری عمارت حیات کی درستی یا خرابی کا مدار خود تمہارے اپنے آپ پر ہے۔

قرآن کی آیت لہا ما کسبت الخ نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے کہ تیرا عزت مآب ہونا یا تیرا بے عزت ہو کر ٹھوکریں کھانا خوار اور خراب ہونا خود تیرے اپنے عمل کا نتیجہ ہے اور اگر بغور دیکھا جائے تو تمام مذاہب عالم کے اندر عمل کی تعلیم ہے شریعت

موسوی میں اور ہند و مذہب کے اندر بھی عمل کا نام کرم کانڈ ہے۔ اسی طرح سے ہندوؤں کی کتاب گیتا کے اندر خود کرشن کی بھی تعلیم عمل موجود ہے۔ لیکن دوسرے مذاہب میں زیادہ زور عقائد پر دیا گیا ہے۔

قرآن نے کئی مقامات پر آمنو وعملو الصالحات کا حکم دیا ہے بلکہ آیت ذیل یعنی

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیر و ما بانفسھم

جس کا ترجمہ یہ ہے (شعر)

خدا نے آجتک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ تم خود تحریک عمل کر کے جب تک اپنے حالات، کیفیات، نفوس اور اذہان کے اندر کچھ بہتر تبدیلی نہ لاؤ گے تو یہ تمہارا خیال غلط ہے کہ خود بخود ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہنے سے یا محض بے عمل دعاؤں سے یا فقط قرآن کو اٹھا کر اس کی جلد کو چومنے چلٹنے سے تم ترقی یا عروج کے منازل طے کر سکتے ہو تو تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بغیر عمل کے ترقی اور عروج ہرگز ممکن نہیں۔ (مثنوی)

دارد ئے مردی بخود اندر عمل	تا شوی خورشید گرم اندر حمل
دستی گر بایدت خنجر بگیر	در بجیزی مائلی چادر بگیر

قرآن ایک زندہ کتاب ہے

اسلام سے پیشتر عرب کی جہالت کی جو کیفیت تھی کسی اہل علم سے مخفی نہیں۔ افعال قبیحہ میں شاید ہی کوئی قبیح فعل ایسا ہو جس کا کہ وہ ارتکاب نہ کرتے ہوں۔ تمام

بری عادات اور بری خصلتیں ان میں پائی جاتی تھیں۔ یہ اسی قرآن کا ایک حیرت انگیز اور ایسا معجزہ ہے کہ اس نے اس جاہل اجہل قوم کے اندر ایسا اخلاقی تغیر اور ایسا انقلاب پیدا کر دیا کہ نہ صرف عرب خود اس جہل سے نکل کر عالم ہو گئے بلکہ انہوں نے باقی کی ساری دنیا کی اصلاح کا بھی بیڑا اٹھایا۔ ان حاملین قرآن نے ایسے گمراہوں کو دوسری دنیا کا ہادی بنا دیا۔ ان مردوں کو نہ صرف نئی زندگی بخشی بلکہ یہ مردہ خود زندگی بخش مسیحا بن گئے۔ اور دوسری اقوام عالم نے ان سے تہذیب اور تمدن کا سبق سیکھا۔ قرآن نے ان بے علموں کو ایسا عالم بنا ڈالا کہ دوسری دنیا کی مہذب قومیں ان کے نور علم کی روشنی سے جگمگا اٹھیں۔ کیا دنیا میں کوئی اور معجزہ اور کوئی ایسا خرق عادت ہو سکتا ہے جیسا کہ خود قرآن کا یہ محیر العقول معجزہ ہے!

قرآن مجید کی محیر العقول بلاغت اور فصاحت کو دیکھکر لوگوں نے اس کو سحر اور جادو کہنا شروع کر دیا تھا۔

قرآن (احقاف) جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے"

لیکن جب لوگ اس اعجاز الٰہی سے متاثر ہو کر جوق در جوق حلقہ بگوش ان اسلام کی تعداد میں اضافہ کرنے لگے تو کافروں نے اپنے دوستوں سے کہنا شروع کر دیا کہ جب محمد صلعم قرآن پڑھیں تو تم شور و غل کیا کرو۔ تاکہ آپ کی کوئی بات سن نہ پائیں۔

(قرآن) وقال الذین کفروا۔ لاتسمعوا لہٰذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون ـــ
یعنی وہ کفار کہنے لگے کہ اس قرآن کو نہ سنا کرو۔ بلکہ اس کے پڑھنے کے وقت شور و غل کیا کرو۔ شاید کہ اس طرح سے تم غالب آجایا کرو (فصلت (۲))

یہی قرآن تھا کہ جس نے حضرت عمرؓ جیسے دشمن اسلام کو جو حضور کو قتل کرنے کیلئے

شمشیر بکف آئے تھے قرآن سنکر آپ کے سامنے سر اطاعت خم کر کے مسلمان ہو گئے اسی قرآن کی چند آیتیں سنکر عمرؓ جیسا ایک سخت دل انسان رقیق القلب انسان بن گیا اور اس رقیق القلبی کے سبب سے اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنا شروع ہو گئے اور آنکھوں سے بیساختہ آنسوؤں کی لڑیاں بہنا شروع ہو گئیں۔ زبان سے اقرار کر لیا کہ بیشک یہ کلام کلام ربانی ہے۔ مثنوی

آمدہ عمر بے بقصد مصطفےٰ — تیغ در کف بستہ بس پیمانہا
گشتہ اندر شرع امیر المؤمنین — پیشوا و مقتدائے اہل دیں

ضماد ازدیؓ ایک بڑے عامل شخص تھے۔ وہ یہ سن کر کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلعم پر کوئی جن سوار ہے آپؐ کے علاج کے لئے حاضر ہوئے۔ لیکن جونہی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے چند آیتیں سنیں تو حیران ہو گیا۔ اور بے ساختہ آپ کا سر ادب سے جھک گیا اور کہنے لگا "خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی بھی سنی جادو گروں کے منتر اور شعرا کے شعر بھی سنے ہیں۔ لیکن آپ جو کہتے ہیں یہ کچھ اور ہی ہے یہ تو (واللہ) سمندر تک میں اثر کرنے والی چیز ہے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ کفار قریش نے جب اسلام کو ترقی کرتے دیکھا تو عتبہ بن ربیعہ کو جو کہ شاعر بھی تھا اور سحر و کہانت بھی جانتا تھا منتخب کر کے دربار رسالت میں روانہ کیا۔ تاکہ معلوم کرے کہ محمد صلعم جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور پھر صلح و آشتی سے حضورؐ کو اعلائے کلمۃ الحق سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ جب اس نے بارگاہ نبوی میں شرائط صلح پیش کیں تو اس کے جواب میں حضور سرور کائناتؐ نے سورۃ فصلت پڑھنی شروع کی۔ ہنوز کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ عتبہ نے حضور صلعم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور کہنے لگا خدائے کعبہ کی قسم تم تو دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دو گے۔ قرابت کا واسطہ بس کر دیں۔" یہ کہکر عتبہ اٹھ کھڑا ہوا اور گھر میں آکر (محو حیرت) ہو کر بیٹھ گیا۔ ابوجہل کو

جب معلوم ہوا تو اس کے گھر جا کر کہا کیوں عتبہ! محمدؐ کی دعوت کی کہ انہیں کے ہو گئے عتبہ نے کہا ابو جہل بے ہودہ مت بکو۔ کون ہے جو میری دولتمندی میں کلام کرے یا مجھے بندۂ حرص و آز ٹھیرائے۔ میں جس طرح کا دولت مند ہوں تم خود جانتے ہو۔ مجھ پر روپے پیسے اور دولت کی طمع دامنگیر نہیں ہو سکتی۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا محمد صلعم نے میرے سوال کے جواب میں جو کلام پیش کیا وہ نہ تو شعر تھا اور نہ کہانت تھی بلکہ وہ فصاحت و بلاغت کا مخزن تھا۔ ایسا فصیح اور بلیغ کلام ہے کہ میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا۔ اس میں عذاب الہٰی کی دھمکی تھی۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر عذاب الہٰی نہ آ جائے۔" یہ سنکر لوگوں نے کہا محمدؐ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا ہے۔"

کعب بن مالکؓ، حسان بن ثابتؓ، عبد اللہ بن قیسؓ، نابغہ جعدیؓ، کعب بن زہیرؓ، عامر بن الکوعؓ۔ طفیل بن عمروؓ۔ زبرقانؓ۔ شماسؓ۔ اسود بن سریعؓ۔ عبد اللہ بن رواحہؓ وغیرہ یہ سب مشہور شعرائے عرب میں سے تھے جو کہ قرآن کی آواز سن کر اس کے گرویدہ ہو گئے اور اس کے اثر سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ولید بن مغیرہ قریش کا دولت مند اور ایک صاحب اثر شخص تھا۔ اس نے جب قرآن کی آیات سنیں تو اس کا دل حلاوت قرآنی سے لبریز ہو گیا اور مسحور ہونے لگا۔ یہ دیکھکر ابو جہل ڈرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ولید مسلمان ہو جائے۔ اس لئے اس نے ولید کو قرآن مجید سے متنفر کرنا شروع کر دیا۔ اور اس بات پر آمادہ کر دیا کہ عام جہلا کی طرح یہ اعلان کر دے کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے یا کسی کاہن کی پیشین گوئی ہے۔ ولید نے کہا کہ تم لوگوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ سخن فہم ہو۔ قصیدہ اور غزل کے محاسن اور معائب جانتا ہو۔ زبان اور بیان کی لطافت، بحر و وزن کی باریکیوں سے واقف ہو۔ میں سچ کہتا ہوں کہ قرآن میں تو ایسی ایک بات بھی نہیں ہے۔ یہ کلام نہ کسی شاعر کی دماغی اختراع کا نتیجہ ہے۔ نہ کسی کاہن کی پیشگوئی ہے۔ بلکہ یہ تو سراپا ایک مٹھاس ہے۔ ایک لذت

ایک روحانیت کا مخزن ہے۔ یہ ایک ایسا مغز ہے جس میں چھلکا نہیں۔ یہ ایک ایسی بلندی ہے جس میں پستی نہیں۔ یہ ایک ایسی ظفر ہے جس کو شکست نہیں"۔

ابوجہل نے تیوری میں بل ڈالا اور کہا۔ "ولید آج تجھے کیا ہو گیا ہے کہ تو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے" اس نے جواب دیا کہ "میں خود بھی نہیں بتا سکتا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ اچھا مجھے ذرا اور غور کر لینے دو"۔ سوچ سوچ کر اس نے کہا "قرآن ایک ایسا سحر ہے کہ جس کا کوئی اتار نہیں۔ ایک ایسا منتر ہے کہ جس کا رد نہیں"۔

قرآن ایک شیر تھا۔ ملا نے اسکو گائے سمجھ رکھا ہے

قدرتاً یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ قرآن جو کہ بقول ولید بن مغیرہ ایک مٹھاس، ایک لذت، ایک روحانیت کا مخزن تھا۔ آج اس کی وہ روحانیت اور اس کا وہ مٹھاس کہاں چلا گیا ہے کہ کافر تو بجائے خود رہے خود کلمہ گو مسلمانوں پر بھی اس کا کچھ باقی نہیں رہا۔ برائے نام مسلمان اگرچہ کروڑوں ہیں مگر حقیقی مسلمان اور صحیح معنوں میں مسلمان بہت تھوڑے رہ گئے ہیں۔ آج کیوں ایسی مٹھاس سے ترکی نے منہ پھیر لیا ہے خیر ترکی تو دور رہا۔ خود ہمارے پاکستان کے اندر جہاں مردم شماری کے لحاظ سے آٹھ۔ نو کروڑ مسلمان گنے جاتے ہیں۔ لیکن از روئے ایمان اور عمل خود پاکستان کے مسلمان قرآن کی اس مٹھاس سے منہ بنا رہے ہیں۔ آج پاکستان کے طول اور عرض میں بے پردگی ہے۔ بے حیائی ہے۔ عریاں رقص ہو رہے ہیں۔ کہنے کو تو ہم سب لوگ مسلمان ہیں۔ لیکن کسی کا رجحان دہریت کی جانب ہے اور کسی کا کمیونزم کی طرف۔ یہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ کالجوں سے نکلنے والے نوجوان اسی۔ نوے فیصدی کمیونسٹ خیالات کے ہوتے جا رہے ہیں۔ آخر کیوں وہ قرآن جو بقول ولید بن مغیرہ سراسر مغز تھا اور جس میں چھلکے کا کوئی نام و نشان بھی نہیں تھا اور وہ اسلام کہ جو

بلندی ہی بلندی تھا آج کیوں روبہ پستی ہوا جاتا ہے۔

اس کی وجہ بالکل صاف ہے کہ وہ قرآن کہ جو سراسر عمل تھا۔ آج سراسر بے عملی ہی بے عملی رہ گیا ہے۔ یہ ایک سیدھی سادی بات تھی کہ قرآن جو کہ شفاء الامراض لما فی الصدور تھا۔ جو کہ پستی۔ جہالت، غلامی، بھوک، ننگ، بد اخلاقی، بزدلی۔ ضعف کمزوری وغیرہ۔ سارے امراض کا ایک مجرب نسخہ تھا۔ سلف کے مسلمانوں نے اس کو بغور پڑھا اس کے معانی اور مفہوم کو خوب سمجھا اور پھر اس پر جمکر عمل کیا۔ لیکن ہم نے اس کے برعکس صرف اس مجرب نسخے کے حروف اور الفاظ کو خوش نویسوں سے خوش خط لکھوایا۔ اس کو سنہری حروف سے مزین اور خوبصورت کرایا۔ اس کو ریشم اور اطلس اور کمخاب کے جزدانوں میں بڑی عزت سے لپیٹ کر اپنی الماریوں میں اونچی جگہ پر رکھدیا اور کبھی کبھار جب کوئی بیمار ہوا تو اسکو بڑے ادب کے ساتھ اٹھایا اور اپنے بیمار کے سر پر پھیر اکر واپس وہیں رکھدیا اس چیز کو ایک معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جان سکتا ہے کہ ہریڑ۔ آملہ۔ بلیلہ بوزن کوٹ چھان کر کھانے سے درد شکم فرنج ہو جاتا ہے اور زکام سے خلاصی ہو جاتی ہے لیکن کیسے ؟ کیا صرف ہلیلہ۔ بلیلہ۔ آملہ کے نسخہ کو پڑھکر رکھنے سے۔ اس کو صرف چند منے سے چاٹنے سے، ریشمی جزدانوں میں محفوظ کرنے سے یا اس کو کھانے سے اور اس کو استعمال کرنے سے ؟

آج ہم اس جاہل مریض کی طرح بن گئے ہیں کہ جو ہلیلہ۔ بلیلہ۔ آملہ کا نسخہ علی الصباح بجائے کوٹ کر کھانے کے صرف اس کو پڑھتا رہتا ہے۔ اور صرف اس نسخہ کے الفاظ کو زبان کی نوک پر رٹتا رہتا ہے۔ نہ اس کو حکیم کی بتائی ہوئی ترکیب کے مطابق تیار کرتا ہے نہ اس کی ہدایت کے مطابق اسکو کھاتا ہے۔ نہ اس کی فرمائش کے مطابق پرہیز کرتا ہے اور نہ عمل کرتا ہے تو پھر ایسا نسخہ خواہ اس کو

خود جالینوس ہی کیوں نہ تجویز کرے ہرگز ہرگز فائدہ نہیں دیگا۔

ہم نے اور ہمارے علما سو نے قرآن کے ساتھ فی زمانہ بالکل وہی سلوک روا رکھا ہے جو ایک جاہل بے وقوف بے عمل مریض کسی بڑے حاذق حکیم کے مجربات نسخے کے ساتھ روا رکھتا ہے۔ حالانکہ عمل سے ہی فائدہ ہوتا ہے

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ ناری ہے نہ نوری ہے۔

قرآن مجید کی ایسی بے اثری کے نتائج کو سمجھانے کے لئے حضرت مولانا روم نے کئی ایک قیمتی حکایات اور قصے کہانیاں لکھ لکھ کر ہمیں سمجھانے کی کوشش فرمائی تھی ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ کوئی دہقان جنگل میں رہا کرتا تھا۔ اس کی ایک گائے ساتھ والے کمرے میں بندھی رہا کرتی تھی۔ جنگل کا معاملہ تھا۔ کسی رات قضا کار ایک شیر ببر اس گائے کے کوٹھے میں گھس گیا۔ اور وہ اس گائے کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا گیا۔ اور پھر خود وہ شیر اس کے آخر (یعنی اس کے تھان) پر کھڑا ہو گیا۔ حتیٰ کہ دہقان کی آنکھ کھل گئی اور وہ حسب معمول اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنی گائے کے آخر پر پہنچا۔ رات اندھیری تھی۔ کوٹھے میں کوئی چیز نہیں سوجھتی تھی۔ گائے کے آخر پر کھڑے ہوئے اس شیر کو گائے سمجھ کر وہ دہقان اس کی پیٹھ پر اس کے رانوں پر، اس کی پشت اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ اور پیار پیار کے ساتھ اس سے باتیں کرتا رہا۔ شیر اپنے دل میں اس کی اس حماقت پر۔ اس کے اس خفت آمیز سلوک پر، اس کی اس جہالت اور اس کور باطنی پر، اس کی اس کورانہ تقلید پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اس اندھیرے اور اس کور باطنی نے تجھے ایسا دلیر بنا دیا ہے ورنہ اگر یہ رات کا اندھیرا ہٹ جائے اور تو مجھے اور میری حقیقت کو جان جائے تو واللہ باللہ تیری یہ دیدہ دلیری سب ہرن ہو جائے۔ اور میرے بدن

میری لپشت میرے چوتڑوں پر اس طرح سے تیرا ہاتھ پھر آتا تو کلیجا تو شاید یہ پھٹ جاتا کہ کہیں کو نکل جائے۔ اب اس حکایت کو خود حضرت کے اپنے شیریں الفاظ میں سنیئے (مثنوی)

خاریدن روستائی در تاریکی شیر را بظن آں کہ گاؤ است

روستائی گاؤ در آخر بہ بست | شیر گاؤش خورد و برجائش نشست
روستائی شد در آخر سوئے گاؤ | گاؤ را می جست شب در کنج گاؤ
دست مے مالید بر اعضائے شیر | پشت و پہلو گاہ بالا گاہ زیر
گفت شیر ار روشنی افزوں بدے | زہرہ اش بدریدے و دلخوں شدے
ایں چنیں گستاخ زاں میخارد م | کو دریں شب گاؤ مے پندارد م
حق ہمی گوید کہ اے مغرور کور | نے زنامم پارہ پارہ گشت طور
کہ لو انزلنا[^1] کتاباً للجبل | لا تصدع ثم انقطع ثم ارتحل
از من ار کوہ احد واقف بدے | پارہ گشتے و دلش پر خوں شدے
از پدر و ز مادر ایں بشنیدہ | لاجرم غافل دریں پیچیدہ
گر تو بے تقلید ازاں واقف شوی | بے نشاں بے جائے چوں ہاتف شوی

حضرت مولانا رومؒ شیر کو گائے جاننے کی یہ حکایت بیان کرکے اس غفلت کا اصل سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

از پدر و ز مادر ایں بشنیدہ | لاجرم غافل دریں پیچیدہ

[^1]: لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل الخ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر یہ قرآن مجید کسی پہاڑ پر اترتا تو پہاڑ بھی اس کے اثر سے ٹکڑے ٹکڑے اور ریزے ریزے ہو جاتا۔

یعنی قرآن تجھے چونکہ بغیر کسی قربانی کے . . . . . . اور بغیر کسی تکلیف کے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اور تو بچپن کے وقت سے یہ دیکھتا چلا آرہا ہے کہ کوئی کتاب تمہارے گھر میں ریشمی غلافوں میں لپٹی لپٹائی ہوئی پڑی ہے۔ اس کتاب کا مقصد جو تم نے اپنے آباؤ اجداد سے سن رکھا ہے وہ بیچ اور صرف یہی ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو یہ قرآن اس کے اوپر تبرک پھرایا جاتا ہے۔ یا کوئی آدمی اگر گھر میں بحالت نزع بیمار پڑ جائے تو ملاجی اس قرآن کو آکر کھولتے ہیں اور مرنے والے پر یٰسین شریف پڑھ پڑھ کر پھونکتے جاتے ہیں اور تو جب اپنی زار و قطار روتی ہوئی ماں سے پوچھتا ہے کہ اماں جی یہ ملا ہمارے چچا جان پر کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو وہ سسکیاں لیتی ہوئی کہتی ہے کہ یٰسین شریف! تو پھر تو پوچھتا ہے کہ کیا ملاجی کے اس کلام کی برکت سے چچا جان تندرست ہو جائیں گے۔ تو تمہاری ماں دھاڑیں مار مار کر روتی ہوئی آواز میں کہتی ہے نہیں بیٹا نہیں! ملاجی اس لئے یٰسین شریف پڑھا کرتے ہیں کہ مرنے والے جلد مر جایا کریں

اور پھر جب چچا فوت ہو جاتے ہیں تو تو دیکھتا ہے کہ وہی ملاجی ہیں۔ اسی قرآن کو اپنی بغل میں دبائے ہوئے ہشاش بشاش چاک و چوبند بڑے بڑے قدم مارتے ہوئے آپہنچتے ہیں۔ اور پھر اس قبر کے کنارے بیٹھکر کہ جس میں ایک دن خود اس کو بھی داخل ہونا ہے، مکر، دغا اور فریب بازی کے کرتب دکھا دکھا کر لوگوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہوئے اور روپیہ بٹورتے ہوئے واپس ہو جاتے ہیں۔ پھر تیرے پوچھنے پر تجھے بتایا جاتا ہے کہ اس ملاجی کو یہ قرآن اس لئے بخشد یا گیا ہے کہ یہ قرآن مرنے والے کی ساری نمازیں۔ اس کے سارے روزے۔ حج زکوٰۃ کی قضاؤں کا کفارہ بن جائے۔ اور ان فرائض کے علاوہ سارے دوسرے گناہ۔ زنا۔ فواحشات۔ چوری۔ دغا۔ مکر۔ غداری۔ لواطت۔ ریاکاری۔ الغرض اس کے سارے کبیرہ گناہ اس قرآن کے بخشنے کے عوض ملاجی نے اللہ سے بخشوا دیے ہیں

اور مرنے والا اب بغیر حیل وحجت اس قرآن کی برکت سے سیدھا جنت میں چلا جائے گا۔

اس سستی بخشش اور ارزاں بہشت کو دیکھکر لوگوں کو عمل صالح کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جب یہ بچہ بچپن سے قرآن اور مُلّا کی ایسی ایسی باتیں سنتا رہتا ہے اور اس کی ایسی ناشائستہ حرکات دیکھتا ہے۔ تو اس کے ذہن میں یہ بات جم جاتی ہے کہ قرآن کا مقصد صرف یہی ہے کہ بیماروں کے سر پہ اس کو تبرکاً پھرایا جائے اور مرنے والوں کو اس کے ذریعہ جلد مار ڈالا جائے اور پھر مرنے کے بعد متوفی کے عزیز اگر یہ قرآن ملاجی کو بخش دیں تو وہ بغیر کسی پرسش کے اور بغیر کسی حساب کتاب کے سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔ اس ذہنیت اور ایسی سمجھ بوجھ والے آدمی کو قرآن کھول کر پڑھنے۔ اس کے معنی جاننے یا عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ یہی سبب ہے کہ وہ قرآن جو عمرؓ کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر داخل اسلام کر سکتا ہے۔ کسی زمانہ میں اس قرآن پہ عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گدڑیوں کو شاہنشاہی تک پہنچا دیتا ہے ہماری اس نافرمانی۔ بدعملی اور اس قرآن نافہمی کی وہی مثال ہے جیسا کہ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں ایک قصہ بیان کیا ہے۔ اس قصہ کی سرخی ہے

سوراخ دعا گم کردہ

(مثنوی) حکایت۔ آں شخص کہ بوقت استنجا گفت اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِیْ رَائِحَةَ الْجَنَّة بجائے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْن کہ ورد استنجا است۔ وایں را در وقت استنشاق خواندن۔ عزیزے گفت "سوراخ دعا گم کردہ"

یعنی مولاناؒ کہتے ہیں کہ قصہ اس شخص کا ہے کہ جس نے بوقت استنجا یہ دعا

پڑھی تھی کہ اللھم ارحنی رائحۃ الجنۃ یعنی اے خدا مجھے بوئے بہشت سنگھا۔ حالانکہ یہ دعا استنجا کے وقت کی نہیں ہے۔ یہ دعا تو ہے ناک کے اندر پانی دیتے وقت کی۔ اور وقت استنجا کی دعا دراصل یہ ہے کہ اللھم اجعلنی من التوابین الخ یعنی کہ اے میرے خدا مجھے تائبین میں سے کر اور مجھے طہارت کرنے والوں میں سے بنا۔ لیکن وہ بے وقوف آدمی ناک میں پانی دیتے وقت کی دعا کو استنجا کے وقت پڑھ رہا تھا تو کسی سننے والے نے کہا کہ بھائی دعا تو ٹھیک ہے لیکن "سوراخ دعا گم کردہ" یعنی وہ سوراخ یہ نہیں کہ جہاں سے جنت کی خوشبو کی آرزو کی جائے۔

بالکل یہی حال ہمارا ہو گیا ہے۔ قرآن کے ساتھ۔ یقیناً یہ قرآن تو وہی قرآن ہے کہ جس نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ جس قرآن کے متعلق ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ کا انگریز مصنف کہتا ہے کہ "یہ قرآن ایک چنگاری تھی اور عرب کا وہ سیاہ ریت گویا کہ بارود کا ڈھیر تھا کہ جس میں چنگاری پڑتے ہی ایک طوفان پیدا ہوا اور صرف ایک صدی کے مختصر دور میں اسلام کا ایک ہاتھ دہلی میں تھا تو دوسرا فرانس میں۔ ان کی بالکل وہی صورت تھی جیسا کہ اس شعر میں بیان کیا گیا ہے۔

آبلہ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوچا پھر آنکھ سے نہ کچھ کوچۂ یار دیکھ کر

ابتداء اسلام میں غور تو کرو کہ مسلمانوں کے پاس تھا کیا۔ یہی قرآن اور یہی اسلام یہی ان کا توپ تھا۔ یہی ان کا ایٹم بم۔ یہی ان کا اندوختہ۔ یہی ان کا آسرا۔ اور یہی ان کا وسیلہ تھا۔ جب مسلمان اس قرآن کو بغلوں میں دبا کر سینوں میں جذب کر کے اٹھے ہیں تو دنیا میں ایک انقلاب ایک محشر برپا ہو گیا تھا۔ جو کل جاہل تھے وہ آج عالم نہیں بلکہ دنیا بھر کے معلم بن گئے۔ جن کے پاس چند اونٹ بکریوں کے سوائے

کچھ نہیں ہوتا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے گھر سونے جواہرات اور خزانوں سے اٹ گئے۔ بالکل تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اندر ساری دنیا کے خزانوں کا رخ مدینہ منورہ کی تنگ گلیوں کی طرف کو پھر گیا۔ اور سلاطین عالم ان مدینہ کے درویشوں کے نام سے تھرتھرانے اور کانپنے لگ گئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس لئے کہ ؎

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

آج اگرچہ ہمارے پاس وہی قرآن اور وہی اسلام ہے لیکن بقول حضرت مولانا روم ہم اس شخص کی طرح کے بن گئے ہیں کہ جو استنجا کے مقام سے بوئے بہشت کی آرزو کرتا تھا۔

مُلّا کے شریعت کو ناپنے کے اپنے پیمانے

ہمارے ملائیت علمائے سو شریعت کو شریعت کے پیمانوں سے نہیں بلکہ اپنے خودساختہ پیمانوں سے ناپنے کے عادی بن گئے ہیں۔ وہ اپنی ضروریات اور اغراض کے سانچوں میں قرآن اور حدیث اور شریعت حقہ کو ڈھال ڈھال کر اس کی صحیح شکل اور اصل صورت کو بگاڑ کر بدعات اور حیل اور مکر اور دغا کی ایک دوسری شریعت، ایک دوسرا اسلام بنا چکے ہیں۔ مثنوی شریف میں حضرت مولانا روم" نے کسی ایک بڑھیا کا قصہ لکھا ہے کہ جس کے گھر میں بادشاہ کا شکاری شہباز بدقسمتی سے پھنس گیا اور اس بڑھیا نے کسی طرح سے اس شہباز کو پکڑ لیا (پھر آگے اس حکایت کو خود حضرت مولانا کی زبان حق ترجمان سے ہی سنئے۔ (مثنوی)

پائکش بست و پرش کوتاہ کرد ‌ ‌ ‌ تا خنش ببرید و قوتش کاہ کرد

یعنی بڑھیا نے شہباز کے پاؤں رسی سے مضبوط طرح سے کس کر باندھ دیئے اور قینچی اٹھا کر اس کے پر کتر ڈالے۔ اس طرح سے پر کترنے کے بعد اس کے

ناخن کاٹ ڈالے اور تھوڑا سا سبز گھاس لاکر اس کے سامنے ڈال دیا تاکہ وہ کھا کر سیر ہو جائے۔

روز شہ در جستجو بیگاہ شد سوئے آں کمپیر و آں خرگاہ شد

یعنی ادھر بادشاہ اپنے شہباز کی تلاش میں سارا دن تو سرگرداں پھرتا رہا اور شام کو اس کو پتہ لگا تو اس بڑھیا کی کٹیا کی طرف رخ کیا۔

دید ناگہ باز را در دود و گرد شہ بر او بگریست زار و نوحہ کرد

جب بادشاہ بڑھیا کے گھر پہنچا اور اپنے پیارے شہباز کو اس بری حالت کے اندر دیکھتے ہیں۔ اور گرد آلود مکان میں بدحال پڑا ہوا پایا تو بادشاہ اس کی اس بری حالت کو دیکھ کر رو پڑا۔

قصہ اگرچہ دلپذیر بھی ہے لیکن باعث طوالت جان کر اسی قدر کافی سمجھتے ہوئے اسی پہ بس کرتا ہوں۔

اس قصہ کا مقصد یہ ہے کہ اس بڑھیا نے اپنی ضروریات اپنے حالات کو دیکھ کر۔ اپنے اغراض اور مقاصد پر نظر کرتے ہوئے اپنے ناخن کٹوانے اور درست کرنے کے خیال اور ادراک اور سمجھ کے مطابق شہباز کے بڑے بڑے ناخن (جو کہ شہباز کی ایک صفت ہے جس سے کہ وہ شکار کو دبوچ لیتا ہے) کاٹ ڈالے۔ گویا اس نے شہباز کو بادشاہ کی عینک سے نہیں بلکہ اپنی عینک اور اپنے نظر کی عینک لگا کر دیکھا۔ یا بالفاظ دیگر اس نے شہباز کے پروں کو۔ ناخنوں اور چونچ کو بادشاہ کے پیمانوں سے نہیں بلکہ اپنی اغراض اور مقاصد کے پیمانوں سے ناپنا شروع کر دیا۔

آج ہمارے علما سو (یعنی ملا) بھی بالکل اس بڑھیا عورت کی طرح سے ان کے قبضہ میں آئے ہوئے قرآن اور شریعت کو اپنی اغراض اور اپنے مقاصد پر چلا رہے ہیں

قرآن اور شریعت کو خدا کے مقصد کے موافق نہیں بلکہ اپنے مقصد کے موافق حیلوں بہانوں میں استعمال کر رہے ہیں۔ یا یوں کہنا پڑیگا کہ عالم جو آج شریعت کو قرآن کو اسلام کو خدا کے مقرر کردہ حدود اللہ کے پیمانوں سے نہیں بلکہ خود اپنے ذاتی مفاد اور اغراض کے پیمانوں سے ناپ رہا ہے۔

اس لئے آج ہمارے اچھے علما اور نیک بندگان خدا کا فرض ہے کہ ملاّ کے ان اوچھے پیمانوں پر حملہ کرکے انہیں یکسر توڑ پھوڑ کر پھینکدیں۔

کہاں ہیں وہ علمائے حقانی و ربانی

واحسرتا ۔ وہ علمائے حقانی جو کہ ہمیشہ شرک اور بدعات اور قبیح رسوم کے خلاف ننگی تلوار بنکر قید و بند اور حبس کی مصیبتوں کو نظر میں بھی نہ لاتے ہوئے میدان میں نکل آیا کرتے تھے۔ آج بدقسمتی سے ان کی وہی حالت ہوگئی ہے کہ جو ایک ہرن کی تھی کہ جس کو کسی ظالم نے گدھوں کے ساتھ گدھے کے آخر پر مضبوطی سے باندھ رکھا تھا ہمارے علمائے حقانی کی یہ کس مپرسی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ دنیا میں علمائے حقانی ربانی کو ان ملانوں نے ہمیشہ ستایا ہے۔ انہیں حبس بے جا کے اندر قید کرایا ہے۔ انہیں کوڑے پڑوائے ہیں۔ زندوں کی کھال کھچوائی ہے۔ پھانسی کے تختہ پر لٹکایا ہے۔ الغرض گوناگوں اذیتیں اور تکلیفیں دے دے کر ان کی آواز کو دبانے کی کوشش کی ہے۔ علامہ ابن تیمیہ بیچارے کامل تیئیس برس کال کوٹھڑیوں میں محبوس رہے۔ اس چیز کا ہم اس سے پہلے بھی کہیں مفصل ذکر کر آئے ہیں۔ لہذا اس کو دہرانا ایک بے جا اعادہ کرنا ہے۔ ایسے علمائے حق کے متعلق مثنوی شریف میں حضرت مولانا روم ایک قصہ بیان کرکے ہمیں سمجھاتے ہیں۔

قصہ آہو در آخرِ خراں

آہوئے را کرد صیادے شکار	اندر آخر کردش او بی زینہار

یعنی کسی شکاری نے ایک ہرن زندہ پکڑ لیا اور اس نے اس کو گدھوں کے اصطبل کے اندر گدھوں کے آخر (یعنی تھان) پر باندھ دیا۔

آہو از وحشت بہر سو میگریخت	او بہ پیش آں خراں شب کاہ ریخت

یعنی وہ ہرن وحشت اور گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر بے چین پھرتا تھا مالک رات کو گدھوں کے اصطبل کے اندر گھاس ڈال جایا کرتا تھا۔ اس کا خیال ہوگا کہ گدھے بھی گھاس کھاتے ہیں اور ہرن بھی گھاس کھاتا ہے۔ بس وہ مزے سے گھاس کھا کر پیٹ بھرے گا۔

لیکن اس کو کیا معلوم تھا کہ ہرن گدھوں کے تھان پر گدھوں کے ساتھ خلط ملط رہ کر کب خوش رہ سکتا ہے؟

حضرت مولاناؒ لکھتے ہیں کہ گدھے ہرن کی اس پریشانی اور اضطراب کو دیکھ کر اس پر تمسخر اور طعن کرتے اور کہتے کہ اے ناشکرے ہرن کتنا سبز گھاس پڑا ہے۔ کیسی مزیدار جگہ ہے۔ کتنا بڑا اونچا اصطبل ہے۔ لیکن اے بدنصیب تو یہاں پڑا تلملا رہا ہے تو نہ کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ چین کرتا ہے۔ لیکن ہرن زبانِ حال سے کہہ رہا تھا کہ اے گدھو تمہیں کیا معلوم! کہ میں پہاڑوں میں اور صحراؤں میں کیا کھاتا ہوں اور کس طرح سے زندگی بسر کرتا ہوں۔ تم چونکہ خود گدھے ہو اس لئے میرے حالات اور میری کیفیات کو اپنے ہی پیمانوں سے ناپ رہے ہو۔

ان ہرن اور گدھوں کا قصہ خود مثنوی کی زبان سے سنیئے۔ (مثنوی)

گفت آہو با خراں طعمہ تواست	کہ ازاں اجزائے تو زندہ و تواست

من ایبقت مرغزارے بودہ ام
در ظلال رود ہا آسودہ ام

گر قضا افگند ما را در عذاب
کے رود آں طبع و خوئے مستطاب

گر گدا گشتم گدا ارو سے کے شوم
در لباسم کہنہ گردد من نوم

سنبل و لالہ و سر غسم نیز ہم
با ہزاراں ناز و نخوت خوردہ ام

گفت آرے لاف میزن لاف لاف
در غریبی بس تواں گفتن گزاف

گفت نافم خود گواہی میدہد
منتے بر عود و عنبر میدہد

حکومت پاکستان زندہ باد

اب وقت آگیا ہے۔ خود پاکستان کی حکومت نے اسلامی حکومت بننے کا اعلان کر دیا ہے۔ الحمد للہ لاکھ لاکھ شکر اب مسلمانوں کا قانون اور ضابطہ قرآن حدیث اور فقہ اسلامی کے مطابق بننے کا قطعی فیصلہ ہو گیا ہے۔ لہذا تمام علمائے حقانی اور ربانی کے لئے یہ موقعہ غنیمت ہے کہ وہ ایسے گدھوں کے اصطبل توڑ کر باہر نکل آئیں۔ اور ان گدھوں کے آخروں اور تھانوں کی بدبو سے دور بھاگ کر سب کسی ایک پاکیزہ مقام پر جمع ہو جائیں اور اس طرح سے علم اسلامی اور پرچم ہلالی کے تحت آکر اسلام کا بول بالا کرنے اور اس اسلامی جھنڈے کی شان کو دوبالا بنانے کے لئے سب باہم متحد ہو جائیں۔ اور اسی طرح سے سارے مسلمانوں کے سروں پر جو لعنت اور تکفیر کے فتوے دے دے کر ان ملاتوں نے اسلام کی طاقت اور قوت کو کمزور اور منتشر کر رکھا ہے اس کو بار دیگر جمع کریں اور سب مسلمانوں کو شریعت کی مضبوط رسی سے باندھ کر ایک جان کر دیں۔

باندھو کمر کہ دوری منزل کا غم نہیں
ہے بادبان درست تو ساحل کا غم نہیں

سر پہ خدا ہے پھر کسی مشکل کا غم نہیں — باقی ہے وقت ذریع تو حاصل کا غم نہیں

اس دل کی یہ صدا ہے کہ ہاں ہاں بڑھے چلو

(دل محمد)

فغانِ روحِ قرآن

اے بے غرض رحمت اور بے مطلب شفقت کرنے والو۔ اے بیکسوں غریبوں اور مظلوموں کے لئے اپنا خون بہانے والو۔ شجاعت، مروّت، محبت اور یگانگت کے اونچے پہاڑو۔ اے غریبوں، کمزوروں اور ضعیفوں کے کام آنے والو۔ اے شرافت اور عزت کے محافظو۔ اے برائیوں، بدکاریوں شر اور فساد کے مٹانے والو۔ اے عدل اور انصاف کے لئے سر بکف ہو کر میدان میں نکلنے والو۔ اے دجل، شیطنت، مکر اور حیلوں کی جڑوں کو کاٹنے والو۔ اے فتنوں اور فسادوں کو ختم کرنے، امن اور سلامتی کو رواج دینے والو۔ اے خدا کے سچے پرستارو۔ اے نبی کے دلدادہ پیارو۔ اے قرآن کی آواز پر اپنے سینوں کو ڈھال بنا کر دشمنوں کی تلواروں اور نیزوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر دین متین کی حفاظت کرنے والے مسلمانو! تم کہاں ہو؟ اور کیوں خاموش ہو؟ تمہارے قرآن کے ساتھ جس طرح مکر و دغا کر کر مرنے والوں کے ورثا کو ڈرا دھمکا کر یہ ملا یعنی علماءِ سو مسلمانوں کو لوٹ رہا ہے اور جس طرح سے تمہارے قرآن کا نام لے لے کر قرآن کے ساتھ ظلم اور ناروا حرکات کیجا رہی ہیں اور آج جس طرح سے قرآن کی آیات کو تعویذوں، گنڈوں، فال اور رمل کی طرح استعمال کر کر کے اس کا ناجائز استعمال ہو رہا ہے۔ کیا تم یہ سب کچھ نہیں

دیکھ رہے ہو؟ دیکھ رہے ہو اور یقیناً دیکھ رہے ہو۔ تو بتاؤ کہ تم کیوں خاموش ہو؟ کیا تمہاری غیرت اور شجاعت کی وہ بلند چوٹیاں اپنا وہ عظیم تر مقام کھو چکی ہیں؟ کیا تمہاری وہ بغض للہ کی حس اب فنا ہو چکی ہے؟

کیا تمہارے کانوں میں روح قرآنی کی آہ و فغاں کی یہ آواز نہیں پہنچ رہی ہے؟ کیا تم یہ سب کچھ نہیں دیکھ رہے ہو؟ کیا تمہاری بصارت اور بصیرت کا نور سراسر بجھ چکا ہے؟۔ اگر نہیں تو بتاؤ کہ پھر کیوں اپنے قرآن اور اپنے اسلام اور اپنی شریعت کو یوں ایک لاوارث چیز کی طرح سے کس مپرسی کے عالم میں ایک پرانے چیتھڑے کی طرح سے اتار کر پھینک چکے ہو۔ تم کیوں خاموش ہو اور کیوں اس کی خبر نہیں لیتے ہو؟ اے علمائے حق پسند، حق گو اور حق بیں گروہ اٹھو اور اس جبراتی ملا کو قرآن کے غلط استعمال سے روکو۔ اگر اس کی اصلاح سے ناامید ہو تو اس کی بجائے علمائے حق کو تلاش کر کے لے آؤ

علمائے حق کون ہیں؟

علمائے حق اور علمائے ربانی وہ ہیں جو حضور سرور عالم کے اصل جانشین ہیں۔ العلماء ورثۃ الانبیاء۔ یعنی علمائے ربانی انبیا کے وارث ہیں۔ نبیوں نے ورثہ میں علم، عمل، ایمان، یقین، تقویٰ، امر معروف اور نہی عن المنکر کے خزانے آنے والے علمائے حق کے لئے بطور میراث چھوڑے ہیں جو علما ان صفات سے موصوف ہوں وہ یقیناً وارثان انبیا کے لقب کے صحیح معنوں میں حقدار ہیں۔ لیکن وہ علما کہ جن کا مقصد محض جمع آوری زر ہو۔ نام نمود اور شہرت پسندی ہو۔ مسلمانوں میں اتفاق پیدا کرنے کی بجائے اختلافات اور

کفر و کافری کے فتوے دے دے کر مسلمانوں کو باہم لڑانا بھڑانا ہو وہ ہرگز وارثۃ الانبیاء کے شرف، عزت اور میراث کے لقب سے ملقب ہونے کے حقدار نہیں ہیں۔ اقبالؒ نے ایسے ہی علماءِ سو کو کرگس یعنی گدھ کے نام سے پکارا ہے۔ گدھ کا لفظ علماءِ سو کے لئے استعمال کرنے میں علامہ اقبال نے فصاحت اور بلاغت کے دریا بہا دیئے ہیں۔ علمائے حق کو آپ نے شاہین یعنی شہباز اور علمائے سو کو گدھ سے نسبت دیکر آپ نے اپنے علم اور معرفت کی سند پیش کر دی ہے۔ گدھ پرواز میں شہباز سے اونچا اڑان کرتا ہے۔ قد وقامت اور جسامت وزن میں کئی گنا بھاری لیکن اس کی نظر ہمیشہ مردار اور بدبودار لاشوں پر رہتی ہے۔ اس کے برعکس شہباز مردار چیز کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ حلال شکار تلاش کرتا ہے۔ حرام خور شکاری نہیں۔ حلال خور شکاری ہے۔ عالم سو چونکہ شب و روز گداگری کرتا ہے۔ بھیک مانگ مانگ کر جھولیاں روٹیوں کی لوگوں کے گھروں سے بھر بھر کر لاتا ہے جبکہ از روئے شرع حرام ہے۔

امام غزالیؒ نے سوال کرنے اور بھیک مانگ کر کھانے کو حرام قرار دیا ہے اس کی تفصیلات دیکھنی ہوں تو آپ کی کتاب "احیاء العلوم جلد چہارم باب چہارم (فقر اور زہد) میں دیکھ سکتے ہیں۔ جہاں پوری وضاحت سے اس پر آپ نے روشنی ڈالی ہے۔

بھیک مانگنا منع ہے

آپ نے حضور صلعم کی ایک حدیث بیان کی ہے (لاتسئلوا الناس شیئاً) یعنی لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اس پر مسلمانوں نے اتنا عمل کیا کہ روٹی اور کھانا مانگ کر کھانا تو اور چیز ہے بلکہ خلفائے راشدین میں سے بوقت سواری کسی بزرگ کا کوڑا زمین پر گر گیا۔ اگرچہ ہزاروں خادم

موجود تھے لیکن حکم سرور عالم کی پابندی کا یہ عالم تھا کہ آپ خود گھوڑے سے اترے اور اتر کر اپنا کوڑا اٹھایا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ یہ کیوں کیا گیا؟ اس لئے کہ حضور سرور عالم ؐ کا ارشاد "لا تسألوا الناس شیئاً" لوگوں سے کوئی چیز مت مانگو کے الفاظ ان کے دل اور دماغ کی باطنی گہرائیوں کے اندر نقش فی الحجر کی طرح سے جمے ہوئے تھے۔ لیکن آج اور چیز تو بجائے خود رہی شب و روز در در سے روٹی مانگ مانگ کر بھکاریوں کی طرح سے کھانا اور خود کو وارثۃ الانبیاء کا حقدار سمجھنا یہ کتنا بڑا ظلم ہے۔ کیا نبیوں کے ورثہ میں بھیک مانگنا ہی ان کے حصّہ میں آیا ہے۔ نعوذ باللہ کیا نبیؐ کا ورثہ بھیک ہے؟۔ ہم کسی قدر اپنے موضوع سے ہٹ گئے ہیں۔ ہم علامہ اقبالؒ کے اس شعر کے معنی بتا رہے تھے کہ جس میں آپ نے علماء سو کو گدھ سے اور علماء ربانی کو شہ باز سے نسبت دیکر فرمایا ہے۔

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن — میراث میں آئی ہے اسے مسند ارشاد
ملاں کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور — الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور — پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

پہلے شعر میں علما سو کو زاغ اور علمائے ربانی کو عقاب دوسرے شعر میں علما سو کو ملا اور علما ربانی کو مجاہد، تیسرے شعر میں علما سو کو کرگس اور علمائے ربانی کو شاہین کے کیسے کیسے موزوں و پُر معانی الفاظ استعمال کر کے علما سو کی شیخی کی ساری قلعی کھول دی ہے۔ جزاک اللہ احسن الجزا

روح قرآن تمہیں پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اے مسلمانو تمہارے پاس علم قرآن تو ضرور موجود ہے لیکن عمل قرآن مفقود ہو چکا ہے۔

روح قرآن رو رو کر مسلمان سے کہہ رہی ہے کہ اے مسلمان تو فقط نام

کا مسلمان رہ گیا ہے ! سلف کے مسلمانوں کی کوئی علامت تجھ میں باقی نہیں رہی تمہارے اسلاف حاکم تھے اور تم محکوم ہو۔ تمہارے اسلاف غنی تھے تم مفلس ہو۔ تمہارے سلف کے مسلمانوں کے پاس علم بھی تھا اور عمل بھی۔ لیکن تمہارے پاس اب نہ وہ علم ہے اور نہ وہ عمل۔ تمہارے اسلاف شجاع اور غازی ہوا کرتے تھے لیکن تم ڈرپوک ہو۔ بزدل ہو۔ اور جہاد کے نام سے دور بھاگنے والے۔

قصہ بخیل و درویش

تمہاری تو آج بالکل وہی حقیقت بن گئی ہے جو ایک بخیل صاحب خانہ اور ایک درویش کی تھی۔ جس کی حکایت مثنوی شریف میں درج ہے۔ حضرت مولانا رومؒ مثنوی شریف میں لکھتے ہیں کہ:۔

سائلے آمد بسوئے خانۂ   خشک نانے خواست یا تر نانۂ

یعنی آپ فرماتے ہیں کہ کوئی بھوکا سائل کسی گھر والے کے پاس گیا۔ اس سے خشک یا تر روٹی مانگنے کا سوال کیا۔

گفت صاحب خانہ نان اینجا کجاست   خیرہ ایں نے دکانے نان وا است

یعنی صاحب خانہ نے کہا کہ اے بے وقوف یہاں روٹی کہاں ہے۔ یہ کوئی نانبائی کی دکان تھوڑا ہے؟

گفت آخر پارہ پیہم بیاب   گفت ایں جانیست دکان قصاب

سائل نے کہا حضور اگر روٹی نہیں ہے تو تھوڑا سا گوشت یا چربی کا کوئی سوکھا پھیکا ٹکڑا ہی لا دیجئے۔ سخت بھوکا ہو رہا ہوں۔ صاحب خانہ نے کہا تو بڑا نادان دکھائی دیتا ہے۔ کیا یہ گھر کسی قصائی کا گھر ہے کہ یہاں پر تم گوشت کی توقع باندھے بیٹھے ہو۔

گفت مشتے آرد دہ اے کدخدا　　گفت پنداری کہ ہست ایں آسیا

سائل نے کہا تو تھوڑا سا آٹا ہی سہی۔ صاحب خانہ نے بگڑ کر کہا ارے بے وقوف کیا یہ کسی آٹے کی چکی کا کارخانہ ہے جہاں سے تم آٹا ملنے کی امید کرتے ہو۔

گفت بارے آب دہ از مکرعہ　　گفت نے نے نیست جو یا مشرعہ

بے چارہ سائل ساری چیزوں کا جواب صاف پاکر کہنے لگا۔ اچھا اگر اور کچھ نہیں تو تھوڑا سا پانی ہی پلا دو۔ صاحب خانہ تیوری بدل کر کہنے لگا لے آدمی تو کیسا بے وقوف اور نادان ہے۔ کیا یہ کوئی پانی کی نہر ہے یا کوئی پانی پلانے کا گھاٹ ہے کہ تم مجھ سے پانی مانگتے ہو۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جب اس گھر کی ہر چیز سے وہ مایوس ہو گیا تو

آں گدا دُرفت و دامن بر کشید　　اندراں خانہ بحست و خواست رید

تو جب وہ درویش ہر طرح سے مایوس اور بالکل ناامید ہو گیا تو اس نے اپنا ازار بند ڈھیلا کرنا اور پاجامہ کھولنا شروع کر دیا۔ صاحب خانہ حیران اور ششدر ہو کر پوچھنے لگا کہ یہ کیا بات ہے اور اب یہ کیا فضول حرکت کرنے لگے ہو۔

گفت ہی ہی گفت تن زن اے دژم　　تا دریں ویرانہ خود فارغ کنم

صاحب خانہ گھبرا کر پوچھنے لگا کہ کیا کر رہے ہو۔ خبردار ایسی بے جا حرکت مت کرنا۔ درویش نے جلدی سے جواب دیا "خاموش رہ" مجھے تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دے کہ میں اس ویرانہ کے اندر (یعنی اس گھر کو ویرانہ کہا کیونکہ جہاں نہ روٹی ہے۔ نہ آٹا ہے۔ نہ پانی ہے تو وہ بمنزلہ ایک ویران گھر کے ہوا) پاخانہ پیشاب وغیرہ کر کے فارغ ہو لوں۔ درویش نے کہا کہ ایسا گھر کہ جس میں

چوں درینجا نیست وجہ زیستن　　　　در چنیں خانہ بباید ریستن

جس گھر کے اندر کوئی وجہ زیست اور کوئی اسباب حیات یا ذریعہ معاش نہ ہو تو وہ گھر اس لائق ہے کہ اس میں رہنا سہنا چھوڑ کر اس کو پاخانہ بنا دیا جائے۔

پس اب وقت آگیا ہے کہ

مسلمان خوف دل سے نکال کر مُلّا سے صاف کہدیں

کہ یا تو مُلّا خود میں تبدیلی پیدا کرے ورنہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ خود اس کو بدل دینے کی کوشش کریں ؎

جاں بدہ از بہر آں جام اے پسر　　　　بے جہاد و صبر کے باشد ظفر

بالکل اس تاریخی روایت کے بمصداق نیپولین بونا پارٹ کا کوئی افسر جب وقت مقررہ پر حاضر نہ ہوا تو نیپولین نے سخت غصہ ہو کر اس سے پوچھا کہ کیوں کر تاخیر ہوئی ہے۔ اس نے اپنی جیب سے گھڑی نکالی کہ کہا کہ جناب عالی میری گھڑی میں تو وقت پورا ہے۔ میں نے اپنی گھڑی کے مطابق کوئی دیر نہیں کی ہے۔

نیپولین نے گرج کر کہا نہیں نہیں۔ یا تو تم اپنی یہ گھڑی بدل ڈالو ورنہ مجھے تمہیں بدل دینا ہوگا۔ ع

تو بھی بدل کہ آج زمانہ بدل گیا

مُلّا کا رویّہ ناقابل برداشت ہے،

لہٰذا اب مُلّا کو صحیح معنوں میں ایک باعمل عالم بننے کی کوشش کرنا چاہیئے

ورنہ اب اس کی حیلہ تراشیاں اور اس کا قرآن کے ساتھ یہ لہو و لعب اور اس کی یہ قنوطی فروشیاں زیادہ دیر کے لئے برداشت نہیں کی جانی چاہئیں مثلاً تمہارا مُلّا قرآن کے اندر غلط سلط اور دور از کار تفسیریں لکھ لکھ کر مسلمان کو عمل قرآن سے بیگانہ کر رہا ہے۔ اس نے احادیث کے اندر موضوع احادیث لا لا کر دین کے اندر ایک رخنہ پیدا کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ ایک حدیث بیان کرتا ہوں۔

علامہ مشرقی مقالات کی جلد اول صفحہ 206 پر لکھتے ہیں کہ یہ علمائے سو نعوذ باللہ از روئے حدیث یہ ثابت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلعم کا پاخانہ صحابہ کرامؓ تناول کیا کرتے تھے۔

مُلّا کی من گھڑت خرافات

اے مسلمانو تمہارے مُلّا کے کردار اور اس کی من گھڑت احادیث کا نتیجہ آج یہ نکلا کہ لوگ احادیث سے منکر ہو رہے ہیں۔ نیز ایسی لغویات کا ایک اثر یہ بھی ہوا ہے کہ لوگ اپنے پیروں اور مُلّاؤں کے سامنے اس قدر گر گئے ہیں اور اس قدر رذالت پسند ہو گئے ہیں کہ بعض بعض سندھ کے پیروں کا ہم نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ جس چلمچی کے اندر وہ اپنے ہاتھ دھوتے ہیں ان کے مرید نعوذ باللہ اس پانی کو تبرک جان کر باہم تقسیم کر کے پی جاتے ہیں۔

اسی طرح سے یہ بھی ایک ثقہ روایت ہے کہ سندھ کے ایک پیر صاحب کے کتوں کا بچا کھچا جھوٹا کھانا ان کے مرید باہم تبرکاً تقسیم کر کے کھا جاتے ہیں

اسی طرح سے یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ نادر شاہ ایرانی جب کربلائے معلیٰ کی زیارت کر گئے ہیں تو آپ کی گردن میں سونے کی دو زنجیریں ڈالی گئی تھیں اور دو آدمیوں نے ان زنجیروں کو پکڑا تھا۔ نادر کتے کی طرح چار پاؤں پر چلتا چلتا مزار مبارک تک پہنچا اور لوگوں میں اعلان ہو گیا کہ

این سگ علی ہست

معاذ اللہ آج مسلمانوں کو اس قدر رذیل بنایا گیا ہے اور ان میں ایسی ایسی خوئے سگی اور خوئے غلامی کی عادات ٹھونس دی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان اس ذہنی غلامی کے سبب سے روز افزوں طور پر گرتا چلا جا رہا ہے اور یہی وہ اس کا احساس کمتری اور احساس غلامی ہے کہ جو اس کو ابھرنے نہیں دیتا۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

حالانکہ قرآن میں اللہ نے مسلمان کو شریف اور باعزت کہکر خطاب کیا ہے باعزت اور شریف بھی کیسا؟ (قرآن)

العزت للہ ولرسولہ وللمومنین

یعنی عزت کا حقدار اللہ ہے، اس کا رسول ہے اور اس کا مومن ہے اے مسلمان دیکھو خدا تو تین عزت داروں میں سے تیسرا تجھے شمار کرے یعنی پہلا خود خدا۔ دوسرا رسول اور تیسرا شریف اور عزت دار ہے مسلمان! لیکن تیرا یہ ملا تیری کیا گت بنا رہا ہے۔

جرأت رندانہ کی ضرورت

وقت کا یہ اہم مطالبہ ہے کہ مسلمان اس کورانہ تقلید کی آہنی گرفت سے چھوٹ جائے اور آزاد ہونے کے لئے اپنی قوت اور ہمت کو یکجا کر کے جرأت رندانہ سے کام لیکر ان تمام بندشوں، رکاوٹوں اور فولادی زنجیروں کو مردانہ وار جھٹکا دے کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ کیونکہ غیرت، ہمت اور رندانہ جرأت کے بغیر محض سہل انگاری اور آرام طلبی سے بلند مقاصد اور اونچے نصب العین نہ کبھی حاصل

ہوئے ہیں اور نہ آج ہو سکتے ہیں۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ؎

مقام عشق منبریت دار ہست | جہاں اندر دو حرفے سر کار است
دوان تر ستد کہ عود خام را آتش عیار است | براہیماں ز نمرو دوان نہ ترستد

انسانیت کبریٰ

روح قرآن زبان حال سے یہ کہہ رہی ہے کہ مسلمان اور مومن ہونا تو بہت بڑی چیز ہے اور ایک بڑا درجہ ہے۔ اسلامی کلچر سے منہ پھیرنے والے مسلمان تو ذرا اپنے اسلامی کلچر کی ورق گردانی کر۔ ذرا دیکھ تو سہی کہ اسلامی شریعت کے اندر ایک مسلمان اور مومن کا کتنا بڑا درجہ ہے، کتنی بڑی شان ہے اور کتنا بڑا رتبہ ہے۔

حضرت امام غزالیؒ احیاء العلوم کی جلد ۴ باب خوف و رجا میں لکھتے ہیں "ایک بڑی حدیث میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ لوگوں کے حساب کا متکفل (بروز قیامت) کون ہوگا تو آپ نے کہا کہ خود خدائے تعالیٰ جل شانہ۔ اس نے عرض کیا کہ کیا وہ خود حساب لے گا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ اعرابی نے تبسم کیا۔ آنحضرت صلعم نے پوچھا کہ کس بات سے تبسم کرتے ہو۔ اعرابی نے کہا اس وجہ سے خوشی ہو رہی ہے کہ کریم جب قدرت پاتا ہے تو معاف کر دیا کرتا ہے اور اگر حساب لیتا ہے تو حساب میں بھی چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اے اعرابی سچ کہتا ہے۔ جان لو کہ کوئی کریم خدا تعالےٰ سے زیادہ کرم والا نہیں۔ سب سے اکرم وہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اعرابی بات کو پا گیا ہے۔ اور اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ خدا تعالےٰ نے (اگرچہ) کعبہ کو شرف اور عظمت

عنایت فرمائی ہے لیکن اگر بالفرض اس کو کوئی بندہ ایک ایک پتھر کر کے گرا دے اور پھر اس کو پھونک دے۔ تو (اس پر) اتنا گناہ ہوگا کہ جتنا کسی ولی اللہ کی حقارت کرنے سے ہوتا ہے۔ اعرابی نے پوچھا کہ ولی اللہ کون ہوتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایماندار سب کے سب اولیاء اللہ ہیں۔ کیا تو نے قول خدا تعالیٰ کا نہیں سنا۔ (آیت قرآنی)

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور

یعنی اللہ کام بنانے والا ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے اجالوں میں اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ المومن افضل من الکعبۃ مومن کعبہ سے افضل ہے (ابن ماجہ) والمومن اکرم علی اللہ من الملائکۃ یعنی مومن اللہ کے نزدیک ملائکہ سے بھی بہت زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔

اسی طرح شرف انسانی کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ احیاء العلوم کی جلد ۴ باب ششم محبت وشوق وانس ورضا کے اندر لکھتے ہیں

" بندہ کا قرب خدا تعالیٰ سے ان صفات میں جن کے لئے اقتدا کا حکم ہے اس طرح ہے کہ تخلقوا باخلاق اللہ۔ اور یہ امر اسی طرح ہو سکتا ہے کہ محامد صفات جو اوصاف الٰہی میں سے ہیں ان کو حاصل کیا جائے مثلاً حلم، نیکی۔ احسان۔ لطف اور دوسروں کو خیر کا پہنچانا اور لوگوں پر رحم کرنا لوگوں کو نصیحت کرنا۔ حق بات کی ہدایت کرنا۔ بری باتوں سے منع کرنا وغیرہ اور مکارم شرعی سیکھنے کہ ان میں سے ہر ایک بندے کو قرب الٰہی سے بہرہ ور کرتی ہے۔ نہ اس اعتبار سے کہ قرب مکانی ہو بلکہ قرب صفات کے رو سے ہو جاتا ہے اور جس مناسبت کا ذکر کرنا جائز نہیں اور وہ کتابوں میں نہیں لکھی

جا سکتی۔ وہ وہی مناسبت خاص ہے کہ جو فقط آدمی میں پائی جاتی ہے اور اسی کی طرف اشارہ ہے اس قول خداوندی میں ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی۔ یعنی اور تجھسے پوچھتے ہیں روح کو (یعنی کہ روح کیا چیز ہے؟) تو کہہ کہ روح ہے میرے رب کے حکم سے
اس آیت میں اللہ نے آنحضرتؐ کو کہدیا کہ روح ایک امر ربانی ہے۔ خلق کی عقلوں سے خارج ہے۔ اور اس سے بھی واضح تر ایک دوسری آیت ہے

فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی

یعنی پھر جب ٹھیک بنا چکوں اور پھونکوں اس میں ایک اپنی جان۔ اور اسی وجہ سے اس کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ اور اسی کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے انا جعلناک خلیفۃ فی الارض۔ یعنی (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ) ہم نے اسے انسان تجھکو ملک کا حاکم بنایا ہے۔ اور انسان مستحق خلافت الٰہی کا صرف اسی مناسبت (یعنی روحانی) سے ہوا ہے اور اسی مناسبت کی طرف اشارہ ہے۔ اس حدیث شریف میں ان اللہ خلق آدم علیٰ صورتہ۔ یعنی اللہ تعالےٰ نے پیدا کیا ہے انسان کو اپنی صورت پر۔

اور اسی مناسبت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے اس حدیث قدسی میں (حدیث) جناب احدیت نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرمایا کہ میں بیمار ہوا تو نہیں آیا۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ الٰہی یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ حکم ہوا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو تو نے اس کی عیادت نہیں کی اگر (اے موسیٰ) تو اس کی بیمار پرسی کرتا تو تو مجھکو اس کے پاس پاتا۔ اور یہ مناسبت جب ہی ظاہر ہوتی ہے جبکہ فرضوں پر قائم ہو کر آدمی نوافل

پر مواظبت کرے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث قدسی کے اندر آیا ہے (حدیث) لایزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبہ، فاذا احببت کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی تبصرہ ولسانہ الذی ینطق بہ۔

یعنی بندہ ہمیشہ نوافل سے میرا تقرب حاصل کرتا یہانتک کہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں اور جب دوست رکھتا ہوں تو ہو جاتا ہوں اس کا کان جس سے کہ وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے کہ وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان جس سے کہ وہ بولتا ہے (بخاری بروایت ابوہریرہ)

اسی حدیث کو حضرت مولانا رومؒ نے مثنوی شریف کے اندر یوں بیان فرمایا ہے (مثنوی)

مطلق آں آواز از خود شہ بود | گرچہ از حلقوم عبداللہ بود
گفت اورا من زبان وچشم تو | من حواس ومن رضا وخشم تو
رو کہ بی یسمع وبی یبصر شدی | سر توئی چہ جائے صاحب سر توئی
چوں شدی من کان للہ از ولہ | من ترا باشم کہ کان اللہ لہ
گہ توئی گویم ترا گاہے منم | ہرچہ گویم آفتابے روشنم

"گہ توئی گویم ترا گاہے منم" سبحان اللہ انسان کا کتنا بڑا بلند درجہ ہے کہ اگر وہ صحیح ہو جائے تو اس کا کان خدا کا کان۔ اس کی آنکھ خدا کی آنکھ اس کی زبان خدا کی زبان بنجاتی ہے۔ بلکہ خود خدا کہتا ہے۔ کہ "کبھی تو تجھکو تو تو کہہ کر پکارتا ہوں اور کبھی میں میں"

اے مسلمان دیکھ از روئے شرع تیرا کتنا بلند مقام اور کتنی شان اور عظمت ہے کہ خدا اور اس کا رسول تو تجھکو اپنے کعبہ سے اور اپنے ملائک

سے بھی زیادہ بلند اور باعظمت بتلاتے ہیں لیکن تیرا جاہل ملا تجھے کس قدر ذلیل اور خوار۔ حقیر اور بے عزت بنانے کے درپے ہے۔ یعنی وہ ایسی موضوع موضوع احادیث گھڑ گھڑ کر کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام آنحضرت صلعم کا پاخانہ تناول فرماتے تھے۔ تجھے رذیل بنا رہا ہے۔ اور اس احساس کمتری کا ردعمل یہ ہو رہا ہے کہ جس کو آج ہم بچشم خود دیکھ رہے ہیں کہ ملا اور پیر مسلمانوں کو اپنے ہاتھ دھوئے ہوئے نجس پانی پلا پلا کر ان کے قلوب اور اذہان سے وہ نظری شرف انسانیت اور وہ خودی اور خودداری اور وہ بلندی نکال نکال کر اس کے بجائے اس میں خبث اور خباثت اور رذالت کے خیالات کو بزور ٹھونس رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان آج ابھرنے کے بجائے گرتے چلے جا رہے ہیں۔ اسی قسم کے حالات کو دیکھ دیکھ کر بے چارے علامہ اقبال رحمہ کہہ گئے ہیں۔

شیخ مکتب کم سواد و کم نظر
از رموز علم و حکمت بے خبر
می نتراشد برزبان لات و منات
مومن و قلبش حریم سومنات

یہ ہے روح قرآن فریاد کناں مسلمانوں سے کہہ رہی ہے کہ اے خوابیدہ مسلمان جاگ اور بیدار ہو۔ آنکھ کھول اور غور کر کہ اسلام۔ شریعت اور قرآن کی تعلیمات کے بالکل برعکس تمہیں تمہارا یہ ملا اور پیر کہاں کو لے جا رہے ہیں جس آدمی کے دل اور دماغ میں بچپن سے ہی یہ احساس کمتری کے جراثیم پھونک دیئے جائیں کہ تو تو ایک خسیس اور ایک رذیل قسم کا کیڑا ہے۔ تجھے تو پاک و صاف چیزوں کی بجائے ان حضرات کے کتوں کا جھوٹا کھانا بھی اگر مل جائے تو تو بڑا خوش

ان بزرگوں کے ہاتھوں کا دھوب، میں اگر تجھے گلاس کے بجائے چلمچی میں سے کچھ ہاتھ لگ جائے تو تو بڑا خوش نصیب ہے اور بڑا خوش طالع۔

سوچنے کا مقام ہے کہ اس قسم کے بدنصیب انسانوں سے کسی قسم کی بلندی، برتری، حکومت، تسلط یا غلبے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے ہاکہ جس کی گھٹی میں ہی خست رذالت اور رکشیگی کے جذبات کوٹ کوٹ کر بھر دیے گئے ہوں!

لہٰذا روحِ قرآن کا مسلمانوں سے یہ پرزور مطالبہ ہے کہ وہ بارے دیگر اگر ابھرنا چاہتے ہیں تو اپنی قرآن کی طرف دوڑیں اور اسی قرآن کو اپنے ہاتھوں میں مضبوط پکڑ لیں۔ اور ملّا کی ایسی من گھڑت تفسیروں اور موضوع روایات سے قطعاً روگرداں ہو کر قرآن کی اسی حبل متین سے چمٹ جائیں تو یقیناً ان کا بیڑا پار ہو گا۔ ورنہ نہیں۔

صد جہاں باقی است در قرآں ہنوز
اندکے خود را بآیاتش بسوز

اقتدار اور مُلّائیت

ختم شد

علماء سوء کی مہربانی

عیسائیوں میں ایمان اور عقائد کا اعمال حسنہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا ایک عیسائی کے لئے چند عقائد کا مان لینا تکمیل ایمان کے لئے اور ایک کرسچین کی نجات کے لئے بالکل کافی ہوتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان کے لئے از روئے قرآن صرف حسن عقیدہ بغیر حسن عمل کے بالکل ایک بیکار چیز ہے۔ قرآن نے صاف صاف الفاظ میں اعلان کر دیا ہے (قرآن) فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ (یعنی جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو پائے گا اور جو ذرہ بھر بدی کرے گا وہ اس کو پالیگا) اس کے معنی صاف بتا رہے ہیں کہ اس میں کسی کافر یا کسی مسلمان کی تخصیص نہیں۔ یہ نہیں کہا گیا کہ ایک مسلمان کا فقط کلمہ پڑھ لینا یا چند عقائد کو مان لینا یا پھر مر جانے کے بعد رسمی طور پر کسی ملا سے قرآن بخشوا لینا، کسی مسلمان کی نجات کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ بلکہ آیت کا مفہوم صاف ہے کہ خواہ کافر ہو یا مسلمان اعمال کے ثمرات سب کو مل کر رہیں گے۔ لیکن آجکل مسلمانوں کی حالت ہمارے ملا کی مہربانی سے عیسائیوں کے مطابق بن گئی ہے کہ محض رسمی طور پر بغیر معانی جاننے کے اور بغیر اس پر عمل کرنے کے محض کلمہ پڑھ لینا یا آمنت باللہ وملٰئکتہٖ کے چند حروف رٹ لینا اور مر جانے کے بعد ایک ملا کو چار پانچ روپیہ دیکر قرآن بخشوا لینا مسلمان کی نجات کے لئے بالکل کافی متصور کیا جاتا ہے اس کو کسی عمل کی ضرورت نہیں۔

جب سے مسلمانوں میں یہ عقیدہ آگیا ہے، مسلمانوں نے عمل سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ اور اس بے عملی کے نتیجہ کے طور پر ہر جگہ کا مسلمان عمل سے عاری ہو گیا

سے ہے۔ اکثر مسلمانوں میں یہ خیال عام ہو گیا ہے کہ عمر بھر زنا۔ بدکاری اور فواحشات کے اندر غرق رہ کر کچھ روپیہ ان کے گناہوں کے کفارہ کے لئے بالکل کافی ہے بیت اللہ کا طواف۔ زنا۔ بدکاری۔ شراب نوشی۔ چوری وغیرہ فواحشات کے لئے بمنزلہ صابن کے ہے۔ جس طرح کہ صابن کپڑے کو دھو کر صاف کر دیتا ہے اسی طرح تمام بدعملیوں اور بدکاریوں کا علاج حج سے ہو جاتا ہے۔

آجکل تو حج کرنا بالکل ایک سیر اور تفریح سا بن گیا ہے۔ کیونکہ بغیر کسی قسم کی تکلیف کے صرف ہزار دو ہزار روپیہ کے خرچ سے حج ہو جاتا ہے۔ اس لئے آجکل اس خیال کے لوگ تو دل کھول کر برائیاں کر سکتے ہیں۔ پانچ دس سال عیاشیاں کرنے کے بعد ایک سفر سے سارے گناہ دھو ڈالنے کے اس خیال نے لوگوں میں برائیوں اور بدکاریوں کو آسان بنا دیا ہے۔ ہم نے خود کئی حاجیوں سے سنا ہے کہ چند سال کے گناہ اور بدکاریاں جمع ہو گئی تھیں۔ ہم نے کہا کہ زندگی پر اعتبار نہیں۔ اس دفعہ جا کر (حج کر کے) یہ گناہوں کا زنگ اتار دیا جائے۔ اس لئے دوسری بار یا تیسری بار حج کیا جاتا ہے۔ بلکہ حج کے موقعہ پر بدوؤں اور عربوں سے جب پوچھا گیا کہ تم رسول اللہ صلعم کے شہری ہو کر کیوں چوری اور بدکاری کرتے ہو۔ تو انہوں نے بیت اللہ شریف کی طرف ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا کہ یہ "صابن" ہے۔ ہم سال بھر سب کچھ کرتے رہتے ہیں لیکن حج کے موقعہ پر جب زیارت بیت اللہ شریف کر کے لوٹ آتے ہیں تو ہمارے سارے گناہ اور میل دھل جاتے ہیں۔

حج کر کے گناہوں کو دھو دینے کا خیال آسودہ حال ملا قسم کے لوگوں کا ہوا کرتا ہے۔ باقی رہے جہال۔ غریب اور نادار مسلمان تو ان کو یہ آسرا دیا گیا ہے کہ پیر اور مرشد قیامت میں سفارش کر کے ان کو ضرور چھڑا لیں گے۔ اول تو وہ

دوزخ تک جانے ہی نہیں پائیں گے۔ اور اگر کوئی ان کا خادم بھول کر بھی دوزخ میں لے جایا گیا تو حضور پیر اور مرشد اس کا بازو پکڑ کر دوزخ سے باہر نکال لائیں گے۔

اسی طرح بعضوں کو گناہ اور برائی پر اس لئے جرأت ہوتی ہے کہ ملّا جی سے اس کے ورثا قرآن شریف جو کہ دونوں جہان کا والی وارث ہے چار پانچ روپیہ خرچ کر کے بخشوالیں گے۔ اور اس طرح سے وہ سیدھے جنت میں جا داخل ہوں گے۔

بغیر عمل صالح کے جنت میں داخل ہونے کا یہ عقیدہ بالکل وہی عیسائی عقیدہ ہے۔ کیونکہ عیسائیوں کو بھی ان کے پادریوں کی مہربانی سے زنا بدکاری اور فواحشات کی کھلی چھٹی مل چکی ہے۔ کیونکہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ان کے گناہوں کے کفارہ میں ایک دفعہ چونکہ خود سولی پر چڑھائے گئے ہیں اس لئے اب ہر ایک عیسائی چاہے کس قدر بھی برے کام کیوں نہ کرے اس کو کچھ بھی سزا نہ ہوگی۔ کیونکہ ان کی سزاؤں کا کفارہ خود مسیح کی سزا ہو چکی ہے۔

افسوس ہے کہ اس طرح سے مسلمانوں کی توجہ قرآن اور شریعت سے ہٹا کر ان کو بد عمل۔ بیکار اور معطل بنا دیا گیا ہے۔ ورنہ اسلام اور قرآن کی تعلیم صاف صاف بتا رہی ہے کہ کوئی عقیدہ بغیر عمل کے بالکل بیکار محض ہوتا ہے

عمل اور عقیدہ اسلام میں

من آمن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحاً فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یعنی جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخرت پر اور عمل صالح

کرتا رہا تو اس کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوگا ۔ اسلام ایک سیدھا سادہ مذہب ہے اس میں وہ جوگیانہ اور راہبانہ موشگافیاں نہیں ہیں اور نہ اس میں فلسفیانہ مباحث اور نہ نفسیاتی باریکیاں اور دقائق ہیں ۔ اسلام چند ایک عقائد کی تعلیم دیتا ہے ۔ اور اعمال نیک پر بہت زور دیتا ہے ۔ اعمال صالحہ خود بخود اس کا بڑا بار ہوتا ہے ۔ ایک مسلمان کو حکم ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں جان و مال تک موقعہ آئے تو قربان کر دے ۔ تقویٰ کرے طہارت کرے ۔ اپنوں سے اور پرایوں سے ۔ دوست ۔ اقربا ۔ شہر اور ہمسایہ کے لوگوں سے اچھا سلوک اور عمدہ برتاؤ کرے ۔ ساری خلق خدا کی خدمت کرے ۔ سخاوت اور بذل مال کو خود طبیعت بنائے ۔ ساری نیکیاں اختیار کرے اور سب برائیوں ۔ زنا ۔ فواحشات وغیرہ سے دور ہو جائے ۔ رفیق بھائی بنے ۔ شفیق باپ ۔ باوفا شوہر ۔ رحیم ۔ اور غمگسار ہمسایہ ۔ حتیٰ کہ اس کو دنیا کی نیکیوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ اور چھوٹی سے چھوٹی برائی سے بھی منع کیا گیا ہے ۔

ایک حدیث شریف میں مسلمان سے پرستش اعمال کے متعلق یہاں تک تاکید آئی ہے کہ باقی اعمال تو رہے ایک طرف ۔ ایک مسلمان سے اس کی آنکھ کے سرمے کی نیت اور اس کے آنکھ کے گارے سے متعلق بھی پرستش ہوگی افسوس کہ ایک ایسے پاکیزہ دین کے ماننے والوں کو یہ کہکر کہ خدا رحیم ہے اور غفور ہے ضرور بخش دیگا وغیرہ وغیرہ باتیں سنا سنا کر عمل سے سراسر عاری دیا گیا ہے ۔ اور برائیوں اور بدکاریوں پر جرأت اور دلیری دیکر مسلمانوں کا بیڑا غرق کر دیا ۔ آج وہ برائی نہیں جو مسلمان نہیں کرتا ۔ لیکن باوجود ایں ہمہ پھر تو کہے گا الحمد للہ مسلمان ہوں کلمے کی برکت سے ضرور جنت میں داخل ہو

کیونکہ کلمہ پڑھنے والے پر دوزخ کی آگ حرام ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہر جگہ مسلمان کی حالت روز بروز بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے اور اس نے اپنا وہ بلند مقام ضائع کردیا ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں تجھ میں
گفتار دلبرانہ۔ کردار قاہرانہ
تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذب قلندرانہ

قولی ایمان اور فعلی ایمان

امام غزالیؒ احیاء العلوم جلد ۴ توبہ کے بیان میں لکھتے ہیں۔ "معاصی (یعنی گناہوں) کا مہلک سمجھنا نفس ایمان میں داخل ہے" جو شخص کہ گناہوں (زنا اور فواحشات وغیرہ وغیرہ) کو نہیں چھوڑے گا اس میں یہ حصہ ایمان کا نہیں ہوگا۔ اور یہی مراد ہے اس حدیث شریف میں (حدیث) لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مومن (یعنی نہیں زنا کرتا کوئی) زنا کرنے والا اس حال میں کہ وہ مومن ہے) (بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ)

اس میں ایمان سے یہ مراد ہے کہ فعل زنا کہ جو موجب نارضامندی خدا تعالےٰ ہے زانی کو خدا تعالےٰ سے دور کر دیتا ہے۔ گویا زنا کے وقت زانی کے اندر اس بات کا ایمان نہیں ہوتا۔ اس سے یہ غرض نہیں کہ اس کا وہ ایمان بھی جاتا رہا ہے (جو متعلق بعلوم مکاشفہ ہے) یعنی خدا کو جاننا اور اس کی وحدانیت اور صفات اور کتب سماوی اور رسولوں پر جو ایمان ہے۔ ایسا ایمان منافی زنا نہیں ہوتا۔ اس لئے زنا کرنے والے کا ایسا ایمان زنا کے فعل سے نہیں جاتا۔ اس کی یہ مثال ہے

کہ ایک طبیب نے کسی مریض سے کہا کہ یہ زہر ہے اس کو مت کھانا۔ پس اگر وہ مریض اس زہر کو کھا لیتا ہے تو اس کے متعلق یوں کہا جائے گا کہ یہ مریض اس طبیب کا معتقد نہیں۔ اس سے یہ ہرگز غرض نہ ہوگی کہ وہ مریض اس طبیب کے وجود یا اس معالج ہونے پر ایمان نہیں رکھتا۔ بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ مریض طبیب کے اس قول کو نہیں مانتا کہ یہ چیز زہر ہے کھانیوالے کو ہلاک کر دیگی۔ کیونکہ اگر مریض طبیب کے اس قول کو صحیح سمجھتا اور اس چیز کو مہلک مان لیتا تو اس چیز کو ہرگز نہ کھاتا۔
اس لئے حدیث لا یزنی الزانی الخ محولہ بالا کا مطلب بھی یہی ہوا کہ زنا کرنے والا بوقت زنا مومن نہ ہوگا۔ بالکل اس طرح ہے جس طرح کہ زہر کھانیوالا مریض طبیب کے اس خاص قول کا منکر سمجھا جائے گا کہ فلاں چیز زہر مہلک ہے۔ گویا زانی میں ایمان کا وہ جزو داخل نہیں ہوگا جس میں کہ زنا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ باقی ایمان اس کا صحیح ہوگا اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ ہم جن جن فواحشات اور برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً زنا۔ شراب۔ چوری۔ قمار بازی وغیرہ وغیرہ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم خدا کو خدا مانتے ضرور ہیں لیکن از روئے اعمال مندرجہ بالا کے ہم ان گناہوں کے ارتکاب سے اس حصہ ایمان سے خارج ہوں گے اور ان معاصی کے ارتکاب کے وقت ہم از روئے ایمان معاصی مذکورہ کے لحاظ سے مومن نہیں ہوتے۔ تو جب ایک بدکار آدمی زنا کرتا ہے چوری کرتا ہے۔ خون کرتا ہے، ظلم کرتا ہے تو گویا بقول اس حدیث بالا کے اس کا ایمان ان سب معاصی کے ارتکاب کے وقت ان ایمان کے حصوں سے خالی ہوتا ہے۔ تو پھر باقی رہ کیا جاتا ہے۔ محض چند اقوال اور چند عقائد (مصنف)

پس معلوم ہوا کہ ایک بدکار اور بدعمل آدمی ناقص الایمان ہوتا ہے کیونکہ ایمان ایک چیز کا نام نہیں بلکہ اس کی کچھ اوپر ستر قسمیں ہیں۔ جن میں کی ایک اعلیٰ قسم

گواہی کلمہ طیب کی ہے اور ادنیٰ قسم ایمان کی راہ میں سے ایذا کی چیز (مثلاً کانٹا وغیرہ) کو دور کرنا ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ کوئی یوں کہے کہ انسان ایک ہی طرح کے نہیں ہیں۔ بلکہ کچھ اوپر ستر قسم کے ہیں۔ ان میں سے اعلیٰ قسم کے انسان وہ ہیں جو قلب اور روح کو صاف رکھتے ہیں۔ اور ادنیٰ قسم کے وہ ہیں جو جلد اور جسم کو صاف ستھرا رکھتے ہیں۔ مثلاً مونچھیں کترنا۔ ناخن وغیرہ کاٹنا۔ میل کچیل سے جسم کو صاف رکھنا تاکہ بہائم سے انسان متمیز ہو جائے۔ کیونکہ بہائم اپنے پیشاب اور پاخانے میں لتھڑے ہوئے غلیظ رہتے ہیں۔ ان کے کھر اور ناخن بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ مثال اس پر بالکل صادق آتی ہے

ایمان کو مثل انسان کے تصور کرنا چاہیے۔ کسی انسان میں اگر شہادت توحید نہ ہو تو اس کا ایمان بالکل باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک انسان روح کے نہ ہونے سے بیکار محض ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص صرف ایمان توحیدی کا اور رسالت کا نور رکھتا ہو لیکن باقی اعمال اس کے خراب ہوں تو وہ ایسا ہوگا جیسا کہ کسی انسان میں روح تو ہو مگر ہاتھ پاؤں۔ آنکھ۔ کان اور دوسرے اعضا ظاہری و باطنی کچھ نہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ اس طرح کا شخص جو کہ اگرچہ بظاہر برائے نام زندہ ہوتا ہے لیکن دراصل مردوں میں محسوب ہے۔ کیونکہ اس کی ضعیف روح بغیر اعضا کے رہ گئی ہے اور اس کو اعضا سے مدد امداد ملنا بند ہو گیا ہے ایسی روح بہت جلد ختم ہو جائے گی کیونکہ اس کے اسباب حیات منقطع ہو چکے ہیں یہی حال ہے بے عمل ایمان کا۔ جس شخص کا عقیدہ خدا اور رسول پر ہو لیکن باقی اعمال صالحہ بجا نہ لاتا ہو اور نیک اعمال اور حسنہ کردار سے سراسر قاصر ہو اس کا بھی بالکل یہی حال ہوگا کہ ذرا سے امتحان کے وقت اس کا وہ قولی ایمان یقیناً پرواز کر جائیگا آزمائش، امتحان اور مصیبت کے وقت صرف وہی ایمان قائم رہ سکتا ہے

جس ایمان کی جڑ یقین کے اندر مضبوطی کے ساتھ جمی ہوئی ہو۔ اور اعمال کے اندر اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوں۔ اور وہ ایمان جس کی بنیاد طاعات اور اعمال صالحہ پر ہو اور اس کی آبیاری پاکیزہ کردار سے ہوتی ہو۔ لہٰذا اس سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے اندر محض اعتقاد کچھ چیز نہیں۔ جب تک کہ اس اعتقاد کی پشت پر اعمال صالحہ اور کردار متقیانہ نہوں۔ لیکن آجکل ہماری حالت بالکل ان عیسائیوں کی طرح (خدا محفوظ رکھے) کی ہو گئی ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینا ختنہ کرا لینا۔ یا گائے کا گوشت سیر ہو کر کھا لینا، مومن بننے کے لئے کافی سمجھا گیا ہے۔

افسوس صد افسوس کہ بے چارہ اقبال مرحوم کی "یزداں شکار" کرنیوالی قوم کی عملی صورت آج یہ رہ گئی ہے

مسلمان آج عمل سے کیوں عاری ہو گیا ہے

قرآن اور حدیث میں اعمال صالحہ کی سخت تاکید کے باوجود مسلمانوں کے جلسوں جلوسوں، مجالس وعظ کے اندر آپ کبھی ملا کی زبان سے عمل کی تاکید پر وعظ نہیں سنیں گے۔ بریلوی قسم کے مُلّا تو لوگوں کو خانقاہوں کے طواف۔ قبروں کے سجدوں نذر و نیاز۔ تعویذ گنڈے۔ بزرگوں کے مزاروں کی مٹی کھانے کی طرف راغب کرتا دکھائی دیگا یا یہ کہ رسولؐ آدمی نہیں تھے (نعوذ باللہ) وہ تو محض نور کا پرتو تھے۔ یا اور اس قسم کی خرافات۔ اور جھگڑوں میں لوگوں کو مبتلا رکھتا ہے۔ حالانکہ خود خدا نے قرآن میں خود اسی نبی کی اپنی زبان سے صاف صاف الفاظ میں کہلوایا ہے کہ (قرآن)

"انا بشر مثلکم"

"یعنی میں تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں"۔ سبحان اللہ فقط آدمی ہی نہیں کہا گیا

بلکہ "مثلکم" یعنی اے لوگو تم جیسا ایک انسان ہوں۔ لیکن مُلّا کی تاویل در تاویل اور دور دراز کار روایات سے خدا کی پناہ۔ ایسے صاف قرآنی فیصلے کے باوجود بھی کھینچ تان کر کیسے کیا معنی نکالتا رہتا ہے۔ مُلّا کی خرافات کے پردے علامہ اقبال نے اپنی نوک قلم سے پھاڑ دیے ہیں۔ وہ کہتا ہے (شعر)

زمن بر صوفی و ملّا سلامے — کہ پیغام خدا گفتند مارا
دلے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

یقیناً خدا خود حیران ہو کر کہتا ہو گا کہ میں رسول صلعم کی بشریت کے اظہار کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا الفاظ کہتا ہ تاکہ یہ بریلوی قسم کا مُلّا رسولؐ کو آدمی مانتا اور لیت و لعل نہ کرتا۔

مسلمان کی نجات اعمال صالحہ پر ہے

محض عقیدہ اور قولی ایمان اسلام میں کوئی حقیقت نہیں رکھتا جبکہ خود آنحضرت صلعم اپنی لخت جگر قرۃ العین حضرت فاطمہؓ سے فرماتے ہیں۔

(حدیث) اعملی فانی لا اغنی عنک من اللہ شیئاً (یعنی اے فاطمہؓ عمل کر کر میں تجھ سے خدا تعالےٰ کی کسی چیز کو نہیں ٹال سکتا۔)

دنیا آخرت کی کھیتی ہے قرآن نے کہا ہے کہ الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ نے عقیدے اور عمل صالحہ کے متعلق بہت کچھ اظہار خیال فرمایا ہے ایک جگہ آپ لکھتے ہیں کہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے اور دل مثل زمین کے ہے اور ایمان (یعنی عقیدہ) مثل تخم کے ہے اور طاعات (یعنی عبادات و اعمال صالحہ) ایسے ہیں جیسا کہ کھیتی کی زمین کا جوتنا، اس میں پانی پہنچانا وغیرہ وغیرہ

چونکہ آخرت کا روز کھیت کاٹنے اور پیداوار حاصل کرنے کا دن ہے تو انسان یہاں جو کچھ بو دیگا وہی کاٹے گا۔ کھیتی کے ساتھ جتنی محنت اور جس قدر خدمت کریگا اسی قدر نفع اندوز ہوگا۔ تو گویا کہ ایک مسلمان کا حال کھیت والے یعنی کسان کا سا ہوا۔ پس اگر کسی کسان نے کھیتی کی عمدہ زمین تلاش کر لی ہے اور اس میں بیج بھی بہتر ڈالا ہے (یعنی ایمان) اور پھر کھیتی کے جس قدر لوازمات لازم ہیں ان سب کو پورا بھی کیا ہے۔ کھیتی کی فصل کو وقت پر پانی بھی دیا ہے اور مناسب طور پر کانٹوں۔ فالتو جھاڑیوں، فضول گھاس پھونس سے اس کو نولایا اور جو چیزیں بیج کے جمنے کی مانع اور حارج تھیں ان کو جڑ سے نکال کر کھیتی کو صاف کیا۔ کھیتی کے فصل کی اچھی طرح سے چوروں، اچکوں۔ جنگلی جانوروں وغیرہ سے۔ . . . حفاظت کرتا رہا۔ تو یقیناً اس کا دامن مراد حاصل پیداوار سے بھر جائے گا۔ لیکن اگر محض تخم زمین میں دیعنی ایمان دل میں ڈال کر بیکار اور فضول کاموں میں لگا رہا۔ نہ اچھی طرح ہل چلایا نہ وقت پر پانی دیا۔ نہ نلائی گڈائی کی۔ نہ اس کی چوروں، اچکوں، جنگلی جانوروں سے حفاظت کی۔ محض بیج ڈال کر متوقعہ حاصل فصل اور پیداوار کا ہو بیٹھا۔ تو یقیناً وہ بے مراد اور بے بہرہ خالی ہاتھ لوٹے گا۔ محض بیج ڈالدینا اور متوقعہ پیداوار کا ہونا حماقت ہے۔ بالکل یہی مثال ہے عقیدے ایمان اور اعمال حسنہ کی یعنی محض ایمان اور عقیدہ شرعی رکھنا اور اعمال حسنہ کا بجا نہ لانا ایسا ہے جیسا کہ کسی کھیتی کے اندر بیج پھینک آنا اور بغیر کسی محنت کے حاصلات کا متوقع ہونا۔

بدقسمتی سے ماسوائے چند مستثنیات کے آج ہماری حالت اس کسان کی سی بن گئی ہے جو محض بیج ڈالنے کو کھیتی باڑی سمجھتا ہے اور امید وار پیداوار کا ہوتا ہے ہمارے ملا کا یہ فرض ہے کہ وہ جہاں مسلمان کو دماغی عیاشی کے وعظ و نصیحت کے اندر مشغول رکھتا ہے۔ وعظ میں انہیں رونے رلاتے اور عورتوں کی طرح سی

آہ دبکا کے اندر محور رکھتا ہے اور مغفرت و شفاعت کے وعظ سنا سنا کر مسلمان کو بیکار تر بنا رہا ہے، انہیں چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو عمل صالح کی طرف رغبت دلائیں لیکن آہ! ایسا کب ہو سکتا ہے جبکہ ہمارے طالبعلم عالم سو (الا ماشاء اللہ) خود عمل سے عاری ہیں۔ لوگ غیبت کریں گے تو بازاروں اور ہوٹلوں کے اندر لیکن غیبت جس کو صحیح احادیث کے اندر (الغیبت اشد من الزنا) زنا سے بھی بدتر بتایا گیا ہے۔ ملا اس کا ارتکاب کرے گا تو خود خدا کے گھر یعنی مسجدوں کے اندر۔ محرابوں کے بیچ میں بیٹھ کر کرے گا۔ بالکل اسی طرح حال ہے فتویٰ بازی کا۔ یہ لوگ مسلمانوں کی تکفیر کے مسائل بلا ضرورت اپنی علمی نمائش یا اپنے فریق (مثلاً سنی علماء سنیوں کے حق میں اور شیعہ علما شیعوں کے حق میں) کو دوسرے فریق پر غالب آنے کے لئے۔ خدا کے گھر میں بیٹھ کر خدا کی مخلوق کو لڑانے بھڑانے کے لئے مستودے سوچتا رہتا ہے۔ حالانکہ ہمارے سلف صالحین کے بزرگوں کا طریق یہ تھا کہ وہ عموماً فتویٰ بازی سے پرہیز فرماتے تھے اور عموماً ایک دوسرے پر ٹالتے رہتے تھے

خلیفہ ہارون الرشید اور امام مالکؒ باہم ہمعصر ہیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہارون رشید جب کبھی حج کے لئے تشریف لاتے تو امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ کسی دفعہ جب ہارون رشید امام مالکؒ کی خدمت میں آیا تو قاضی ابو یوسفؒ جو کہ امام ابو حنیفہؒ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں آپ کے ہمراہ تھے۔ ہارون رشید کے سامنے قاضی ابو یوسفؒ نے امام مالکؒ سے ایک مسئلہ پوچھا مگر امام صاحب نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا تو پھر بھی جواب نہیں دیا۔ تیسری بار کہا تو پھر بھی امام صاحب خاموش رہے۔ آخرکار ہارون الرشید نے یہ سمجھا کہ شاید امام صاحب قاضی ابو یوسف کو نہیں جانتے ہیں۔ بطور تعارف کے فرمایا کہ یہ ہمارے قاضی ابو یوسف ہیں کچھ آپ سے پوچھتے ہیں۔ اس پر امام صاحب

نے فرمایا کہ "اے فلاں! جب میں ہوا پرستوں کو فتویٰ دینے بیٹھوں تب مجھ سے آکر پوچھنا۔"

(اس واقعہ کو ابن خلکان اور علامہ ذہبی دونوں نے نقل کیا ہے۔)

یہ امام مالک صاحب نے کیوں کہا اس کا صحیح جواب تو ہم نہیں بتا سکتے ہیں لیکن صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں عموماً فتویٰ دینے کی ذمہ داری سے لوگ بچنے کی کوشش فرماتے تھے۔ "لا ادری" یعنی میں نہیں جانتا کسی دوسرے سے پوچھ لیجئے، عموماً ہر فتوے کے جواب میں کہدینا سلف کے صالحین کا دستور رہا ہے۔ لیکن آج معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے۔ فتویٰ کوئی پوچھے یا نہ پوچھے ہمارا مُلّا ضرورت بے ضرورت فتویٰ دینا رہتا ہے۔ مسلمانوں میں اس وقت جو جمود۔ بیکاری اور تعطل پھیلا ہوا ہے یہ علمائے حق کا کام ہے کہ ان کے دماغوں اور نفوس و قلوب کی باطنی گہرائیوں سے ایسے معکوس تخیلات کو نکال دینے اور ان کی بجائے خود اعتمادی عزت نفس، کارکردگی۔ محنت۔ جفاکشی اور اعمال حسنہ کا عشق پیدا کریں۔ محض پیروں کے ڈھکوسلے اور علمائے سو کے حیلوں بہانوں اور فضول آسروں پر رہ کر اپنی زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع نہ کریں۔ ~

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

عقیدہ اور عمل صالح کے متعلق قرآنی فیصلہ

(۱) یوم ینظر المرءُ ما قدّمت یداہ۔

یعنی جس دن دیکھ لے آدمی جو آگے بھیجا اس کے ہاتھوں نے۔ یعنی نیا مت

سے اندر عقائد کی چنداں نہیں بلکہ اعمال کی پرسش ہوگی۔

(۲) اِنّی لغفار لمن تاب و آمن وعمل صالحاً ثم اھتدیٰ

یعنی میری بخشش اس پر ہے جو توبہ کرے (برے کاموں سے) اور یقین لاوے اور کرے اعمال حسنہ یعنی بھلے کام۔ اور پھر رہے راہ پر۔

سبحان اللہ کس قدر صاف صاف حکم ہے۔ خداوند عالم صاف صاف کہہ رہا ہے میں غفار ضرور ہوں لیکن کس کے لئے؟ ان لوگوں کے لئے کہ جنہوں نے برائیوں سے توبہ کیا۔ اور ایمان ویقین رکھتے ہیں اور اعمال حسنہ بجا لاتے ہیں اور پھر اس راہ کو چھوڑ نہیں دیتے ہیں بلکہ تا زیست اسی پر قدم زن رہتے ہیں۔

علماء سو خدا کی غفاریت کے پیغام سنا سنا کر لوگوں کو عمل صالحہ سے برگشتہ اور بیکار کر رہے ہیں۔ انہیں کیوں قرآن کا صاف اور سیدھا حکم نہیں پہنچاتے ہیں کہ خدا غفور تو ضرور ہے لیکن غفوران کے لئے ہے کہ جو سچے دل سے توبہ کریں۔ یقین اور ایمان رکھتے ہوں اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہوں۔ اور پوری استقامت کے ساتھ اس پر تا زیست جمے رہیں۔ لیکن ملّا عوام کو پھسلانے کے لئے فقط انی لغفار یعنی میں غفور اور بخشنے والا ہوں۔ پس اس کے بعد کی عبارت یعنی لمن تاب۔ آمن وعمل صالحاً ثم اھتدیٰ کے متعلق کچھ بھی بیان نہیں کرتے۔ ایسے حیلہ باز آدمی کا ذکر ہے کہ وہ نماز نہیں پڑھا کرتا تھا جب کسی نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے جواب میں کہا۔ یہ تو قرآن میں آیا ہے کہ لا تقربوا الصّلوٰۃ یعنی نماز کے نزدیک بھی نہ پھٹکو۔ تو معترض نے کہا ذرا آگے بھی تو پڑھیئے کہ آگے کیا لکھا ہے؟ حیلہ باز آدمی نے کہا کہ میرے لئے تو اتنا حکم بس کرتا ہے۔ سارے قرآن اور اس کے تیسوں پاروں پر کس نے عمل کیا ہے؟ کہ میں نہیں کر رہا۔

(۳) فامامن تاب وآمن وعمل صالحا فعسیٰ ان یکون من المفلحین۔

(یعنی) پس جس نے توبہ کی ہے اور یقین لایا اور کئے بھلے کام سو امید ہے کہ ہو وے چھوٹنے والوں میں۔

(۴) من کان یرید حرث الاخرۃ نزدلہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا نوتہ منھا الخ۔

یعنی جو کوئی چاہتا ہو آخرت کی کھیتی (ہری بھری) تو بڑھا دیں (یعنی ترقی دیں) ہم اس کی آخرت کی کھیتی کو اور جو کوئی ہو چاہتا دنیا کی کھیتی اس کو ہم دیں کچھ اس میں سے (الخ) کھیتی کی تعریف میں امام غزالی" کی تفسیر کا ٹکڑا اوپر عرض کیا گیا ہے۔ کھیتی عمل اور محنت اور جاں فشانی چاہتی ہے۔ اس لئے اس کو کھیتی کے مجمل الفاظ میں بیان کیا گیا ہے"

(۵) والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنو وعملوا الصالحات (الخ)

قرآن کھول کر بغور دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اور اس کے ساتھ اعمال صالحہ سے ہی فلاح اور بہبود اور کامیابی دین اور دنیا میں نصیب ہوتی ہے۔

اعمال صالحہ کا اثر

اعمال صالحہ سے نہ صرف دین اور عاقبت سنورتی ہے۔ بلکہ دنیا میں بھی عزت وقار اور فراخ دستی میسر آجاتی ہے۔ اور انسان بڑی کامیاب زندگی گزارتا ہے۔

(حدیث) من انقطع الی اللہ کفاہ اللہ تعالیٰ کل مونتہ ورزقہ من حیث لا یحتسب الخ

جو شخص کہ اللہ کا ہو رہتا ہے۔ اس کو اللہ ہر ایک مشقت سے بچا دیتا ہے

اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیتا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کو کہاں سے روزی مل رہی ہے)

(قرآن) ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔

یعنی جو کوئی ڈرے اللہ سے وہ کر دے گا "اس کا گزارہ اور روزی دیدے (گا) اس کو جہاں سے اس کو خیال (تک) نہ ہو۔

ادنیٰ سے ادنیٰ عمل اثر پذیر ہوتا ہے

امام غزالیؒ احیاء العلوم جلد چہارم باب نیت و اخلاص میں لکھتے ہیں

"جس طرح کہ کوئی کھانے پینے کی دوا کا ذرہ بھر بھی بدون تاثیر کے نہیں رہتا بالکل اسی طرح خیر و شر یعنی بھلے یا برے کاموں کا ذرہ ذرہ بھی دلوں میں تاثیر کرتا ہے۔ نیک اعمال سے دل میں روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اور برے اعمال سے تاریکی

اعمال کی تاثیر دلوں میں

اعمال کی تاثیر دلوں میں اس طرح ہوتی ہے کہ جس صفت سے اعمال صادر ہوتے ہیں اسی صفت قلبی کو مستحکم کیا کرتے ہیں۔ مثلاً ریاکاری، نمائش، دکھاوا وغیرہ۔ یہ قلب کی بری صفات ہیں۔ اس صفت قلبی کی غذا اور خوراک یہ ہے کہ آپ اس خواہش نفسی کے موافق عمل کریں۔ جب آپ اس خواہش نفسی کے مطابق عمل کرتے ہیں تو وہ آپ کی عادت بن جاتی ہے۔ اور اس طرح سے وہ بری عادت ریا۔ نمائش اور دکھاوے کی آپ کے نفس میں جم جاتی ہے اور مستحکم اور مضبوط جڑیں گاڑ دیتی ہیں۔ اسی طرح داعیہ خیر یعنی نیکی اور بھلائی کی صفات

کا حال ہے۔ جب قلب انسانی میں وادو دہش۔ پاک دامنی۔ نیکی اور بھلائی کے خیالات پیدا ہوں۔ اور آپ ان خیالات پر عمل کریں تو اس سے آپ یقیناً پاک دامن۔ نیکوکار۔ اور مرد صالح بن جائیں گے۔ اس کا منشا یہ ہوا کہ صفات قلبی کے داعیہ خیر و شر سب بیکار ہیں۔ عمل اور فقط عمل ہی سے ان میں جان پڑتی ہے۔ انکی آبیاری ہوتی ہے۔ ان کا نشوونما ہوتا ہے۔ ان میں قوت اور زور پیدا ہوتا ہے گویا عمل ہی پر ساری نیکی اور بدی کا انحصار ہوتا ہے۔ یہ خیال کہ مظلوم کی حمایت کیجائے محض خیال ہی رہے گا۔ مظلوم کی حمایت اور ظالم کو سزا کا دینا۔ دنیا میں امن وامان عدل وانصاف جو کچھ ہوتا ہے وہ عمل ہی سے ہوتا ہے۔ گویا خیال ایک صفت قلبی ہے اور بمنزلہ تخم کے ہے۔ تخم فصل کے لئے لازمی ہے۔ لیکن تخم بیکار ہوتا ہے جب تک زمین۔ پانی۔ ہوا۔ ہل کھاد وغیرہ اس کو نہ دی جائے۔

عمل کی بجائے عورتوں کی طرح رونا

امام غزالیؒ موت کے باب میں کتاب احیاء العلوم کے اندر لکھتے ہیں کہ ہماری غرض خوف خدا سے یہ نہیں کہ محض عورتوں کی طرح وعظ اور نصیحت سنتے وقت دل پر رقت طاری ہو اور آنکھوں سے آنسو بہا کر رو لیا جائے۔ اور ابھی آنکھوں کے آنسو خشک بھی نہ ہوں کہ سب کچھ بھول بھلا کر اسی طرح سے لہو ولعب اور برائیوں کے اندر غرق ہو جائے۔ یہ بات خوف میں ہرگز داخل نہیں۔ بلکہ اصول یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے اگر ڈرتا ہے تو وہ اس سے دور بھاگ جاتا ہے۔ اور جس چیز کی محبت رکھتا ہے اس کی طلب تقاضا کرتا ہے۔ اس صورت میں وہی خوف خدا یوم قیامت نجات کا باعث ہوگا کہ جس کے سبب سے انسان برے اعمال اور نافرمانیوں سے باز رہے۔ اور نیکی اور اعمال صالحہ پہ کاربند ہو جائے۔ عورتوں کے روتے

دھرنے سے بھی زیادہ برا ان احمقوں کا رونا ہے کہ جب وعظ اور نصیحت سنیں تو فوراً نعوذ باللہ ۔ استغفر اللہ ۔ خدا کی پناہ ۔ الٰہی بچائیو کہنا اور شور مچانا شروع کرتے ہیں لیکن عمل میں بدستور قصور اور کوتاہی کرتے ہیں ۔ گناہوں پر وہی ضد اصرار اور ہٹ دھرمی غالب ہوتی ہے ۔ ایسے آدمیوں کی توبہ ، استغفار ۔ پناہ بخدا کا بالکل وہی حال ہے جیسا کہ ایک آدمی جنگل میں آ رہا ہو اور اس پر کوئی درندہ شیر وغیرہ حملہ آور ہونا چاہے ۔ اس شخص کے پیچھے عقب میں ایک مضبوط سنگین قلعہ ہو ۔ تو جب وہ شخص شیر کو حملہ کرتے دیکھے تو بھاگ کر قلعہ میں پناہ لینے کے بجائے وہیں کھڑا کھڑا یہ کہتا ہے ۔ اے شیر تجھے اس سنگین قلعہ کا واسطہ تجھے اس قلعہ کی دہائی ۔ اس کی مضبوط فصیل اور اس کے آہنی دروازوں کی قسم وغیرہ وغیرہ کلمات محض زبان سے کہتا ہے اور عملاً قلعے کی جانب ایک قدم بھی نہ اٹھائے ۔ تو کیا وہ درندہ شیر ان لفظوں کو سنکر ہٹ جائے گا یا اس احمق بے عمل آدمی کی جان بغیر عمل کئے صرف ان قولی الفاظ کہہ دینے سے بچ سکتی ہے ۔ اسی طرح سے مسلمان کی پناہ گاہ کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ کا قلعہ ہے ۔ مگر صرف زبانی لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرنا اور زور زور سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھتے رہنا اور اس کے مطابق عمل نہ کرنا بیکار اور بے سود ہے ۔ جبتک کہ کلمہ شریف لا الٰہ کے معنی کو نہ سمجھا جائے اور اس کے بموجب عمل نہ کیا جائے ۔ عمل کی حقیقت سمجھانے کے لئے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب سمجھایا ہے ۔ (مثنوی)

چوں در معنی زنی بازت کنند ۔ پر فکرت زن کہ شہبازت کنند

علماء یہود کی بدعملی

ہمارے علماء ۔ علمائے یہود کی بدعملی اور اس کے نتائج بد کا حال دن میں

کئی کئی بار پڑھتے رہتے ہیں۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے

(قرآن) نبذ فریق من الذین اوتوا الکتاب اللہ وراء ظہورھم کانھم لا یعلمون

یعنی جن لوگوں کو کتاب تورات دی گئی تھی۔ انہوں نے اللہ کی اس کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ اسے جانتے ہی نہیں۔

کیا آج از روئے عمل خود مسلمانوں کی بالکل وہی حالت نہیں بن گئی جیسی کہ اس زمانہ کے یہود کی تھی۔

نیز علمائے یہود کی علم آموزی اور بدعملی کی حقیقت کو قرآن نے ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے۔

مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا۔ بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللہ واللہ لا یھدی القوم الظالمین۔

اس آیت میں علمائے یہود کو بدعملیوں کے سبب ان کو "گدھا" کہا گیا ہے لیکن آج از روئے عمل اگر ہمارے علماء سو کی حالت بھی ایسی بری ہو جائے جیسی کہ اس زمانہ میں علمائے یہود کی تھی تو کیا ان پر اس آیت کا وہی اطلاق نہ ہوگا جو ان علمائے یہود پر ہوا تھا؟

اسی لئے اسلام نے عقائد سے زیادہ اعمال حسنہ پر زور دیا ہے۔ اگر فقط عقائد بلا عمل ہی کافی ہوتے تو حضور صلعم حضرت بی بی فاطمہؓ کو عمل کرنے کا حکم نہ کرتے۔ اس کے علاوہ خود حضورؐ کا ایمان اور آپ کے اعمال ملاحظہ ہوں باوجود ایسے قوی ایمان اور ایسی صحیح بشارت کے کہ (سیھزم الجمع و یولون الدبر) یعنی اے نبی تیرے دشمنوں کے سردار نیچا دیکھیں گے۔ اور

تیرے مقابل والوں (دشمنوں) کو ہزیمت ہوگی ۔ باوجود ایسے حتمی وعدوں کے بھی آپ کے عمل کا یہ حال ہے کہ آپ جنگوں میں فتح حاصل کرنے کیلئے شب و روز تیاری میں مصروف رہتے ہیں۔ بدن مبارک پر زرہ کھینچتے۔ مسلح رہتے فوج مرتب کرتے ۔ اس کے میمنہ اور میسرہ کی درستی میں لگے رہتے۔ راتوں کو جاگتے۔ خدا کی یاد میں اتنا کھڑے ہوتے کہ آپ کے پاؤں میں ورم آجاتا ۔ آپ کی زندگی کے ہر ہر قدم اور ہر موڑ پر عمل کا یہی عالم رہا۔

یہاں قدرتاً ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حضورؐ کو خدا کی طرف سے فتح کامیابی اور دشمنوں کی مغلوبی کے حتمی وعدے بھی کئے گئے تھے تو پھر حضورؐ کو ایسے قوی ایمان اور ایسے مضبوط الیقین فتح کے بعد زرہ پہننے کی کیا ضرورت تھی جنگوں میں جانے کی کیا ضرورت تھی ۔ اپنے اور ساتھیوں کا خون بہانے اپنے عزیز اور اقارب کو لڑائی میں جھونک دینے کی کونسی احتیاج تھی ۔ دراصل آنحضرت صلعم ہمیں ہماری زندگیوں کی دوڑ میں عمل پیہم عمل، جہد اور جفاکشی کی تعلیم دے رہے تھے ۔ اور اندروئے عمل مسلمانوں کو سمجھا رہے تھے کہ خواہ کسی کام کے اندر کامیابی کس قدر یقینی بھی کیوں نہ ہو پھر بھی سر توڑ عمل ۔ جدوجہد سے ہرگز باز نہیں آنا چاہیئے ۔

آج بدقسمتی سے مسلمانوں کے اندر عمل کا وہ جوش جذبہ جنوں باقی نہیں رہا ہم میں ہمارے بزرگوں نے چند باطل قسم کے عقائد ٹھونس دیئے ہیں۔ ان غلط عقیدوں نے ہمارے قوائے عملیہ کو مجروح کر دیا ہے ۔ ہماری قوت عمل بالکل سلب، بالکل مفلوج اور بالکل بیکار ہو چکی ہے ۔

وہ عقائد جنہوں نے مسلمانوں کو بیکار بنا ڈالا ہے

ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایمان بلا عمل جس کا ذکر گذر چکا ۔ اس کے علاوہ

اول علما کی گداگری۔ اور گھر گھر صبح و شام روٹی مانگ مانگ کر کھاتا ہے۔ دوئم بلا عمل نصائح فقط دعاؤں پر ہی آسرا کر کے بیکار زندگی گذارتا ہے سیوم شفاعت چہارم توکل تقدیر وغیرہ وغیرہ۔ ایسے عقائد ہیں یا جن کو صحیح طور سے نہ سمجھنے سے ہماری مسلم قوم بربادی کے گھاٹ اتر چکی ہے۔

اس قسم کی چند اور باتیں ہیں جن کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کے سبب سے مسلمانوں کی ہمتیں اور عزائم اس قدر پست اور مفلوج ہو چکے ہیں کہ وہ زندگی کی دوڑ میں کام کرنا اور عمل کے ذریعہ سے زندگی کے امور ضروریہ میں اپنے مقابل والوں سے بازی لیجانا ہمت اور استقلال کے جوہر دکھا کر کامیاب ہو جانے کی ان میں سکت ہی باقی نہیں رہی۔

کامیابی۔ فتح اور ہار جیت کے مواقع پر کام اور عمل کے بجائے مسلمان تعویذ گنڈوں کے کرنیوالے ملاّ کے پیچھے دوڑیں گے یا کسی پیر فقیر کے ہاں جا کر چڑھاوے چڑھائیں گے۔ دعائیں منگوا کر کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے یا تقدیر اور قسمت پر قانع ہو کر ہاتھ پہ ہاتھ رکھکر بیٹھ رہیں گے۔ لیکن عمل اور کام جس کی اسلام نے اور اس کے ہادی نے عملی تعلیم دی ہے اس کی طرف ہرگز راغب نہیں ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمان جس نے ایک سو سال کے قلیل عرصہ کے اندر جنوبی فرانس سے لیکر دہلی تک حکمرانی اور سلطنت کی ہے اور دنیا کے بیشتر حصہ پر اسلامی پرچم لہرایا ہے۔ آج زندگی کی تگ و دو میں ہر جگہ کمزور، ضعیف اور شکست خوردہ نظر آتا ہے۔

اس شکستہ حالی کا پس منظر یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ مسلمان قوم کے امام پیشوا اور لیڈر آج بھکاریوں۔ تکر گداؤں کی ایک جماعت بن گئی ہے۔ عمل کے

نقدان نے انہیں بیکار۔ سست اور غافل بنا ڈالا ہے۔ کل مسلم آبادی
کے کم از کم ⅓ یا ¼ حصے کا گذر اوقات صرف بھیک اور گداگری پر ہے۔

علما سو اور پیروں کی گداگری شریعت کے آئینہ میں

امام غزالیؒ احیاء العلوم کے باب فقر و زہد میں لکھتے ہیں

"پس امر تحقیق اس میں یہ ہے کہ سوال اصل میں حرام ہے اور کسی ضرورت یا حاجت مہم کے لئے جو ضرورت کے قریب ہو مباح ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس سے کوئی مفر موجود ہو تو حرام ہی رہے گا۔ اور اصل میں ہم نے سوال کرنے کو اس لئے حرام کہا ہے کہ اس میں تین باتیں حرام ضروری ہوتی ہیں۔

اول۔ سوال سے خدا تعالیٰ کی شکایت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ سوال کے معنی یہی ہیں کہ لوگوں کے پاس جا کر اپنی احتیاج ظاہر کرے اور اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر کم بتا دے۔ اسی کو شکایت کہتے ہیں۔ اس کی بالکل وہی مثال ہے جیسا کہ کسی کا غلام یا خادم اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی غیر سے سوال کرے اور اپنی احتیاج بیان کرے تو اس کا اس طرح سے سوال کرنا اپنے مالک کی شکایت کرنا ہے۔ بالکل اسی طرح سے جب کوئی مسلمان ماسوائے اللہ کے غیروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو اس سے خالق کی بے ادبی اور شکایت پائی جاتی ہے۔ اس لئے سوال کرنا یقیناً حرام ہے۔ اور بدوں ضرورت خاص کے ہرگز حلال نہیں ہونا چاہیے ضرورت کے وقت حلال ہونے کی تو یہ صورت ہے کہ بوقت ضرورت تو مردار کا کھانا بھی روا ہے (گویا بدوں ایسی ضرورت کے سوال حرام ہے)

دویم۔ سوال کرتے وقت سائل اپنے نفس کو ماسوائے خدا کے غیروں سامنے سوال کر کر کے ذلیل کرتا ہے اور کسی ایماندار کو جائز نہیں کہ خدا کے سوا

کسی دوسرے کے سامنے خود کو حقیر اور ذلیل کرے۔ . . . سوال کرنے میں ظاہر ہے کہ سائل بہ نسبت اس شخص کے جس سے کہ وہ سوال کر رہا ہے یقیناً ذلیل ہوتا ہے۔

سوئم ۔ سوال میں اکثر مسئول الیہ کو ایذا بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ بعض اوقات خیرات دینے والا بخوشی وبطیب خاطر دینے کے لئے رضامند نہیں ہوا کرتا۔ پس اگر سائل کی شرم سے یا ریا اور دکھاوے کے طور پر کچھ مجبوراً دیدیا تو وہ لینے والے پر حرام ہے ۔ اور اگر سائل کو کچھ نہ دے تو بھی شرمندگی ہوتی ہے اور دل میں کڑھتا رہتا ہے اور دل میں ایذا محسوس کرتا ہے ۔ کیونکہ دینے میں مال کا نقصان تصور کرتا ہے۔ اور اگر نہ دے تو شہرت اور نام پر بٹہ لگتا ہے یہ دونوں صورتیں اس کے لئے ایذا دہندہ ہیں۔ لہذا اس ایذا و شرمندگی کا موجب وہ سوال کنندہ ہی ٹھیرا ۔ خود ایذا (کسی مسلمان کو) دینا بھی بلا وجہ اور بلا ضرورت حرام ہے۔

اے ہدا ونہالم! حضرت امام غزالیؒ مانگنے اور سوال کرنے کی تیسری وجہ جیسا کہ اوپر عرض ہوا، محض کسی آدمی سے مانگنا اس لئے حرام قرار دیتے ہیں کہ مبادا خیرات دینے والا آدمی خیرات دیتے وقت اپنے دل میں کڑھے اور مبادا لوگوں کے شرم اور عار سے خیرات دیدے ۔ کیونکہ اگر نہ دے تو اسکی شہرت کو بٹا لگتا ہے تو اس مفروضہ ایذا کے سبب سے جو کہ خیرات دہندہ کو شاید محسوس ہو ایسی خیرات اور ایسے مانگنے کو حرام قرار دیتے ہیں ۔ لیکن آج امام موصوف آکر دیکھیں کہ ہمارا ملا کن کن اوچھے انداز اور کن کن دلچسپ طریقوں کے ساتھ قوم سے مدرسوں ۔ انجمنوں ۔ کانفرنسوں اور جلسوں کے نام پر روپیہ بٹور رہا ہے اور پھر کس طرح سے اس روپیہ کو اپنے ذاتی مصارف اور اپنے ذاتی مفاد پر خرچ

کررہا ہے۔

ان بزرگوں کے چندہ جمع کرنے کے عجیب گر اور عبرت آموز نمونے بطور مشتے نمونہ از خروارے درج ذیل کرتا ہوں۔

علمائے سو کی چندہ بازی

وفد بازی - یہ ظاہر ہے کہ لوگوں کی جیب سے ہوش و حواس کے باوجود پیسے نکلوانا درہ دانیاں کی تسخیر سے کچھ کم اہم کام نہیں۔ بڑی مشکل یہ ہوگی ہے کہ جن جلسوں میں چندے کی اپیل شامل ہو۔ روپیہ دینے والے لوگ ایسے جلسوں میں شامل ہونے سے عموماً گریز کرتے ہیں۔ لہذا چندہ وصول کرنے کے لئے بھی بڑے مرشد ہوتے ہیں۔ انہوں نے اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے کئی طریقے نکالے ہیں۔

اول۔ وفود بنائے جاتے ہیں تاکہ وہ انعقاد جلسہ سے پہلے موٹی موٹی آسامیوں کو لیکر خود پہنچ جائیں اور اس طرح سے عطیات کی وصولی کا سلسلہ گرم کریں۔ ایسے لوگ جن سے گھروں پر عطیات وصول کئے جاتے ہیں اکثر دیکھا گیا کہ ایسے لوگ اجلاس میں سب سے پہلے کرسیوں پر آ ڈٹتے ہیں تاکہ جلسہ کے اندر اپنی رقم اور عطیات کا اعلان سنیں۔

کرسی صدارت کی قیمت - مسلمانوں میں کسی زمانے میں صدارت کا معیار علم و فضل پر ہوتا تھا لیکن آجکل صدارت کی کرسی کا نیلام عام ہوتا ہے۔ جلسوں کی صدارت کے لئے بڑی کوشش اور بڑی تگ و دو سے کام لیا جاتا ہے اور کوشش کرکے کریم النفس اور بھولے بھالے صدر تلاش کئے جاتے ہیں ان صدارت کے خواہشمند بزرگوں کے ساتھ دلالوں کے ذریعہ سودا بازی کی جاتی ہے

ان سیدھے سادھے لوگوں کی جیبوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے ان کا پرجوش استقبال کیا جاتا ہے۔" زندہ باد مسٹر فلاں ابن فلاں" کے فلک شگاف نعروں سے اس بھولے بھالے سادہ لوح آدمی کے ہوش خوب گرما کر اس سے خلاف توقع رقومات وصول کی جاتی ہیں۔ کبھی اس کے اسلاف کی تعریف ہوتی ہے۔ کبھی اس کے خاندان کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا جاتا ہے۔ عموماً انہیں حاتم سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ آجکل چونکہ لوگوں پر ان گندم نما جو فروشوں کے ہتھکنڈے ظاہر ہو چکے ہیں اور ان کا راز فاش ہو گیا ہے لہذا عموماً لوگ اس طرح کی سودا بازی کی صدارت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جلسہ کو قبول عام بنانے کی کوشش ۔ عوام کو جلسہ گاہ کی طرف متوجہ کرنے کیلئے بالکل جداگانہ وسائل اختیار کئے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے رنگین پوسٹر اور خوبصورت اشتہارات چھپوائے جاتے ہیں۔ سڑکوں پر جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ بڑے خوشنما دروازے بنائے جاتے ہیں۔ دیواروں پر پھولوں اور قطعوں کی بڑی آرائش کی جاتی ہے۔ کہیں السلام علیکم کہیں خوش آمدید۔ کہیں ویلکم۔ کہیں کیا سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے۔ کہیں یتیموں کا واسطہ۔ کہیں تعلیم کی اہمیت جتائی جاتی ہے۔ بڑے بڑے جلوس نکالے جاتے ہیں جس میں لاریاں موٹر کاریں۔ اونٹ گاڑیاں۔ گھوڑے گاڑیاں وغیرہ کی لمبی لمبی قطاریں مزین کی جاتی ہیں۔ نعت خواں۔ رضاکار۔ قومی جھنڈے اٹھائے جاتے ہیں۔ تبلیغی کانفرنسوں کے ساتھ دنگلوں کا اعلان ہوتا ہے۔ پنجاب سے پہلوان منگوائے جاتے ہیں۔ الحمد للہ بلوچستان میں ابھی تک خرابی اس قدر طول نہیں کھینچ چکی۔ بڑے بڑے مشہور مقررین کو مدعو کیا جاتا ہے۔ بڑے نامور پیروں اور صوفیوں کو دعوت دی جاتی ہے حتیٰ کہ ان بزرگوں کو جلوس کا سفید ہاتھی بنایا جاتا ہے۔ بہر حال اس قسم کے صدہا اور طریقوں اور ترکیبوں سے عوام کو جلسوں کی طرف کھینچا جاتا ہے۔

یتیم کا پیسہ۔ چندہ گر اصحاب کے پاس چندہ کی وصولی کے کئی ایک طلسماتی گر اور کرتب ہیں۔ ان میں سے ایک ہے یتیم کا پیسہ۔ بیوہ عورت کی کانوں کی بالی یکسی مزدور کا پھٹا پرانا کرتہ! پیر صاحب کا جبہ۔ جلسہ گاہ کے اندر ایک بار یگر اٹھتا ہے۔ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسہ نکالتا ہے اور بڑے درد انگیز انداز اور نہایت کرخت اور اضطراب دہیجے کے ساتھ یہ اعلان کرتا ہے کہ حضرت امیر شریعت الحاج مولانا ... کے وعظ سے متاثر ہو کر اس معصوم اور یتیم بچے نے ایک پیسہ بطور چندہ پیش کیا ہے۔ اعلان کے الفاظ اس قدر دلگداز اور اتنے اضطراب انگیز ہوتے ہیں کہ ان کو سنتے ہی جیبوں کے چوڈ بخود بخود ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ پھر عجیب قسم کے طلسماتی رنگ میں مجمع عام کے اندر اس پیسے کی نیلامی ہوتی ہے اور اس طرح سے کافی روپیہ جمع ہو جاتا ہے۔

پیر صاحب کا جبہ۔ بعض اوقات پیر کا جبہ بھی ایسی انجمنوں اور ایسے جلسوں میں بہت بڑا کام دے جاتے ہیں۔ خوش عقیدہ قسم کے سادہ لوح لوگوں میں ایک عجیب قسم کا جوش و خروش پیدا ہو جاتا ہے۔ لوگ دیوانہ وار ہر طرف سے روپیہ پیسہ کی بارش برسانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ چندہ گر حضرات جلدی جلدی جزاک اللہ احسن الجزا کے نعروں کے ساتھ روپیہ بٹورنا شروع کر دیتے ہیں۔ پیر کا جبہ صور اسرافیل بنکر مردہ انجمنوں کے اندر ایک جوش اور ولولہ پیدا کر دیتا ہے۔ جلسہ گاہ کے اندر ایک گونہ تہلکہ مچ جاتا ہے۔

مشہور شعرا سے فائدہ۔ یہ چندہ گر حضرات مشہور شعرا شہرۂ آفاق مقررین اور واعظین کو دعوتیں دیکر ان کے اثر آفریں کلام کا خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کے پایۂ بزرگ شعرا کو دعوتیں دی جاتی ہیں اور بعض بعض شعرا کو ہزاروں روپے پیش کئے جاتے ہیں۔ تب جا کر

کیں وہ نظم شروع کرتے ہیں۔ بعض اوقات ایک عجیب قسم کا حربہ استعمال کیا جاتا مثلاً کسی خوش گلو اور خوش شکل شاعر کو کوئی عمدہ نظم پڑھنے کے لئے دی جاتی ہے جب مجمع خوب محظوظ اور مسرور ہو اور از خود رفتگی کے عالم میں محو نظر آجاتا ہے تو یہ جادو قسم کے چندہ باز حضرات اس خوش گلو دوست کو اشارہ کر کے نظم کا پڑھنا روک دیتے ہیں۔ مجمع میں شور و غل برپا ہو جاتا ہے۔ نظم کو مکمل پڑھنے پر جب لوگ زور دیتے ہیں تو یہ بزرگوار اٹھکر فرماتے لگتے ہیں۔ جب تک اس قدر رقم جمع نہیں ہو جاتی نظم نہیں پڑھی جائے گی۔ اس حیلے بہانے سے ہزاروں روپے جمع کئے جاتے ہیں۔ جب مقررین اور شعرا کا کھیل ختم ہو جاتا ہے تو پھر یہ بازی گر خود اسٹیج پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور اعلان شروع کر دیتے ہیں۔ میاں محمد الدین صاحب ٹھیکیدار حفیظ صاحب کی نظم پر دس روپیہ جناب چودھری عبد الغنی صاحب ٹھیکیدار امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی موثر تقریر پر بیس روپیہ۔ حتیٰ کہ ان اعلانات کے شوق میں عطیئے اور دو اور دو سو کی ایک موسلا دھار بارش برسنا شروع ہو جاتی ہے اور سیم و زر کے ڈھیر لگ جاتے ہیں۔

امام غزالیؒ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ جب ان تین خرابیوں کو جو سوال میں موجود ہیں معلوم کر لیا گیا تو یہ ارشاد آنحضرت صلعم کا کس قدر صحیح ہے کہ آپ فرماتے ہیں

(حدیث) مسالتہ الناس من الفواحش ما احل من الفواحش سواہ ۔ یعنی مانگنا یا سوال کرنا بڑے گناہوں میں سے ہے اس کے سوا بڑے گناہوں میں سے کوئی حلال نہیں۔

دیکھنا چاہیئے کہ آنحضرت صلعم نے مانگنے اور سوال کرنے کا نام فاحشہ رکھا یعنی بڑی خطا۔ (گناہ کبیرہ) اور ظاہر ہے کہ شریعت میں گناہ کبیرہ بدون ضرورت کے مباح نہیں ہوا کرتا۔ جیسا کہ شراب کا پینا۔ کہ اگر کسی کے گلے میں لقمہ پھنس جائے

اور اس کے پاس فقط شراب ہی اس وقت موجود ہو پانی وغیرہ کچھ نہو تو لقمہ اتارنے کے لئے اتنی مقدار کی شراب پینا جائز ہو جاتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی باوجود غنی ہوتے کے سوال کرے یا مانگے تو وہ اپنے لئے دوزخ کی چنگاریاں زیادہ کرتا ہے۔ (بروایت ابو داؤد و ابن حبان بروایت سہیل بن حنظلہ مختصراً)

اسی طرح ایک دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص سوال کرے۔ حالانکہ اس کے پاس اس قدر ہے۔ کہ اس کو کافی ہو۔ تو قیامت کے روز اسی طرح آوے گا کہ اس کا منہ ایک ہلتی ہوئی ہڈی ہوگی۔ جس پر کہ گوشت نہیں ہوگا۔ اور دوسری روایت میں یوں ہے کہ اس کا سوال اس کے منہ پر داغ اور نشان بنجائیگا (امام غزالیؒ لکھتے ہیں) کہ ان الفاظ سے صریح حرمت اور تشدد ثابت ہوتا ہے۔ اور آنحضرتؐ نے کچھ لوگوں سے بیعت مسلمان ہونے کی لی۔ اور ان سے سننے اور ماننے کی شرط کر لی۔ اور بعد میں ایک بہت چھوٹا سا جملہ فرما دیا۔ کہ لاتسئلوا الناس شیئاً یعنے لوگوں سے کچھ مت مانگا کرو۔ آنحضرت صلعم کا دستور تھا کہ اکثر سوال سے باز رہنے کا حکم فرمایا کرتے۔ نیز فرمایا استغنوا عن الناس وماقل من السوال فهو خیر۔ یعنے لوگوں سے سوال نہ کرنا۔ اور سوال جتنا بھی ہو کم ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ لوگوں نے سوال کیا کہ آپ سے سوال کرنا؟ آپنے فرمایا کہ مجھ سے بھی کم سوال کرنا بہتر ہے۔

حضرت عمرؓ نے ایک سائل کو سُنا کہ بعد مغرب کے سوال کرتا تھا۔ آپنے کسی ایک کو اس کی قوم میں سے فرمایا کہ اس کو کھانا کھلا دو۔ اس نے اس کو کھانا دے دیا۔ پھر آپ نے اس کو دوبارہ دیکھا کہ وہ مانگتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے کہا نہیں تھا۔ کہ اس کو کھانا دیدو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے اس کو کھانا کھلادیا

ہے۔ آپ نے سائل کی جھولی کو دیکھا تو روٹیوں سے بھری پڑی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ تو سائل نہیں ہے۔ بلکہ تو تاجر ہے۔ پھر اس کی روٹیاں اٹھا کر زکوٰۃ کے اونٹوں کے سامنے ڈالدیں۔ اور سائل کو کوڑے لگائے۔ پھر فرمایا بارے دیگر ایسا مت کرنا۔ پس اگر سوال حرام نہ ہوتا تو آپ اس کے درّے کیوں مار تے اس کی روٹیوں کی جھولی اس سے کیوں چھین لیتے۔

خود کو پارسا ظاہر کرکے خیراتیں بٹورنا حرام ہے

امام غزالیؒ احیاء العلوم کے اندر باب فقر و زہد میں لکھتے ہیں کہ کوئی شخص جھوٹ موٹ کہہ کر کہ میں حضرت علیؓ کی اولاد میں ہوں۔ اگر لوگوں سے کچھ مال یا خیرات لے لے۔ اس صورت میں ایسا شخص اس مال کا مالک (از روئے شریعت) نہیں ہوتا۔ یا کوئی صوفی اور نیک بخت بن کر اگر لوگوں سے مال لے لے۔ حالانکہ باطن میں وہ ایسا نہ ہو۔ اور تخلیہ میں جا کر وہ کوئی ایسا گناہ کا کام کرتا ہے۔ کہ اگر خیرات دہندوں کو معلوم ہو جائے۔ تو وہ اس کو اپنا مال (امام صاحبؒ لکھتے ہیں)" اور ہم کئی جگہ ایسا لکھ چکے ہیں کہ جو مال لوگ اس طرح سے لے لیتے ہیں۔ وہ اس مال کے (از روئے شرع) مالک نہیں ہوتے۔ وہ مال ان پر حرام ہے۔ اور واجب ہے کہ مال کے مالک کو واپس کر دیا جائے یعنے حکماً ایسے لوگوں سے مال چھین لینے کا حکم ہے۔"

کیا شرع کے احکام صرف پڑھنے پڑھانے اور گردان کے لئے ہیں۔ یا عمل کے لئے؟

آج نہ صرف پاکستان میں بلکہ عالم اسلام کے گوشے گوشے میں آپ کو

بڑی بڑی خانقاہیں۔ بڑے اونچے مینار۔ بڑی سجی سجائی ہوئی پھولوں اور چادروں سے لدی ہوئی قبریں ملیں گی۔ ان خانقاہوں کے متولی لاکھوں روپے کی سالانہ آمدنی رکھتے ہیں۔ رہائش کے لئے سجے سجائے عالیشان محلات ہیں۔ بڑی زرق برق پوشاکیں ہیں۔ سواری کے لئے بڑی بڑی قیمتی موٹر کاریں ہیں۔ انواع اقسام کی عیاشیاں ہورہی ہیں۔ ناچ رنگ میں شب وروز محو ہیں۔ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں مرید ہیں جورات دن ان کی بارگاہ میں سجدے کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی اللہ کا بندہ ایسا نہیں اٹھتا کہ انہیں جاکر روبرو امام غزالیؒ کا وہ فتویٰ شرعی سناتے اور انہیں علی الاعلان کہہ سکے۔ کہ شریعت میں تمہارا یہ مال جو تم نے درویشوں کی اولاد ہونے۔ صوفی اور اہل اللہ خود کو ظاہر کر کے لوگوں سے حاصل کیا ہے از روئے شرع آپ اس مال کے مالک نہیں ہیں۔ آپ کے یہ بنگلے۔ آپ کی یہ کاریں آپ کی مال و دولت سب آپ پر حرام ہے۔ ہمیں ایسی خانقاہیں اور ایسے متولی خانقاہ معلوم ہیں جن کے ہاں روزانہ نئی نئی طوائفیں آتی ہیں۔ محفل رقص وسرود گرم ہوتا ہے شراب اڑرہی ہوتی ہے۔ داشتہ عورتیں رکھی ہوئی ہیں۔ لیکن باوجود ایں ہمہ آلائشات آپ کی ولایت۔ کشف کرامت پر حرف گیری کرنا عین کفر کے مصداق سمجھا جاتا ہے سندھ کے ایک پیر صاحب کے بڑے بڑے سرداران بلوچستان مرید ہیں (ہم نہ ایسے پیر کا نام لینگے اور نہ مریدوں کا۔ کیونکہ یہ سب گناہ میں شمار ہے ورنہ ہمیں سب کے نام معلوم ہیں (مصنف) ایک دفعہ اس پیر صاحب کے ہاں شادی کے موقعہ پر آپ کے سردار مریدین تشریف لے گئے" تو ایک بڑے سردار صاحب کے قاضی نے جو میرا دوست تھا۔ اپنے سردار کی شان اور عزت کے گیت گاتے ہوئے۔ مجھے کہا کہ میرا سردار سارے سرداروں سے زیادہ عزت دار اور عالی رتبہ ہے۔ میں نے پوچھا کیسے ؟ تو قاضی صاحب نے فرمایا۔ کہ فلاں صاحب کے ہاں بلوچستان کے چند سردار

صاحبان مدعو تھے۔ پیر صاحب نے چار چار پانچ پانچ سرداروں کو رہنے کے لئے علیحدہ خیمہ دیا۔ اور ہر خیمہ والوں کی خوشنودی مزاج اور محفل رقص و سرود کے مشغلے کے لئے ایک ایک طوائف بھی مقرر کر دی گئی۔ لیکن اس قاضی صاحب نے کہا کہ اکیلے میرے ہی سردار صاحب کو ایک جدا خیمہ ملا تھا اور صرف آپ کے لئے ہی علیحدہ ایک طوائف مقرر ہوئی تھی (اناللہ وانا الیہ راجعون)

یہ ہیں آج کل کے پیر! اور یہ ہیں ان کے مرید! اور یہ ہیں ان کے روحانی فیض!

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ایسے پیر صاحبان نہ صرف عیاشیوں کے لئے مسلمانوں کا مال و دولت جمع کرتے ہیں۔ بلکہ ذاتی عداوتوں اور مقدمہ بازیوں پر ہزاروں نہیں لاکھوں روپیہ اڑایا جاتا ہے۔ تونسہ شریف کے پیر صاحبان کی مقدمہ بازی تاریخی شہرت رکھتی ہے۔ یہ مقدمہ کئی برس تک صرف اس بات پر لڑا جاتا رہا کہ دو چچیرے بھائیوں میں کون سا حضرت صاحب کے مصلے پر کھڑا ہو اور بڑا پیر صاحب تصور کیا جائے۔ یہ مقدمہ کئی برس تک (مشترکہ) ہندوستان کی عدالتوں میں چلتا رہا لیکن اپیل در اپیل کے سلسلہ نے اتنا طول کھینچا۔ کہ آخر الامر شرعی نوعیت کا یہ مقدمہ باہمی ضد۔ ہٹ دھرمی کے سبب چلتے چلتے لندن تک جا پہنچا۔ اور پریوی کونسل میں سالہا سال تک چلتا رہا۔ لاکھوں روپے ہر فریق نے انگریز وکلائے لنڈن کی نذر کئے۔ لیکن ایک بھی

علماء سو کی قابل ملامت خاموشی

ایسا عالم پیدا نہ ہوا کہ وہ اٹھتا۔ اور ان دونوں بزرگوں کے سامنے ان کی شرعی خلاف ورزیاں بیان کرتا۔ اور ان کے جاہل مریدوں کے آگے ایسے جاہل پیروں کی ضدیت اور جہالت کی قلعی کھول دیتا۔ بلکہ اس کے برعکس ہزاروں ملا مولوی ایسے بھی تھے

جو ان پیروں کے مُرید ہوا خواہ اور خادم بنے ہوتے ان کے حق میں فتوے دیتے رہے۔

علما سوء کا قصور

ہمیں جہاں ایسے پیروں سے شکایت ہے۔ اس سے زیادہ دُکھ ان علما سے ہے کہ جو ایسی شرعی خلاف ورزیاں سنتے ہیں دیکھتے ہیں۔ لیکن لب ہلانے کی جرأت نہیں کرتے۔ ان کی حق گوئی کی قوت سلب ہو جاتی ہے۔ وہ اپنا فرض منصبی بھول جاتے ہیں۔ صرف ترنقے اور حلوے کی پلیٹ تک ان کا مقصد زیست محدود ہو چکا ہوتا ہے۔ ان کو برائی کے مٹانے۔ یا برائیوں کے خلاف کچھ بولنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ بلکہ غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ ایسے نافرض شناس ملا۔ اپنی فقہ دانی۔ اپنی زور تحریر اور اپنی مشق فتویٰ کی ساری قوت اپنے متعلقہ پیر یا اپنے شہر کے وڈیرے یا سردار کی حمایت میں لگا دیتے ہیں۔ دو وڈیروں میں کسی شرعی میراث وغیرہ کا جھگڑا ہو جاتے تو ہر ایک کا ملا اپنے متعلقہ وڈیرے کے حق میں فتویٰ کا مضمون خود اپنے وڈیرے کے صلاح اور مشورے سے تیار کرتا ہے۔ اپنی پارٹی کے ملاؤں سے اس پر مہریں ثبت کراتا ہے۔ اس طرح سے اس عداوت اور دشمنی کی آگ پر پانی کے بجائے پٹرول کے ٹین بھر بھر کرا نا ڈیل دیتا ہے اور اس طرح سے اپنا حق نمک ادا کرتا رہتا ہے۔

وکیل علما سوء کا اعتراض

جب میں اپنی تقریر میں یوں بہا چلا جا رہا تھا تو وکیل علماء سو نے دربار قدسی کی طرف اشارہ کر کے کہا اے رب العالمین یہ شخص اپنی حدود سے کتنا تجاوز کر رہا ہے۔ مُلا۔ مولوی تو ہدف ملامت تھے ہی اب تو یہ بڑے بڑے گدی نشینوں

اور لاکھوں مُریدوں کے روحانی پیشواؤں کے بھی بخیئے ادھیڑنے کے در پے ہوگیا ہے۔

دربار رب العالمین کی طرف سے مجھے غیر متعلقہ چیزوں کے ذکر سے باز آجانے کا حکم ہوا۔ تو میں نے سجدۂ ادب بجالا کر عرض کیا کہ اے الہٰ العالمین۔ یقیناً میں اپنی حدود سے کسی قدر متجاوز ہوتا جا رہا ہوں۔ پیروں کے متعلق میں نے ایک علیحدہ کتاب (بلشرط زندگی) لکھنے کا عزم بالجزم کیا ہوا ہے۔ لیکن اس وقت ان کی خلاف شرع زندگی کا اس لئے تھوڑا سا ذکر کرنا پڑ گیا تاکہ علماء کی حق ناپسندی اور خلاف شرع امور کو دیکھ کر "صمٌ بکمٌ" ہونے کی حقیقت بیان کی جائے ورنہ اس وقت یقیناً پیروں کے متعلق کچھ ذکر کرنا میرا مقصد نہیں تھا۔

عُلماءِ سو کی بیجا خاموشی کا مقصد؟

علما سو کی اس بیجا خاموشی کا ہی ایک مقصد ہے اور ایک معنے ہے۔ علما سو کیا ساری ملائیت (الا ماشا اللہ) کا ذریعہ معاش آج گداگری اور ٹکڑے مانگ مانگ کر کھانے پر ہے۔ ایک دہلی کی شاہی مسجد کے امام سے لیکر ایک گاؤں کی ٹوٹی ہوئی مسجد کے ملا تک سب کا گذر اوقات اس وقت لوگوں کے گھروں سے روٹی اور سالن مانگ مانگ کر کھانے پر ہے۔ ایک عالم جس کا اپنا پیٹ اس وقت حرام کے ٹکڑوں سے (سوال حرام ہے) بھرا ہوا ہو۔ اس میں یہ جرأت یہ روحانی قوت کہاں سے آسکتی ہے؟ کہ وہ اٹھے اور دوسروں کو بھیک مانگ کر کھانے سے روکے۔ ایک شرابی جس کے منہ سے ابھی شراب کا پیالہ ہٹا نہ ہو اس سے شراب کی بدبو کی لپٹیں آرہی ہوں۔ وہ کس طرح ایک دوسرے شخص کو شراب پینے سے منع کر سکتا ہے؟

این خانہ ہمہ آفتاب است

ایک مجرم دوسرے مجرم کو کیسے نصیحت کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آجکل کے وعظ اور نصیحت کی مجالس میں مسلمانوں کو ان کے روز مرہ کے معاملات کے متعلق کچھ نہیں سمجھایا جاتا۔ حالانکہ آج ہماری سوسائیٹی کا فرد فرد بدکاریوں میں ڈوبا پڑا ہے فضول رسموں کے اندر مسلمانوں کا روپیہ اڑ رہا ہے کافرانہ اور مشرکانہ رسوم آج تک مسلمانوں کے اندر جاری ہیں۔ لڑکا پیدا ہوا۔ تو ناچ رنگ میں قرض لے کر روپیہ اڑایا جاتا ہے۔ ختنہ بالکل ایک معمولی کام ہے لیکن اس پر بھی خوشی کیا خانہ بربادی کے سامان فراہم کئے جاتے ہیں ہم نے کسی مجلس وعظ کے اندر کسی مولوی صاحب کو کبھی یہ کہتے نہیں سنا کہ ختنہ کا سنت طریق کیا ہے۔ کہ ایک قابل جراح بلا کر ختنہ کرائیے ختنے کے زخم کا عمدہ علاج کیجئے۔ زخم اچھا ہو جائے تو شکرانہ کے نفل پڑھئے۔ یتیموں۔ بیواؤں۔ اور محتاجوں کو کچھ صدقات اگر توفیق ہو۔ تو دیا کیجئے اور ہم نے کسی مولوی صاحب کی مجلس وعظ میں کبھی یہ نہیں سنا کہ ختنے کے موقعہ پر طوائفیں منگوا کر ناچ رنگ کرانا یا باجے بجانا۔ روپیہ بے رحمی کے ساتھ لٹا کر مفلس ہو جانا قرض اور سود پر روپیہ لے لے کر اڑانا گناہ ہے۔ عوام کو ایسی محفلوں میں جانے سے آج تک کسی نے نہیں روکا نہ اس قسم کا ایک لفظ کسی واعظ کی زبان پر بھولے سے بھی کبھی آگیا ہوگا۔ کہ شریعت میں ایسے ختنے اور ایسی شادیاں منع ہیں۔ امام حسن رض حسین رض کا ختنہ کیسا ہوا؟ بی بی فاطمہ رض اور شیر خدا کی شادی کیسی ہوئی اس میں حضور سرور عالم صلعم نے کیا طریقہ اختیار کیا تھا کتنا خرچ کیا تھا۔ مسلمانوں کو کبھی علماء ان تباہ کاریوں کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہتے ہیں۔ بلکہ خود ما بدولت ہر ایسی محفل میں شریک ہوتے ہیں

اگر میرے جیسے کسی نادان نے کچھ اعتراض بھی کیا۔ تو جواز اور شرعی حیلے بہانے تلاش کر کے جواب دینے کے لئے حضرت مولوی صاحب ہی بلائے جاتے ہیں۔

کیا مُلّا کا یہ کام نہیں

کیا مسجدوں میں بیکار بیٹھ کر جوتیں مارنے والے اس مُلّا کا یہ فرض نہیں کہ وہ شادی نکاح کی فضول رسوم موت اور تجہیز و تکفین کے خلاف شرع بدعات "بسم اللہ" "جہیز" مرنے کے بعد کی دعوت وغیرہ سے جاہل مسلمانوں کو روکے۔ مرنے کے بعد متوفی کے گھر کا کھانا ازروئے شرع تین دن کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان مسلمان کہلانے والے بندگان رسم ورواجات کا عجب حال ہے شادی بیاہ ہو تب فضول اخراجات اور دعوتیں ہوتی ہیں۔ موت ہو، تب چائے، پان اور گوشت پلاؤ کی مکلف دعوتیں ہوتی ہیں ایک طرف تو متوفی کے مرجانے سے اس کے گھر میں گریہ وزاری آہ و بکا اور ماتم کا ایک عالم برپا ہوتا ہے۔ تو دوسری طرف آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے متوفی کے یہ عزیز واقارب بیچارے دعوتوں اور کھانا پکانے کی فکر میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ امیر تو خیر گھر کا روپیہ اڑاتے ہیں۔ لیکن غریبوں کی عجیب حالت ہوتی ہے ادھر کفن کے لئے روپیہ گھر میں نہیں ہوتا ادھر مُلّا جی کی قرآن بخشی اور خیرات اور دعوتوں کا ایک اور فسادگلے پڑ رہا ہے۔ اس غمزدہ گھرانے کے ساتھ کسی کو ہمدردی نہیں۔ نہ مہمانوں کو ان کی حالتِ زار پر کچھ ترس آتا ہے اور نہ مُلّا کو بلکہ مُلّا کی زبان پر تو فالج ہی گر چکا ہے وہ صرف روپیہ بٹورنے کے درپے ہے ایسے نازک موقعہ پر مسلمانوں کو عملی وعظ اور کارآمد باتیں بتانے کا وقت تھا۔ مشکل یہ ہے کہ مُلّا اگر لوگوں کو ایسی رسوم سے منع کرتا ہے تو خود اس کو بھی کچھ نہیں ملتا۔ اس کی بلا سے کوئی تکلیف میں ہو یا راحت میں۔ کسی کا گھر لٹے اس کا کیا بگڑتا ہے اس کو تو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے ہاں البتہ کسی جلسے جلوس کا موقع ہو تو پھر وعظ گوئی کے لئے مولوی صاحب

کو تقریر بازی کا بڑا شوق ابھر آتا ہے۔ آپ انجمن کے سیکرٹری سے تخلیہ میں جا کر ملاقاتیں کرتے ہیں، تقریر کے لئے وقت مانگنے کی بڑی کوشش فرماتے ہیں۔ بعض اوقات اگر منتظمین آپ کو تقریر کا موقع نہ دیں تو آپ خود بخود عصا ہاتھ میں لئے اسٹیج پر آدھمکتے ہیں۔ کبھی تو منتظمین جلسہ پر برستے ہیں اور کبھی دوسرے واعظین پر حملہ کرتے ہیں۔ اور اگر کسی نے بدقسمتی سے آپ کو بیٹھ جانے کے لئے کہہ دیا تو پھر اس کی خیر نہیں خوب دل کھول کر تبرے سناتے ہیں۔ غصے میں کو دپھاند کا ایک عجیب تماشا اور منظر پیش کرتے ہیں۔ کبھی گالیاں بکتے ہیں۔ کبھی جھاگ بہاتے ہیں۔ بیٹھنے کو کہو تو پناہ بخدا آمادہ فساد ہو جاتے ہیں۔ لیکن اصل مواعظ کے موافقہ پر جیسا کہ اوپر عرض ہوا اس کی زبان کو سانپ ڈس جاتا ہے۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکتا بلکہ جو کچھ خلاف شرع امور ہو رہے ہوں۔ عملاً آپ ان میں خود شامل ہو جاتے ہیں اور اس طرح سے جہلا اور عوام کے لئے اپنی شمولیت سے ایک حجت قائم کر دیتے ہیں۔

مسلمان گداگروں کی بہتات؟

اے خداوند عالم۔ ہم نے تیری شریعت کے اندر سوال کرنے۔ گداگری اور بھیک مانگنے کے اندر احیا العلوم سے حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا شرعی فتوےٰ پیش کیا ہے۔ جس میں گداگری اور بھیک مانگنے کے عدم جواز پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے علما سو ان کی حرمت اور گداگری کی ناروائیت کو جانتے ہوئے بھی شب و روز خود بھی گداگری میں مصروف ہیں۔ نہ قرآن کی آیات ان کے اس کردار کو روک سکتی ہیں نہ اسوۂ رسول صلعم ان کو گداگری سے مانع ہوتا ہے۔ نہ سلف صالحین کے نیکوکار بزرگوں کا طور طریق ان کی روک بن سکتا ہے

آج ہمارا ہر مولوی (الّا ماشاء اللہ) ایک بھیک منگا گداگر ہوتا ہے۔ جب کہ وہ خود دردر سے ٹکڑے مانگ مانگ کر گذر اوقات کرتا ہو۔ تو اس سے یہ امید کرنا کہ وہ دوسرے لوگوں کو گداگری کے کام سے یا بھیک مانگنے کے احساسات سے کس طرح روک سکے گا یہ توقع بالکل خلاف قیاس ہے۔ ہمارے علما کی اس خستہ حالی کا نتیجہ ہے کہ آج ہماری قوم کا تیسرا یا چوتھا حصہ پیشہ ورانہ طور پر بھیک منگا اور بھکڑ گداگر بن گیا ہے ایک مغربی سیّاح جب ہمارے بڑے شہروں کی گلی کوچوں میں بھیک منگوں کے غول کے غول دیکھتا ہے تو اس کو صدقات اور خیرات کے مضر اخلاق ہونے اور اسلام کے اندر یہ ایک نقص معلوم ہوتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسلام نے خیرات اور سوال کو جائز قرار دیکر ساری قوم کو گداگر بنا دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں اسلام کے اندر سوال کی حرمت آئی ہے۔ حتےٰ کہ جب لوگوں نے حضرت رسول اکرم ؐ سے سنا کہ (حدیث) لاتسائل الناس شیئاً لوگوں سے کوئی سوال مت کرو۔ تو کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ صحابہ کرامؓ نے سوال کی حرمت پر یہاں تک عمل کیا۔ کہ خلفائے راشدین میں سے ایک بزرگ کا بوقت سواری چابک ہاتھ سے گر گیا۔ تو آپ نے کسی کو یہ کہنا گوارا نہ کیا کہ انہیں چابک اٹھا کر دیا جائے (کیونکہ یہی لاتسائل الناس کے زمرے میں آتا ہے) بلکہ خود گھوڑے سے اُترے اور اتر کر اپنا چابک خود اٹھالیا اور پھر گھوڑے پر سوار ہو گئے۔

مُلّا کی گداگری

گداگری کی یہ موجودہ تحریب خود ہمارے علماء اور پیروں کی پیدا کردہ ہے ان مفت خوروں نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور دو وقت پکی پکائی روٹی مانگ مانگ کر کھانے کے عادی پیشہ مجرم بن گئے ہیں۔ ہمارے اپنے گاؤں کے مُلّا کا قصّہ

کہ مُلا کو خود ہم نے بوقت بٹائی غلہ دے دیا اور ہم نے اس کو کہا کہ اس روز و شب کی بھیک مانگ کر کھانے سے آپ کی خودداری۔ عزت نفس اور ضمیر مُردہ ہو جائے گی۔ آپ اس قبیح رسم کو چھوڑ دیں۔ غلہ گھر میں رکھیں اور خود شریف لوگوں کی طرح سے گھر میں روٹی پکا کر کھاتے رہیں۔ بیچارا مُلا تو مان گیا لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کی بی بی ہمارے گھر آئی۔ وہ روتی سسکیاں لیتی اور کہتی تھی کہ "خدا ہم پر ناراض ہے"۔ پوچھا گیا کہ کیوں؟ تو اس نے اور روکر کہا کہ وہ ساری زندگی بھر پکی پکائی روٹی اور سالن کھاتی رہی ہے۔ اب خدا کا غضب دیکھو کہ ہمیں کہا جاتا ہے کہ خود آٹا گوندھو۔ خود آگ جلاؤ اور خود ہی روٹی پکاؤ اور کھاؤ۔ یقیناً ایسا ہونا ایک مُلا اور ایک امام کیلئے اگر خدا کا غضب نہیں تو اور کیا ہے؟

ہمارے مُلا کی یہ ذہنیت آج ساری قوم کے لئے ایک نمونہ بن گئی ہے۔ مسلمان کی اس بیکاری آوارہ حالی کی ذمہ داری مُلا اور معطی (یعنی خیرات دہندہ) دونوں پر پڑتی ہے۔ معطی اگر خیرات دیکھ بھال کر شریعت کے مطابق دیتا تو یہ طوفان گداگری ہرگز ہرگز برپا نہ ہوتا اور مُلا اس لئے ذمہ دار ہے کہ اس نے اہل علم ہوتے ہوئے بھیک مانگ کر کھایا اور ٹھکر گدائی کی شرمندگی اور احساس کمتری کو پسند کیا ہے اور اپنی زبان عمل سے اس بھیک مانگ کر کھانے کو حلال بنا دیا ہے۔ آپ ہر روز وعظ سنتے ہیں۔ بڑی بڑی فصیح اور بلیغ تقریریں ہوتی ہیں۔ اقبالؒ اور مولانا رومؒ کی مثنوی کے اشعار گا گا کر لوگوں کو رونے رُلانے کی کوششیں ہوتی رہتی ہیں، دماغی عیاشی کے سارے ذرائع مہیا کئے جاتے ہیں۔ لیکن کبھی بھی واعظ سے آپ نے گداگری اور بھیک مانگنے کی قباحت کا یقیناً کبھی ذکر تک نہیں سُنا ہوگا ذکر کریں تو کیسے؟ جب کہ خود ما بدولت کی ایک ایک ڈکار کے اندر دس دس گھروں کی روٹی سالن اور مرچ مصالحہ کی بو باس کی گرم گرم لپٹیں آ رہی ہوتی ہیں۔

میں ایک دفعہ کسی اپنے دوست مُلّا کا مہمان ہوا

بدقسمتی سے زندگی بھر میں صرف ایک دفعہ میں کسی ایک مُلّا کا مہمان ہوا۔ مسجد میں بیٹھے رہے اور جھولی والے ٹکڑوں اور سالن کی انتظار ہوتی رہی۔ کچھ دیر کے بعد جب روٹی آئی تو جھولی سے مُلّاجی کچھ سالن کچھ روٹی نکالتے اور طالبعلم سے پوچھتے جاتے یہ کس کے گھر کی روٹی ہے؟ فلاں خاں صاحب کے گھر سے عمدہ قیمہ آیا کرتا ہے وہ برتن کہاں ہے؟ آخر گوناگوں دال اور قسما قسم کی سبزی کی نیرنگیاں دیکھنے میں آئیں۔ میں نے بفضل خدا چونکہ کبھی بھی بھیک کے ٹکڑے نہیں کھائے تھے۔ میری غیرت نے مجھے اجازت نہ دی کہ میں ان در در سے مانگے ہوئے ریزے مکھیوں کی طرح سے چاٹتا یا کھاتا جاؤں لیکن بیچارے مولوی صاحب میری خاطر تواضع کے خیال سے ہر برتن میں ہاتھ ڈالتے اور اس کو چکھتے اور پھر میرے سامنے رکھتے۔ اور کہتے یہ فلاں حاجی صاحب کے گھر کا گوشت ہے خوب مزے دار پکا ہوا ہے۔ یہ فلاں خانصاحب کے ہاں سے حلوہ آیا ہے ذرا اس کا مزہ دیکھئے گا۔ لیکن ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں ان میں سے کچھ بھی نہ کھا سکا۔ مجھے اپنے دلمیں بڑی شرم اور حیا آرہی تھی کہ ایک اچھا بھلا آدمی ہو کر تو در در سے آئے ہوئے یہ ٹکڑے گداگروں کی طرح سے کیسے کھا رہا ہے؟ لیکن مولوی صاحب میرے ان احساسات باطنی کو نہیں سمجھ سکے وہ بیچارے ازراہ عنایت بار بار یہ کہتے میاں کھاؤ تو کیوں نہیں کھاتے ہو؟ کیوں خیر تو ہے؟ کہیں طبیعت ناساز تو نہیں ہے؟ وغیرہ وغیرہ

افسوس اگر مسلمان بھی اپنی خیرات اور صدقات کو یورپ والوں کی طرح کسی خاص ترتیب اور تنظیم کے تحت لے آتے تو ہماری قوم سے گداگری کی علت ضرور نکل جاتی۔ لیکن کہے کون ؟ جبکہ ہمارے علماء۔ اور پیر خود گداگر ہیں۔ وہ کب ایسی اصلاحات کو پسند کرتے ہیں۔ بلکہ اگر میرے جیسے کسی ہیچمدان کی زبان سے گداگری کے نقائص اور ضرر کا بیان سُن پائیں تو شاید کفر کا فری تک بھی نوبت پہنچا دیں۔

غیرت اور گداگری

ہاں البتہ اگر ہمارے قومی درد رکھنے والے مصلحین قوم اور علمائے حقانی لوگوں کے اندر عزت نفس۔ خودداری اور غیرت کے مُردہ جذبات کو ابھارنا چاہیں اور ان میں احساس زیاں پیدا کریں انہیں سمجھائیں کہ اس گداگری نے ہماری قوم کے ایک معتد بہ حصّے کو بیکار معطل اور اپاہج بنا دیا ہے تو امید ہو سکتی ہے کہ لوگ ضرور گداگری سے نفرت کرینگے۔ لیکن دراصل ان گداگروں (یعنی گدّی نشین) نے ہماری قوم کو زیادہ مفلوج کیا ہوا ہے کہ جو لاکھوں روپے کی سالانہ آمدنی ہونے ہوئے پیر اور روحانی پیشوا بن کر غریب اور نادار مسلمانوں کو مختلف مختلف ناموں سے اور انواع اقسام کے حیلوں بہانوں سے لوٹ رہے ہیں ان کا کوئی علاج نہیں یہ سب لوگ بلائے بے درماں کی طرح یا جونکوں کی طرح سے کمزور مسلمان کے خون پر پلنے کے عادی بن گئے ہیں۔ اے خداوند عالم اس کا علاج ہماری سمجھ اور قوت سے باہر ہے۔ آپ خود مسبب الاسباب ہیں۔ اگر آپ ہمارے اندر کوئی مصطفےٰ کمال پیدا کر دیں تو شاید اس کا کوئی عِلاج ہو سکے یا ہمارے خداوندان پاکستان کے دِل و دماغ کے اندر اس مرض کا کوئی موثر

علاج ہو تو پھر بھی شاید ہماری اصلاح ہو سکے، ورنہ یہ کام ہم بے بسوں، بے بسوں اور غریبوں کے بس کا روگ نہیں۔

حکومت اور بادشاہی کا فائدہ؟

اسلام نے عیسائیت اور ہندو ازم وغیرہ جو گیانہ مذاہب کے برخلاف حکومت کی ضرورت اسی لئے محسوس کی تھی کیونکہ برائیوں کو ہٹانے اور نیکی کو رواج دینے کیلئے قوّت اور طاقت کا ہونا سخت ضروری چیز ہوتا ہے۔ ایک کمزور آدمی بُرائی کو ہرگز ہٹا نہیں سکتا۔ محض نصیحت اور روکھے پھیکے لیکچروں سے کچھ فائدہ مرتب نہیں ہو سکتا، جب تک کہ ناصح کی پشت پر قوت تنفیذ نہ ہو۔ ایک آدمی دن کو دوپہر کے وقت اٹھ کر اگر کہتا ہے کہ یہ رات ہے تو آپ اس کو ہرگز قائل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ دیدہ دانستہ انکار پر کمر باندھ چکا ہے

ڈنڈا پیر ایسے مواقع پر جو کام ڈنڈے سے نکلتا ہے وہ حکمت اور موعظت سے ہرگز نہیں نکل سکتا۔ پنجابی زبان میں ایک ضرب المثل مشہور ہے "ڈنڈا پیر وگڑیاں تگڑیاں دا" یعنی جان بوجھ کر انکار کرنے اور بگڑ بیٹھنے والوں کا پیر یعنی راہ نما۔ یا راستہ دکھانے والا ڈنڈا ہی ہوا کرتا ہے۔ ایسے شوریدہ سروں کا علاج اور کچھ بھی نہیں۔

حکومت کا فرض

ہمیں اعتراف ہے کہ ہماری حکومتِ پاکستان کو آج خلاف معمول دفاع کے کاموں اور ذمہ داریوں کی پیچیدہ دشواریاں درپیش ہیں اور حکومت کو باقی کاموں کی بہ نسبت یقیناً بہت زیادہ توجہ اس طرف کو مبذول کرنی پڑتی ہے۔ یہ سب

کچھ صحیح اور دُرست۔ لیکن وہ کونسی ایسی حکومت ہے کہ جس کو اپنی سرحدات اور اپنے دفاع کا فکر نہ ہو۔ سرحدات اور دفاع کا کام تو نہ کبھی ختم ہوا ہے۔ اور نہ ہو گا۔ تو کیا اس کے معنے یہ ہوں گے کہ ہماری داخلی اصلاحات ہماری تعلیمی اور فکری قدریں ہمیشہ جوں کی توں تشنۂ تکمیل رہا کرینگی؟

عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کا عہدِ حکومت

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جن کو اسلامی تواریخ میں عمر ثانی کے نام سے پکارا گیا ہے جس نے صرف ڈھائی برس حکومت کی ہے ایسے مختصر سے دور حکومت کے اندر حضرت عمر ثانیؒ نے جو جو اصلاحی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ اس کی شہادت تاریخ کے اوراق سے اچھی طرح ملتی ہے۔ کیا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی حکومت کو جس نے صرف اڑھائی برس کے عرصے کے اندر اس قدر عظیم کارہائے نمایاں انجام دیئے، اپنی دفاع اور سرحدات کا فکر لاحق نہیں ہوگا۔ ہوگا اور یقیناً ہوگا۔ اس لئے ہماری حکومتِ خداداد پاکستان کو بھی مناسب ہے کہ دفاع کے انتظامات کے ساتھ ساتھ داخلی اصلاحات کی طرف بھی پوری پوری توجہ منعطف کرے۔

قوم کا خون چُوسنے والی جونکیں

ہماری حکومت کا فرض ہے کہ دفاع کے ساتھ ہی داخلی اصلاحات کا کام بھی ہاتھ میں لے لے۔ قومی ترقی کی راہ میں یہ راہزن پیر اور یہ نمائشی مُلّا ایک فولادی بند بن کر ترقی کا راستہ روک رہے ہیں۔ کوئی غلط کار مولوی اور کوئی نمائشی پیر ہرگز یہ نہیں چاہے گا کہ اس کے مُرید اور معتقدین زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوں

اور ان کی بصارت اور بصیرت کی آنکھیں روشن ہوں کیونکہ روشنی ان کے مفاد کے خلاف جاتی ہے۔ چور اور ڈاکو عموماً راتوں کے اندھیروں میں چھپ چھپ کر ڈاکے ڈالتے ہیں۔ ایسے شپرہ چشم لوگوں کے لئے روشنی سے اندھیرا بدرجہا بہتر ہوا کرتا ہے

(مثنوی)

چوں محک پنہاں شد است از مرد وزن　　　در صف آ اے قلب اکنوں راہزن

یعنے آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ آج کل کسوٹی چھپ گئی ہے پس اے کھوٹے سکے اب تیری باری ہے۔ نکل اور اپنا کام کر اور خوب لوگوں کی راہزنی کرتا رہ۔

قلب میگوید ز نخوت ہر دلم　　　اے زر خالص من از تو کے کم

یعنے کسوٹی ہی ایک ایسی چیز ہے۔ کہ جو کھوٹے کو کھرے سے نکھیڑ دیتی ہے۔ لیکن اب جبکہ کسوٹی ہی باقی نہیں رہی۔ تو کھوٹے سکے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ غرور کے ساتھ "زر خالص" یعنے خالص سونے کو پکار پکار کر کہے کہ میں تجھ سے ہرگز کم نہیں ہوں۔

زر ہمے گوید بلے اے خواجہ تاش　　　لیک مے آید محک آمدہ باش

یعنے زر خالص یا کھرا سکا کھوٹے سکے کو جواب دیتا ہے کہ حضرت یہ تو سچ ہے کہ بوجہ کسوٹی نہ ہونے کے تجھ میں اور مجھ میں کوئی تمیز نہیں کر سکتا لیکن ایسا کبھی نہ ہوگا۔ کہ تا زیست کسوٹی دنیا سے گم ہو جائے ذرا دم لے۔ تھوڑا صبر کر کسوٹی ابھی ابھی آیا چاہتی ہے۔ اس کی آمد پر یہ سارا جھگڑا ختم ہو جائیگا۔ اور میرا تیرا فیصلہ ہو کر رہے گا۔

اچھّی حکومت؟

اچھی حکومتیں بمنزلہ کسوٹی کے ہوا کرتی ہیں جن کا کام کھرے کو کھوٹے سے۔ سچے کو جھوٹے سے ظالم

کو مظلوم سے۔ بیگناہوں کو بدکاروں سے، اپنے انصاف اور عدل کے ذریعے نکھیڑ نکھیڑ کر علیحدہ کرنا ہے۔ اس لئے ہماری حکومت کا اولین فرض ہے کہ اوّل توبموجب فتوئے حضرت امام غزالیؒ جس کا کہ اوپر ذکر ہوا۔ جس میں لکھا ہے کہ ازروئے شرع کوئی صوفی، کوئی مُلّا، کوئی پیر، کوئی فقیر جس نے بظاہر ولایت کا چغہ اوڑھ کر یا تصوف اور پیری کا ڈھونگ رچا کر لوگوں سے روپیہ بٹور بٹور کر زمین۔ جائداد۔ بنگلے۔ سونا چاندی جمع کیا ہو۔ لیکن در اصل اس کا باطن اس کے ظاہر سے خراب ہو۔ علم و عمل اور فقیری کا دعوےٰ اور نمائش کر کے جس نے روپیہ لوگوں سے بٹورا ہو اور غائبانہ "کار دیگرے کنند" کے بمصداق وہ ایسا نیک پارسا ثابت نہ ہو جیسا کہ اس نے لوگوں پر ظاہر کیا تھا تو ایسے روپیہ سے خریدی ہوئی جائداد وغیرہ ازروئے شرع اس کی ملک نہیں ہوگی ہر حکومت وقت کو اختیار ہے کہ ایسے لوگوں کی ایسی جائداد بحق سرکار ضبط کر لیں۔ اگرچہ ازروئے شرع ہماری حکومت کو ایسا کرنے کا اختیار تو ہے۔ لیکن ہمیں ہرگز یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہماری حکومت ایسے نازک موقع پر کوئی بھی ایسا مضبوط عملی قدم لے گی اور اگر بفرض محال ہماری حکومت آج ایسا قدم اٹھانے کو تیار نہ ہو تو کم از کم آئندہ کے لئے گداگری اور ایسی نمائشی پیری مریدی کے کاموں کو تو روک دینا چاہیئے جھوٹی پیری مریدی کے بجائے علمائے ربانی کے گروہ کی حوصلہ افزائی کر کے لوگوں کو قرآن اور رسول اللہ صلعم کی پیروی کے لئے آمادہ کیا جائے اور قرن اولےٰ کے خوش نصیب لوگوں کا گذرا ہوا دور واپس لانے کی کوشش کی جائے۔

علماء کی ٹکر گدائی کو بند کرنا چاہیئے

باقی رہے علماء، حکومت کو چاہیئے کہ ان کے معمولی گذر اوقات کیلئے وظیفے مقرر کردے۔ اور انکی بھیک مانگ کر ٹکڑے ریزے جمع کر کے کھانے کے مذموم رواج کو خلاف قانون قرار دیکر فوراً بند کر دیا جائے۔ ان کے حیلے بہانے سے گنڈوں اور تعویذوں کے نام سے لوگوں سے روپیہ لینے کو دہوکہ بازی قرار دے دیا جائے۔ جس طرح کہ حکومتِ ترکی نے کیا ہے۔

علماء کو وظیفے دینے سے ہمارا مطلب یہ نہیں کہ گداگری کی ایک قباحت کو بند کر کے مفت خوری، خانہ نشینی اور مکاری و تعطل کی دوسری چند اور قباحتیں پیدا کر دی جائیں۔ نہیں بلکہ ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ مساجد کے اماموں کی تنخواہیں مقرر کر کے اس علاقے یا گاؤں یا محلوں کے بچوں کو تعلیم اسلامی دینے کی ذمہ داری ان پر ڈالدی جائے۔ ملاؤں کی اس دیہاتی تعلیم کے لئے ملا انسپکٹر علیحدہ مقرر ہوں جو کہ باقاعدہ گشت کر کے نیک و بد کی اطلاع دیا کریں۔ جیسا کہ سرکاری اسکولوں کا آج کل رواج ہے اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ یہ ٹکر گدائی کا رذیل پیشہ ختم ہو جائیگا اور دوسرا یہ کہ لوگوں میں اسلامی تعلیم عام ہو جائیگی۔

حکومت خدا کی بڑی نعمت ہے اسکا فائدہ اٹھانا چاہیئے

لہذا سلطنت اور حکومت جو کہ خدا کی بڑی نعمت ہے اس کا ہماری حکومت خداداد پاکستان کو پورا پورا فائدہ حاصل کرنیکی بہت جلد کوشش کرنی چاہیئے۔ بقول کسے (شعر)

کار کن کار۔ بگذر از گفتار
وندرین کار کار باید کار

وکیل علماء سو کا اعتراض

وکیل علماء سو نے بگڑ کر کہا۔ اے خداوندِ عالم اس شخص کی حالت کس قدر قابل افسوس ہے کہ وہ نہ ہندو پر اعتراض کرتا ہے نہ نصاریٰ پر۔ نہ یہود پر نہ مجوس اور آتش پرست پر۔ اگر اسکو اعتراض کی سوجھتی ہے تو کس پر اپنے علماء، اپنے پیش رو اور اپنے ملاؤں پر! ہندوؤں کو دیکھو باوجود ہر طرح کے فسق اور فجور کے اپنے پنڈت کی کتنی عزت کرتے ہیں اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ ماتھا ٹیکتے ہیں اسی طرح ایک نصاریٰ اپنی فادر (Father.) یعنی پادری کی تمام برائیوں کو جاننے کے باوجود اس کی کتنی عزت کرتا ہے۔ لیکن اس شخص کا یہ حال ہے کہ اس کو نہ ہندو پر اعتراض سوجھتا ہے نہ انگریز پر لے دے کر اس کو اپنے علماء سے دشمنی ہے۔

میں نے کہا اے الہ العالمین مجھے جتنی محبت اپنے مذہب سے ہے، اپنے قرآن سے ہے، اپنی مسجد سے ہے، اپنے امام سے ہے، اتنی محبت نہ مجھے ہندو ٹھاکر سے ہے، نہ پنڈت سے، نہ ان کے مذہبی مقامات سے۔ اس لئے میں اپنی قوم کی اصلاح اور اپنے اماموں کی درستی کے درپے ہوں، جسکو بدقسمتی سے یہ وکیل صاحب بغض بتاتے ہیں، وکیل صاحب نے یہ نہیں سوچا کہ ایک طرف مسجد ہو اور دوسری جانب ہندوؤں کا مندر اور دونوں کو اگر خدانخواستہ بیک وقت آگ لگ جائے تو کیا کوئی مسلمان ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ مسجد کو جلتا ہوا چھوڑ کر انگریزوں کے گرجے اور ہندوؤں کے ٹھاکر دوارے کی آگ بجھانے کو دوڑے گا۔ یہ میرے اعتراضات بغض سے نہیں بلکہ محبت کے باعث ہیں۔ اعتراض، اعتراض نہیں ہیں بلکہ اصلاحی قسم کے دوستانہ مشورے ہیں۔ جس طرح کہ ایک وقت حضرت مولانا روم کی مثنوی کے اشعار پر جب کہ لوگوں نے اعتراض کیا تو حضرت نے اُن کے اعتراض کا جواب یہ دیا تھا۔ (مثنوی)

شعر من شعر نیست اقلیم است : ہزل من ہزل نیست تعلیم است

آپ نے فرمایا۔ لوگو! تم جو میرے اشعار پر اعتراض کرتے ہو یہ تمہاری سمجھ

کا قصور ہے۔ میرے شعر معمولی شعر نہیں ہیں بلکہ برابر ایک ایک شعر ایک علیحدہ سلطنت ہے اور ایک اقلیم ہے۔ دوسرے مصرعہ میں آپ فرماتے ہیں۔ کہ یہ جو میرے شعروں کے اندر تم کو ہزل یعنے تمسخر یا ظرافت کی قسم کے اشعار ملتے ہیں ان کو نہ ہزل سمجھو اور نہ تمسخر اور ظرافت۔ بلکہ میرا یہ تمسخر نما کلام اگر تم اس کو بغور پڑھو تو اس کے اندر تمہاری بہتری کی تعلیم ہے۔

اے خداوند عالم۔ اس وکیل صاحب کے اعتراض پر میرا بھی ہو بہو دہی جواب ہے جو حضرت مولانا روم ؒ نے اپنے معترضین کو دیا تھا۔

اے خداوند عالم کسی قوم کی ترقی کی مثال بالکل ایک عمدہ گھڑی سے دیجا سکتی ہے ایک گھڑی خواہ وہ کتنی قیمتی گھڑی کیوں نہ ہو کتنے مشہور کارخانے کی بنی ہوئی گھڑی کیوں نہ ہو۔ جب تک اسکا ایک ایک پرزہ صحیح سالم نہ ہوگا۔ جب تک اسکا ایک ایک پرزہ ٹھیک طرح سے اپنا اپنا کام سرانجام نہیں دیگا۔ وہ گھڑی اچھا وقت ہرگز نہیں دے سکتی اور بازار میں اچھی قیمت پر ہرگز نہیں بک سکتی اپنے ملک اور اپنے کارخانو کی شہرت کا باعث ہرگز نہیں بن سکتی۔ یہی حال ہے ہماری مسجد کے ملّا سے لیکر ایک بڑے سرمایہ دار ایک بڑے حاکم اعلیٰ تک کا کہ جب تک یہ سب لوگ اپنا اپنا فرض منصبی اچھی طرح سے ادا نہیں کرینگے ملک اور ملک کے باشندے ہرگز ایک صحیح حریت اور فارغ البالی کی زندگی ہرگز گذار نہیں سکینگے۔ اس لئے میں ملّا پر اعتراض کسی تخریبی نیت سے نہیں بلکہ تعمیری نیت سے کرتا ہوں۔ کسی دشمنی یا بغض کی نیت سے نہیں بلکہ محبت اور مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کی نیت سے کرتا ہوں۔

اے خداوند عالم تو نیتوں کو دیکھتا ہے اور تیری نظر باطن پر ہوتی ہے جیسا کہ مثنوی میں لکھا ہے (شعر) ما درون را بنگریم و حال را نے بیرون را بنگریم وقال را

(باب) علما سو کی وعظ گوئی

امام غزالیؒ احیاالعلوم کی جلد اول باب علم کے بیان میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "واذکر فان الذکری تنفع المومنین یعنے" اور سمجھاتا رہ کہ سمجھانا یعنے وعظ ونصیحت کرنا کام آتا ہے یعنے فائدہ بخشتا ہے۔ ایمان والوں کو۔"

امام صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں کہ فی زمانہ اس ذکر و تذکیر کو لوگوں نے فضول باتیں اور لیے قصے کہانیوں کا نام ذکر تذکیر رکھ دیا ہے کہ جس کو زمانہ حال کے واعظ مدام بیان کرتے رہتے ہیں یعنے بے سود قصے۔ اشعار شطحیات اور طامات وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ ذکر و تذکیر اور وعظ و نصیحت کے اندر قصے کہانیاں بدعت میں شمار ہوتی ہیں۔ اور حضرات اکابر سلف نے قصہ گوؤں کے پاس بیٹھنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابن ماجہ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے۔ کہ قصے آنحضرت صلعم کے وقت میں نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ فتنہ پیدا ہوا اور قصہ گو نکل آئے اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز وہ مسجد سے نکلے اور فرمانے لگے کہ مجھے قصہ گو نے ہی مسجد سے نکالا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتا تو میں مسجد سے نہ نکلتا۔ اور حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوریؒ سے کہا۔ کہ آیا ہم لوگ قصہ گوؤں کی طرف منہ پھیر کر قصے سنیں یا نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بدعتیوں کی طرف سے پیٹھ پھیر لیا کرو۔ اور ابن عونؒ کہتے ہیں کہ میں ابن سیرینؒ کے پاس گیا۔ اور عرض کیا۔ کہ آج بادشاہ کا قصہ گوؤں کو قصہ گوئی سے منع کرنا کچھ اچھا نہ ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ امیر کو بہتر توفیق ملی یعنے اس نے اچھا کیا کہ ان کو منع کر دیا۔

ایک دفعہ حضرت اعمشؒ بصرہ کی جامع مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ ایک شخص بیان کر رہا ہے اور کہہ رہا ہے۔ کہ ہمیں اعمش نے روایت کی۔ اعمش نے

روایت سن کر حیران ہو گئے۔ اور حلقۂ وعظ کے اندر گھس گئے (اور تمسخراً یا طنزاً) اور اپنی بغل کے بال اکھاڑنے لگ گئے۔ تو واعظ نے کہا میاں تمہیں شرم نہیں آتی کہ مجلس وعظ کے اندر ایسی بیجا حرکت کر رہے ہو۔ اعمشؒ نے کہا۔ کہ میں کیوں شرم کروں۔ میں تو امر مسنون کر رہا ہوں۔ اور تو جھوٹ بک رہا ہے۔ تو کہتا ہے کہ اعمشؒ نے مجھ سے روایت کی ہے۔ حالانکہ اعمشؒ تو میں ہوں۔ تم کہو کہ میں نے تم سے کب یہ روایت کی تھی۔ اسی طرح سے احمدؒ کا ارشاد کہ سب لوگوں میں زیادہ جھوٹے قصہ گو اور بھیک مانگنے والے ہیں۔"

زمانہ حال کے واعظین کا حال

لیکن آج کل کی مجلس وعظ کا یہ حال ہے کہ علماء سو میں ایک گروہ وعظ کو اپنا ذریعہ معاش بنائے ہوئے ہے وعظ فی سبیل اللہ کا طریقہ اور ہے۔ لیکن ان نمائشی واعظین کا وعظ بالکل ایک دیہاتی ناٹک کی قسم کا نمائشی میلہ ہوتا ہے۔ فی زمانہ وعظ کے ساتھ کچھ گانے والے اجرتی لوگ ہوتے ہیں۔ جو نعت خوانی کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں رقت اور نرمی پیدا کرتے ہیں اور کچھ رونے والے کچھ نعرے اور تکبیریں لگانے والے لیکن دراصل یہ سارے اجرتی ہوا کرتے ہیں۔ عموماً یہ لوگ جمعہ کے دن کا انتظار کرتے رہتے ہیں۔ جمعہ کی نماز پڑھنے والے غریب نمازیوں کو یہ واعظین بزور اپنے قابو میں کر لیتے ہیں۔ کیوں کہ ایک نمازی مجبور ہے کہ اختتام نماز تک مسجد میں رہے یہ علماء سو کی قسم کے ناٹکی واعظ صاحب عموماً نماز سے پہلے خطبہ کے وقت ممبر پر چڑھ کر تقریر شروع کر دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ اگر خطبہ ہو گیا اور نماز ختم ہو گئی، تو لوگ بھاگ جانے کی کوشش کریں گے اور پھر مولوی صاحب کی مجلس وعظ بے رونق رہ جائے گی۔ اس لئے وہ عموماً نماز سے پہلے انھیں دلبوچ

لیتے ہیں۔ پھر اگر جماعت کی طرف سے نماز کے متعلق کوئی منچلا آواز اٹھاتا بھی ہے۔ تو یہ حضرات اس پر برس پڑتے ہیں۔ قہر درویش برجان درویش بچارے نمازی لوگ بالکل بغیر رسیوں کے بندھے ہوئے بیٹھے رہتے ہیں۔ جب کبھی امام صاحب کو رحم آجاتا ہے۔ تو پھر کہیں خدا خدا کر کے واعظ صاحب ممبر سے نیچے اترتے ہیں۔ لیکن اترنے سے پہلے اعلان کرا دیتے ہیں کہ نماز کے بعد حضرت فلاں مولوی صاحب وعظ فرمائیں گے۔ لیکن ایسے واعظین کے عمل کی حالت وہ ہے کہ جس کا اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ان لفظوں میں خاکہ کھینچا ہے۔ (شعر)

واعظ ما چشم بر بت خانہ دوخت
مفتیٔ دین مبیں فتویٰ فروخت
چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما
رخ سوئے بت خانہ دارد پیر ما

کم علم یاوہ گو واعظین

ہمارے زمانہ کے کم علم واعظین کی حالت خود واعظین کرام میں سے حافظ احمد سعید مشہور رکن جمعیت العلماء ہند کی زبان سے سنئے۔

مولانا حافظ احمد سعید دہلوی اپنی ایک تصنیف میں کسی واعظ مولوی صاحب کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ ایک مولوی صاحب ہمارے ہاں دہلی میں آیا کرتے تھے۔ گانا بہت اچھا جانتے تھے۔ جھوٹی روایتیں ان کو بہت یاد تھیں۔ سامعین کو ہنسانے اور رلانے میں کمال رکھتے تھے۔ چونکہ گاتے بہت اچھا تھے۔ اس لئے جاہل ان کو بہت بڑا مولوی سمجھتے تھے۔ وہ اپنے جھوٹے قصے بیان کر کے کہا کرتے تھے کہ یہ واقعات امام نووی نے اپنی مسلم شریف میں

بیان کئے ہیں۔ اور صحیح مسلم کی نسبت امام نووی کی طرف کیا کرتے تھے۔ اور نووی دال سے بروزن بودی کہا کرتے تھے اسی طرح ایک صاحب اور تھے۔ وہ بھی بڑے قصاص اور کذاب تھے۔ وہ کہا کرتے تھے سورہ مثنوی شریف میں درج ہے یعنی حضرت عارف رومیؒ کی مثنوی شریف کو قرآن کی سورۃ سمجھتے تھے، باندے کے ضلع کے ایک جاہل واعظ نے بیان کیا۔ جب نبی کریمؐ کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا تو دونوں ٹکڑے آسمان سے اتر کر حضورؐ کے گریبان میں داخل ہوئے۔ چاند کا ایک ٹکڑا ایک آستین سے نکل گیا، اور دوسرا دوسری آستین سے نکل گیا۔ اور اس کم بخت نے اس واقعہ کو قرآن میں بتایا

(ع) چہ دلا دراست دزدے کہ بکف چراغ دارد

ایک صاحب نے کہا قرآن میں لکھا ہے کہ تمام انبیاء علیہ السلام کو حضرت پیران پیرؒ نے دنیا میں بھیجا ہے۔ ایک میلاد خواں نے اپنے میلاد میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے مناقب میں بیان کیا۔ کہ حضورؐ جب معراج میں تشریف لے گئے تو عرش پر چڑھنے میں بڑی دشواری ہوئی حضورؐ نے بڑی کوشش فرمائی مگر (معاذ اللہ) ناکام رہے۔ جب حضرت پیران پیر نے اپنے کندھے کا سہارا دیا تو آپ ان کے کندھے پر سوار ہو کر عرش پر چڑھ گئے۔ اور اس نے اس واقعہ کو بیان کر کے کہا۔ کہ یہ حدیث بخاری شریف میں آئی ہے۔

علماء سو پر ہمارا طریق تنقید؟

ہم نے علماء سو کے متعلق کافی حد تک ذاتی رائے سے پرہیز کیا ہے ماسوا ذاتی مشاہدات اور چشم دید واقعات کے ہمنے اگر علمی نقطہ نظر سے کبھی علماء

کے افکار اور کردار پر کوئی تنقید کی ہے تو حتی الوسع قرآن۔ حدیث اور اکابر سلف کے اقوال بالخصوص حجتہ الاسلام امام غزالیؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی تصنیفات کو پیش نظر رکھا ہے اور اسی طرح اپنے ذاتی ذمہ داری سے بچنے اور علماء سو کے تمام گریز کے راستے اور حیل و حجت کی تمام راہیں روک دینے کے لئے احیاء العلوم کی جلد باب اور فصل وغیرہ کا بھی تفصیل کے ساتھ کھول کھول کر حوالے دیتے ہیں۔ تاکہ اگر کوئی صاحب اپنی تسلی کرنا چاہیں تو اصل کتب حوالہ سے اس کا مقابلہ کر کے اطمینان کر سکتے ہیں۔

وعظ میں گریہ امام غزالیؒ احیاء العلوم جلد سوئم باب جاہ دنیا میں لکھتے ہیں کہ: وعظ و تدریس روایت حدیث مسند کے عالی کا بھی یہی حال ہے یعنے جن چیزوں سے کہ جاہ۔ شہرت اور عزت بڑھتی ہے ان کی آفت اور مضرات بھی مثل آفت سلطنت اور حکومت کے ہے۔ اسی لئے اکابر سلف جب تک اس سے مفر دلینے بھاگنے کی راہ پاتے تھے۔ تب تک عموماً فتاویٰ کی ذمہ داری کو اپنے سر سے ٹال دینے کی کوشش کرتے۔ ان بزرگوں کا کہنا ہے کہ "حدثنا" کا لفظ منہ سے نکالنا۔ گویا کہ دنیاداری کی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔ اور جو شخص کہ یہ لفظ اپنے منہ سے کہتا ہے وہ گویا کہ یوں کہہ رہا ہے کہ "لوگو۔ میری عزت اور قدر و توقیر کرو۔"

آگے چلکر آپ لکھتے ہیں۔

وعظ میں گریہ اور رونا دھونا ایک واعظ اپنے وعظ میں جو لوگوں کے دلوں پر تاثیر اور گریہ کا بازار گرم دیکھتا ہے۔ اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف پاتا ہے تو اس سے واعظ کے دل پر وہ ذوق اور لذت آجاتی ہے کہ اس کی برابری دنیا

جہان کی کوئی بھی دوسری لذت نہیں کر سکتی۔ جب یہ لذت واعظ پر غالب آجاتی ہے تو قدرتاً واعظ کی طبیعت یہ چاہتی ہے کہ اپنے وعظ میں ایسے ایسے چکنے چپڑے شیریں اشعار اور الفاظ کہتا جائے کہ جو عوام اور سامعین کے دلوں کو اور زیادہ اس کی طرف راغب اور مائل کریں۔

وعظ گوئی کی آفت

جب اس کی طبیعت اس طرف مائل ہو جاتی ہے تو وہ حق گوئی اور امر معروف کے بلند درجے سے گر جاتا ہے، اس کی نظریں خالق سے ہٹکر اپنی طرح کی ادنی مخلوق کی خوشنودی کے درپئے ہو جاتی ہیں۔ جب واعظ کی توجہ کا محور خوشنودی خلق ہو جاتا ہے، تو واعظ راہ حق سے بالکل دور جا پڑتا ہے۔ عوام جس بات کو پسند کرتے ہیں وہ بھی ان باتوں کو پسند کرنے لگتا ہے، جو چیز عوام کو ناپسند ہوتی ہے وہ بھی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اس طرح گویا کہ اس کی نظر قرآن حدیث اور اکابر سلف کی راہوں سے ہٹکر عوام کے ذوق کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ اس مقام پر پہونچکر واعظ صاحب بہ ہمت تمام عوام کے قلوب کو مسخر کرنے کے درپئے ہو جاتا ہے۔ اب واعظ صاحب کی کوشش عموماً یہ ہوتی ہے کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالے کہ جس کو عوام ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہوں۔ اور کوئی ایسا کلام یا ایسا شعر و سخن اس سے رہ نہ جائے کہ جو عوام کی خوشی اور "زندہ باد" کے نعروں میں موجب ازدیاد نہو۔ اس طرح اس کی تقریر کرنے کا منشا بہت پست ہو جاتا ہے، وہ کوئی بھی اچھی بات اچھی نیت کے ساتھ بیان نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا ہر قول اور ہر فعل لوگوں کی خوشنودی رضامندی۔ واہ۔ واہ اور زندہ باد کے لئے ہوا کرتا ہے۔

الغرض یہ کہ وعظ گوئی کے اندر جہاں اعلیٰ مفاد مضمر ہیں وہاں اس کے اندر کئی قسم کے مضرات اور مفاسد بھی پوشیدہ ہیں۔ لہٰذا وہ لوگ کہ جو وعظ گوئی دین اور شریعت کی خاطر کرتے ہیں۔ انہیں ان چیزوں کو بھی ضرور ملحوظ رکھنا چاہئیے۔ کیونکہ وعظ کے اندر ریاکاری کا سخت خطرہ ہوتا ہے۔ اور ریا کو شریعت میں شرک خفی کہتے ہیں۔ جو کہ بمنزلہ کفر کے ہے، خدا محفوظ کرے۔

وعظ گوئی کی آفتوں کا علاج

امام غزالیؒ آگے چل کر لکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ کہ جن کی طبیعتوں پر وعظ گوئی کے اندر اقتدار۔ فخر۔ وریائی" زندہ باد" کے نعروں۔ اللہ اکبر کے نعروں کی خوشی غالب آگئی ہو۔ اور وہ وعظ محض اسی نیت سے کرتے ہوں، حتیٰ کہ ان کی نیت بالکل بدل گئی ہو۔ اور وہ دین کے بدلے دنیا کمانے کے درپے ہوچکے ہوں۔ اور اس اخلاقی مرض کا علاج کرنا چاہتے ہوں۔ تو ان کو چاہئیے کہ وعظ گوئی کے اندر جو خواہشات نفسانی کارفرما ہیں ان کے خلاف جہاد کریں۔ اور ارادہ وعظ گوئی کو منسوخ کردیں۔ جب تک ان کے نفس سے جاہ ونمائش وریاکاری کے ان امراض کا کلی استیصال نہ ہوجائے۔ اور ان کا نفس ریاضت کش ہوکر دین کے کاموں میں پکا نہ ہوجائے۔ اور ان کے دلوں سے وہ فتنہ جو کہ پہلے محسوس ہوتا تھا بخوبی ٹل نہ جائے۔

ہاں البتہ اگر ریاکاری اور نمائش کے خطرات رفع دفع ہوجائیں تو وہ پھر وعظ شروع کرسکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔

بندش وعظ گوئی کی مثال قرن اوّل میں

امام غزالیؒ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ وعظ گوئی سے منع کرنے پر اگر کسی کو اعتراض ہے تو دیکھو خود حضرت عمرؓ نے جب ابی بن کعبؓ

کے پیچھے پیچھے بہت سے لوگوں کا گروہ چلتے دیکھا تو آپ نے ان کو پیٹا اور اس سے منع کیا حالانکہ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ ابی بن کعبؓ مسلمانوں کے سردار ہیں۔ اور وہ کلام مجید ان کو سنایا کرتے تھے۔ باوجود ایں ہمہ لوگوں کا آپ کے پیچھے چلنا ناپسند دکھائی دیا۔ اور آپ نے ان کو اس سے منع فرمایا۔ نیز حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے پیچھے چلنے میں متبوع (یعنے آگے آگے چلنے والے پر) فتنہ ہے اور خود تابع (یعنے پیچھے چلنے والوں) کی ذلت ہے۔

نمائشی قسم کے واعظین کو جلاوطن کردینا چاہیئے

امام غزالیؒ نمائشی قسم کے برے واعظوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ "جو جو بدعتیں کہ اس زمانے کے واعظوں نے ایجاد کی ہیں۔ یہ برے واعظین چکنے چپڑے کلمات بولتے ہیں الفاظ شعروں کے اندر گاتے ہیں۔ یعنے ایسا وعظ کرتے ہیں۔ کہ اس میں نہ دین کا کوئی فائدہ ہے اور نہ ہی دنیا کا اور نہ ہی مسلمانوں کو خوف دلاتے ہیں بلکہ شفاعت وغیرہ کے ایسے ایسے دور از کار وعظ کرتے ہیں کہ ان سے لوگوں کو گناہوں پر اور زیادہ جرات و دلیری پیدا ہوتی ہے۔ ایسے واعظین کو جلاوطن کرنا واجب ہے۔

واعظین جو کہ شیطان کے قائم مقام اور نائب دجّال ہیں۔

امام غزالیؒ احیا العلوم جلد سوئم باب جاہ وریا کی مذمت کے سلسلے میں لکھتے ہیں "ایسے واعظین دجّال کے نائب ہیں اور شیطان کے قائم مقام۔ یہ ان واعظوں کے متعلق ہے کہ جن کا وعظ بھی اچھا ہو۔ وہ خود بھی بظاہر اچھے ہوں مگر باطن

میں محبت جاہ۔ شہرت۔ نام آوری کے سوائے اور کچھ مقصود نہ ہو اور جو جو وعید کہ ہم نے باب العلم میں بڑے بڑے عالموں کے حق میں لکھی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو علم کے فتنوں سے پوری طرح پرہیز کرنا چاہیئے۔

علماء سو کی مثال ایک چھلنی کی طرح ہے

احیاء العلوم کے اسی باب میں امام غزالیؒ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "حضرت عیسیٰ نے یوں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اے میرے عالمو۔ تم روزہ نماز اور صدقہ تو بجا لاتے ہو۔ لیکن جو کام لوگوں کو کرنے کے لئے کہتے ہو خود نہیں کرتے یہ بات بہت خراب ہے۔ زبانوں سے توبہ توبہ کرتے رہتے ہو۔ لیکن ہوائے نفسانی کے بموجب عمل کرتے ہو۔ کہو تو کہ اس سے کیا کام نکلے گا کہ بدنوں کو تو صاف کر لیا کرتے ہو۔ اور دلوں کو بدستور ناپاک رکھتے ہو۔ سچ کہتا ہوں۔ کہ اے علماء سو تم چھلنی کی طرح مت بنو کہ جس سے اچھا آٹا تو نیچے گر جاتا ہے۔ صرف بھوسی ہی بھوسی اس کے اندر رہ جاتی ہے تمہارا بھی بالکل یہی حال بن گیا ہے۔ کہ اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہتے ہو۔ لیکن سینوں میں کدورت بھری رہتی ہے۔ اے دنیا کے بندو بھلا وہ شخص کس طرح سے آخرت کو پائے گا۔ کہ جس سے نہ دنیا کی شہوت منقطع ہو۔ اور نہ اس کی رغبتیں اور خواہشیں کم ہوں۔ سچ کہتا ہوں کہ تمہارے قلوب تمہارے برے عملوں سے روتے ہیں۔ دنیا کو تم نے نوک زبان بنا رکھا ہے اور عملوں کو پاؤں تلے روندتے ہو۔ دنیا کی بہتری سے تم نے اپنے دینوں کو بگاڑ رکھا ہے۔ تمہارے نزدیک دنیا دی کاروبار

سنورنا۔ عاقبت کے سنورنے سے بہتر ہے۔ اگر غور اور تامل کر کے دیکھو تو تم سے زیادہ کوئی بھی کمینہ نہیں ہوگا۔ تمہارا ابرا ہو تم کب تک اندھیرے میں چلنے والوں کو راستہ بتاؤ گے۔ اور خود گمراہوں کے محلے میں کھڑے رہو گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غور کر کے دیکھو کہ اگر چراغ کسی گھر کی چھت پر رکھدیا جائے۔ تو کیا کوئی اندھیرا گھر اس سے روشن ہو سکتا ہے بالکل اسی طرح اگر نور علم کی باتیں تمہارے نوک زبان ہوں۔ اور دل اسی طرح سے اجڑے ہوئے۔ اور تاریک ہوں۔ تو تم کو ایسے علم سے کیا فائدہ ہو گا۔"

غلط کار واعظ

ایک غلط کار واعظ کی مثال آگ کی طرح ہے کہ جو خود بھی جلتی ہے اور اوروں کو بھی پھونکدیتی ہے۔ غالباً اسی قسم کے لوگوں کو حضرت امیر عمرؓ نے مخاطب ہو کر کہا ہو گا۔ جیساکہ احیاء العلوم جلد سوئم باب کبر و عجب کے اندر لکھا ہے کہ

"حضرت امیر عمرؓ نے فرمایا۔ کہ اے لوگو تم عالم جابر مت بنو۔ کہ تمہارے تمام عمل تمہارے جہل کے برابر بھی نہ ہوں۔ نیز حضرت تمیم داریؓ نے حضرت عمرؓ سے وعظ گوئی کی اجازت چاہی۔ تو آپ نے ان کو منع فرمایا۔ اور کہا کہ یہ امر مثل ذبح کے ہے (یعنے وعظ گوئی کے اندر چونکہ انسان میں ریاکاری نمائش۔ کبر اور غرور آجاتا ہے۔ جو کہ بمنزلہ روحانی موت کے ہے) اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص نے آپ سے بعد نماز صبح وعظ کہنے کی اجازت چاہی۔ تو حضرت امیر عمرؓ نے فرمایا۔ کہ مجھے یہ خوف ہے کہ تو پھول کر ثریا تک نہ پہونچ جائے۔"

ایک عالم کو عالم کہنے سے غرور اور کبر پیدا ہو جاتا ہے

امام غزالیؒ چونکہ اہل دل تھے اس لئے آپ کو

کبر اور عجب کے اندر کس قدر خطرناک محسوس ہوتا تھا۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔
"حقیقت یہ ہے کہ صفحۂ دنیا پر ایسے شخص کا وجود کمیاب ہے کہ اس کو لوگ مولوی صاحب۔ یا حضرت صاحب کہکر پکاریں اور اس کی رگِ نفس حرکت میں نہ آئے۔ آگے چل کر امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں کوئی ایسا شخص موجود ہو۔ تو وہ اپنے زمانے کا "صدیق" ہے۔ ایسے شخص کو ہرگز چھوڑنا نہ چاہیئے۔ ایسے لوگوں کی زیارت سے ضرور مستفید ہونے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں کہ قطع نظر استفادہ کے ایسے بزرگوں کا فقط دیکھ لینا ہی "عبادت" ہے۔" سبحان اللہ امام صاحبؒ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "ہم کو تو اگر اس طرح کا کوئی شخص "چین" میں سنائی دے۔ تو ہم اس کی خدمت میں وہاں بھی حاضر ہوں تاکہ اس کی برکت، سیرت اور فضیلت سے بہرہ حاصل کریں۔ مگر افسوس کہ اس آخری زمانے میں ایسا عالِم کہاں؟ وہ بزرگ کہ جو اقبال اور دولت والے ہو گذرے ہیں وہ سب قرن اوّل و دوئم میں ختم ہو چکے ہیں۔"

آپ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں (یعنے امام صاحب اپنے زمانے کے متعلق فرماتے ہیں۔ جس کو ۸-۹ سو برس کا عرصہ گذر چکا ہے) تو ایسے لوگ بھی آپ کو کم ملیں گے جو اس سیرت اور فضیلت والے انسانوں کے نہ ہونے پر افسوس ہی کریں۔"

آگے چل کر امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔ کہ اگر آنحضرت صلعم اپنے اس قول مبارک سے ہمیں یہ بشارت نہ دے گئے ہوتے کہ (حدیث) سیاتی علے الناس زمان' من تمسک فیہ بعشر ما انتم علیہ نجا یعنے آنحضرت کا کہنا ہے کہ "قریب ہے کہ آوے گا۔ لوگوں پر وہ زمانہ بھی کہ اگر اس میں کوئی شخص تمہارے

ہی عمل اور اعتقاد کے دسویں حصّے کو بھی اختیار کرے گا۔ تو وہ نجات پا جائیگا"
(ترمذی بروایت ابوہریرہ رضی) سبحان اللہ امام غزالیؒ باوجود اپنے اس
علو درجہ اور اس فضیلت علمی کے جو خدا نے آپ کو دی تھی۔ آپ خود بخود
اپنی شان میں کیسا عجیب سا فقرہ لکھ گئے ہیں۔ قربان جائیے ان پاکیزہ نفوس
النسانوں کے کہ وہ اپنے نفوس کو کس قدر حقیر جانتے تھے یہ حدیث بیان
کرنے کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ " ہمارے اعمال بد تو اس بات کے
مقتضی تھے۔ کہ ہم دریائے یاس و ناامیدی میں ڈوب جاتے" پھر آپ
لکھتے ہیں کہ " اب بھی دسواں حصّہ اصحاب رضی اللہ عنہم کے اعمال کا
کون کرتا ہے؟ کاش کہ اگر اصحابؓ کے اعمال کا بیسواں حصّہ ہی ہمسے
ادا ہو سکتا۔ تب بھی غنیمت تھا"

اللہ والے لوگوں کی ایسی باتیں پڑھ لینے کے بعد جب ہماری نظر اپنے
زمانے کے علماء کی تحریروں اور تقریروں پر پڑتی ہے تو زمین پاؤں تلے سے
نکل جاتی ہے۔ حیرت اور استعجاب مستولی ہو جاتا ہے کہ امام غزالیؒ جنکو
اپنے زمانے کے لوگوں نے " حجّت الاسلام" کا خطاب دیا تھا۔ خود کو
کس قدر خرد تنی۔ عاجزی اور تواضع کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کے
برعکس ہمارے زمانے کے وہ علماء جن کو امام غزالیؒ کی شاگردی کا منصب
بھی حاصل نہیں ہو سکتا وہ اپنے متعلق خود ثنائی اور تعریف کے کیسے کیسے
پُل باندھ رہے ہیں بطور مشتے نمونہ از خروارے ایک مثال درج ذیل کرتا ہوں۔

مصنّف رسالہ تحقیق النور فی تردید کشف النور

بلوچستان کے ایک مولوی صاحب
جو ابھی تک بفضلہ بقید حیات ہیں
اپنے ایک دوسرے مولوی صاحب

کے رسالہ موسومہ "کشف المنور" کی تردید میں ۵۲ صفحے کا ایک مختصر سا رسالہ لکھتے ہیں۔ اور اس میں اپنے فریق مخالف پر خوب دل کھول کھول کر کیچڑ اچھالتے کے بعد اس رسالہ کے سرورق پر جہاں مصنف کتاب کا نام لکھا جاتا ہے آپ اپنے نام کے ساتھ ذیل کے خطابات درج کرتے ہیں۔ ذرا ملاحظہ ہوں۔

"بحسب فرمائش عالم بے عدیل فاضل بے مثیل جناب ....
مولوی .... صاحب ذات .... متوطن کوئٹہ۔ بلوچستان
دام بقاءہٗ واقبالہٗ" (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)

الواعظون دجّالون

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ "جو امور کہ اس زمانے کے واعظوں نے ایجاد کئے ہیں وہ چکنے چپکنے کلمات بولتے ہیں، الفاظ میں شعر و شاعری کرتے ہیں۔ جس سے کہ نہ دین کی تنظیم متصور ہے۔ اور نہ مسلمانوں کا خشوع و خضوع مقصود بلکہ اُن کے وعظوں سے جرارت اور آرزو گناہوں کی حاصل ہوتی ہے۔ تو چاہیئے کہ ایسے واعظوں کو جلا وطن کر دیا جائے اس لئے کہ وہ لوگ نائب دجّال ہیں اور شیطان کے قائم مقام" میں حیران ہوں کہ اگر امامؒ کے زمانے کے واعظ نائب دجّال اور شیطان کے قائم مقام کہلانے کے مستحق تھے تو آج کل کے واعظوں کو خدا جانے کس نام سے پکارا جائے؟ کیونکہ شیطانیت اور دجل کے اندر تو انہوں نے ریکارڈ مات کر دیا ہے۔ بلکہ ہمارے زمانے کے بعض واعظوں نے تو خوبصورت لونڈے پال رکھے ہوتے ہیں۔ وہ انہیں اپنے ہمراہ لئے لئے گاؤں در گاؤں دہ بدہ گشت کرتے روپیہ بٹورتے رہتے ہیں۔ اور پھر یہ روپیہ جو غریب مسلمانوں سے اس طرح وصول کیا جاتا ہے وہ شراب خوری اور قمار بازی

میں اڑا دیا جاتا ہے۔ اگر عوام جاہل ہیں۔ تو کیا یہ حکومت کا کام نہیں کہ ایسے لٹیروں کو سختاً بند کر دیا جائے۔ میں حیران ہوں کہ یہ واعظ ہیں یا لٹیرے؟ یا جیب تراشس؟ کیا حکومت کو ان واعظین کے اندرونی حالات معلوم نہیں؟ اگر معلوم نہیں ہیں، تو حکومت کیوں ان کے خلاف جائزہ جوئی سے غفلت برت رہی ہے۔ افسوس صد افسوس کہ چند وراثت انبیائی کا دعویٰ کرنے والے واعظین اپنے وعظوں میں نمانہ وہ شیطانی کرتوت کر رہے ہیں کہ الامان الحفیظ۔ کوئٹہ میں زلزلہ آنے سے پہلے کا ذکر ہے ایک ماسٹر الٰہی بخش صاحب سکول ہذا میں ماسٹر ہوا کرتے تھے۔ قاضی نور محمد صاحب جو آج کل امی۔ ایسی نوشکی بلوچستان ہیں وہ ان دلوں کوئٹہ میں مقیم تھے۔ قاضی صاحب کے ماسٹر صاحب کے ساتھ بڑے گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ اسی طرح پر ان قاضی صاحب کے ساتھ ادائل سے میرے نیازمندانہ تعلقات رہے ہیں۔ اس طرح گویا قاضی صاحب، ماسٹر صاحب اور میں (مصنف) باہم ملتے جلتے رہتے تھے۔ ماسٹر صاحب موصوف کا گلہ بہت اچھا تھا۔ وہ قوالی خوب گا سکتے تھے اور عموماً کوئٹہ کے واعظین کے وعظوں میں شریک رہا کرتے تھے (میں نے ماسٹر صاحب اور قاضی صاحب کا نام صاف طور پر اس لئے لکھا ہے کہ اگر کسی کو میری تحریر پر شک ہو۔ تو وہ ان سے دریافت کر سکتے ہیں۔ (مصنف)

ان ماسٹر صاحب کے ذریعہ ہم پر یہ راز کھلا کہ واعظین کے مجمع میں جس قدر رقم وصول ہوتی تھی اس میں مندرجہ ذیل قسم کے لوگ حصہ دار ہوا کرتے تھے۔ مثلاً واعظ کا ایک حصہ ہوتا قوالی والوں کا ایک حصہ اور رونے رلانے والوں کا ایک حصہ ہوا کرتا تھا۔

ماسٹر صاحب نے بتایا کہ ان کا باہم ایک پروگرام ہوتا ہے۔ مثلاً پہلے قوالی

خوش الحانی کے ساتھ ماسٹر صاحب اور ان کے رفیق سنایا کرتے، اس کے بعد مولوی صاحب وعظ شروع کر دیتے۔ تیسرے حصہ دار یعنی رونے رلانے والے حضرات کے متعلق یہ فریضہ ہوتا تھا کہ وہ مجمع عام کے اندر ایک دوسرے سے دور دور لوگوں کے بیچ میں خلط ملط ہو کر بیٹھ جاتے تھے مولوی صاحب وعظ کرتے کرتے جب خود رونے کی سی صورت بنا لیتے اور اپنے رومال سے جو کہ بظاہر آنسو پونچھنے کے لئے رکھا ہوتا تھا اور جس میں سرخ مرچ کی آمیزش ہوتی تھی۔ مولوی صاحب جب لوگوں کو رلانا چاہتے تو وہ رومال اپنی آنکھوں پر پھیر دیا کرتے۔ مرچوں کی تیزی کے سبب آپ کے اشک مبارک لینے آنسو بہہ پڑتے۔ وہ رونے رلانے والا گروہ جوں ہی کہ مولوی صاحب کا اشارہ پاتا تو وہ فوراً صفوں کے اندر چیخ چیخ کر گڑگڑا کر رونے لگ جاتا۔ بد نصیب سادہ لوح مسلمانوں کو ان کے اس ناٹک نہ کرتوتوں کا تو کچھ علم نہیں تھا۔ جونہی وہ اپنے آس پاس والوں کو روتا پاتے تو وہ بھی بے ساختہ رونے لگ جاتے مسجد جب کہ یوں آہ و بکا اور سوز و گداز سے بھر جاتی۔ تو مولوی صاحب جن کا ہاتھ سامعین کی نبضوں پر ہوتا وہ عین اس وقت جب کہ لوگوں پر نرم دلی رحم وقت کا عالم طاری دیکھتے تو چادر پھیلانے والے گروہ کی طرف اشارہ فرما دیتے۔ لوگ آنسوؤں کی لڑیوں کے اندر غرق فوراً جیبوں میں ہاتھ ڈال کر جو روپیہ پیسہ ملتا فوراً خیرات کی چادر کے اندر پھینک دیتے اور یوں منٹوں کے اندر اندر ہزاروں روپیہ جمع ہو جاتا۔ جو کہ شام کو یہ حصہ داران باہم تقسیم کر لیا کرتے جائے انصاف ہے کہ جس قوم کے علماء اور نصیحت گروں کی باطنی حالت یہ ہو بھلا اس قسم کی قوم کس طرح دنیا میں سرفراز اور شادکام بن سکتی ہے؟

رسمی وعظ گوئی۔ تعویذ۔ گنڈہ۔ چوری گداگری یہ سب کام بیکاری اور کاہلی کی پیداوار ہیں۔

امام غزالیؒ احیا العلوم جلد سویم دنیا کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ "چونکہ اکثر پیشے اس طرح کے ہیں کہ سیکھنے اور محنت کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور وہ لوگ جو کہ بچپن میں اپنا وقت کھیل کود اور لہو لعب کے اندر ضائع کر دیتے ہیں۔ اور کوئی ہنر نہیں سیکھتے پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں اور خود کو بے ہنری کے سبب ذرائعہ حصول معاش کے قابل نہیں جانتے۔ تو چاہتے ہیں کہ دوسروں کی کمائی کھائیں۔ اس طرح سے دو نکمے پیشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک چوری اور دوسرے گداگری۔ ان ہر دو پیشوں کا حال یہی ہے۔ کہ دوسروں کی کمائی کھائیں۔ لیکن مالکان مال حتی الوسع اپنی کمائی اور مال متاع کو چوروں اور گداگروں سے بچانے اور محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے یہ دونوں گروہ لوگوں کا مال لینے اور حاصل کرنے کے لئے حیلے اور طریقے پیدا کرتے ہیں چور تو عموماً باہم ملکر جتھے بنا کر ڈاکہ زنی اور رہزنی کے ساتھ لوگوں کا مال چھین لیتے ہیں، بعضے کمزور قسم کے چور ڈاکہ زنی تو نہیں کر سکتے وہ لوگوں کے گھروں کے عقب میں نقب اور کمند لگا کر گھر والوں کی غفلت اور سونے کے اوقات کے اندر چوری چوری گھروں میں گھس جاتے ہیں اور عجیب عجیب طریقوں کے ساتھ لوگوں کی کمائی اور مال و متاع اڑا لے جاتے ہیں۔ چوروں کا ایک اور گروہ اٹھائی گیرا، اچکا اور جیب تراش بن کر لوگوں کے مال پر ہاتھ صاف کرتا ہے، گداگر بظاہر ڈاکہ زنی وغیرہ تو نہیں کرتے وہ لوگوں کے پاس جا کر بھیک مانگتے اور سوال کرتے ہیں۔ تو لوگ عموماً ان پر اعتراض کرتے ہیں،

کہتے ہیں۔ دیکھو تو کیسا ہٹا کٹا موٹا تازہ جوان ہو کر شرم نہیں آتی ہے در در بھیک مانگتا پھرتا ہے۔ ہر کس و ناکس کے سامنے دست سوال دراز کرتا پھرتا ہے۔ شرم اور حیا ہوتی تو اس گداگری کے بجائے غیرت اور ہمت کام میں لاکر کام کرتا خود کھاتا چند اوروں کو بھی کھلاتا۔ ایسے اعتراضات کر کے عموماً لوگ گداگروں کو جواب دیدیتے ہیں۔ گداگروں نے لوگوں کا یہ وطیرہ دیکھکر اپنی کمائی کے لئے نیا ڈھنگ اور اسلوب اختیار کر رکھا ہے۔ بعضے تو ایسے ہیں کہ آنکھوں پر جھوٹ موٹ سے ایک مضبوط پٹی باندھ لیتے ہیں۔ اور بہانہ بنالیتے ہیں۔ کہ وہ بینائی سے محروم اور معذور ہیں۔ بعضے فالج زدہ اور مجنون بنجاتے ہیں بعضے لوگ کچھ قول اور فعل ایسے ڈھونڈھ نکالتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر لوگ متعجب اور حیران ہوں، قہقہے لگائیں۔ اور اس طرح سے انہیں کچھ دیدیں۔ ایسے اقوال اور افعال کبھی تو مسخرگی کا پہلو لئے ہوئے ہوتے ہیں۔ مثلاً عجیب عجیب قصے کہانیاں بیان کرنا، شعبدہ بازی کرنا۔ اپنے افعال و اقوال اور حرکات ایسے بنانا کہ جن سے دیکھنے والے بے ساختہ خوش ہوں قہقہے لگائیں۔ اور کھل کھلا کر ہنس پڑیں۔ کبھی اشعار خوانی، غزل خوانی، مولود خوانی، نعت خوانی اور گا بجا کر لوگوں سے مال وصول کرنے کے عجیب ڈھنگ پیدا ہو گئے ہیں۔ امام غزالیؒ نے روپیہ اور مال اینٹھنے کے مختلف طریقوں میں سے ان مذہب کے نام پر مال جمع کرنے والوں کا بھی ذکر فرما کر لکھتے ہیں کہ "اشعار موزوں کی چونکہ دلوں میں تاثیر زیادہ ہوا کرتی ہے خصوصاً اس وقت جب کہ اس میں مذاہب مختلفہ کے تعصب اور دشمنی کی چاشنی بھی ملی ہوئی ہو خصوصاً اشعار مناقب صحابہ رضی اللہ عنہم یا اہل بیتؓ میں چونکہ اثر پذیری زیادہ ہوتی ہے۔ یہ حیلہ باز لوگ عموماً ان کا فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کام میں لالیتے ہیں بعضے عشق مجازی اور محبت باطل کے گانے

گا گا کر اپنی مطلب برآری کر لیتے ہیں۔

تعویذوں اور گنڈوں کا ڈھونگ

اسی سلسلہ میں آگے چل کر امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ "اس فرقے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں کہ جو جاہل مردوں اور عورتوں اور بچوں کو فریب دے کر تعویذ گنڈے کرتے ہیں یہ بیچارے جاہل اس کو کام کی چیز سمجھ کر دام دیدیتے ہیں۔ بعض بعض شعبدہ بازوں کا یہی طریق معاش بنا ہوا ہے۔ ان میں سے بعض فال۔ قرعہ۔ رمل وغیرہ کے ذریعے اجرت لے کر اپنا گذر اوقات کرتے ہیں۔"

واعظ بنکر لوگوں کا مال اینٹھنا

امام غزالیؒ۔ منبروں پر چڑھ کر وعظ اور نصیحت کرنے والوں کو بھی اسی زمرہ میں حساب کر کے (احیا العلوم جلد سوئم باب مذمت دنیا میں لکھتے ہیں) کہ "اسی جنس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں۔ کہ جو منبروں پر چڑھ کر وعظ کہا کرتے ہیں ایسے لوگوں کی غرض صرف اپنی طرف لوگوں کی توجہ کو منعطف کرنا ہوتا ہے اور اس طرح سے ان سے مال لینا مقصود ہوتا ہے۔ ایسے واعظین کا لوگوں کو کوئی فائدہ پہنچانا مطلوب نہیں ہوا کرتا۔"

گویا اکثر واعظین بقول امام غزالیؒ چوروں۔ اچکوں کی ذیل میں آتے ہیں۔ کیوں کہ ان کا مقصد وعظ گوئی قوم اور اسلام کی بہبود کے بجائے ذاتی زر اندوزی اور نام آوری ہوتا ہے۔ جیسا کہ ادھر ذکر ہوا۔

بے عمل واعظین کی مثال

امام غزالیؒ احیا العلوم کی جلد اول باب علم کے اندر لکھتے ہیں کہ "واعظین کو چاہیئے۔ کہ جب اپنے نفس کی اصلاح کر چکیں تو پھر دوسروں کی فکر کریں۔

مگر ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اپنے نفس کی اصلاح سے پیشتر دوسروں کی اصلاح اور درستی کی فکر میں لگ جائے۔ آگے چل کر آپ لکھتے ہیں۔ کہ جو شخص خود اپنی اصلاح نہ کرے۔ خود کو ہلاکت میں ڈالے۔ اور دوسروں کی اصلاح کی فکر میں لگ جاوے۔ تو وہ بے وقوف ہے۔ ایسے آدمی کی بالکل وہی مثال ہے جیسے کہ کسی آدمی کے کپڑوں میں سانپ یا بچھو چھپے پڑے ہوں اور وہ احمق ان موذی چیزوں کو اپنے کپڑوں سے نکال کر پھینکنے اور مارنے کا فکر تو چھوڑ دے۔ بلکہ ایک پنکھا ڈھونڈتا پھرے کہ وہ پنکھا ہلا کر دوسرے کے چہرے اور کپڑوں سے مکھیاں اڑا کر دور کر دے۔ تو ایسے آدمی سے بڑھ کر زیادہ احمق اور کون ہوگا؟ کہ اپنی جان کا غم تو نہ کرے اور دوسروں کے معمولی کاموں کو زیادہ اہمیت دے۔"

مشاہدہ اس بات کا عینی گواہ ہے کہ جب سے کہ مغرب کی اس خانہ خراب تہذیب نے ہمارے ملک میں اپنا منحوس پیر جمایا ہے اس وقت سے لیکچر بازی اور تقاریر ایک نمائشی قسم کی فن کاری اور ناٹک بازی بن گئی ہے جس طرح ناٹک کے منتظمین نمائش میں پبلک اور اپنے ناظرین کی ظرافت طبع اور خوشی کا خیال رکھتے ہیں۔ اپنے نمائش بین حضرات کو ہنسنے ہنسانے دل بہلانے مسرور رکھنے غم غلط کرنے۔ اپنی شہرت نام وری اور دکان داری کو چمکانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ آجکل کے اکثر نام اور لیکچرار (الا ماشاء اللہ) اسی رنگ ڈھنگ اور اسی قماش کے بن گئے ہیں۔ وہ اپنے زور تقریر سے اپنے اشعار خوانی سے، اپنے ہمراز اور اپنے شریک کار سامعین کے نعروں اور اللہ اکبر کے شور و شغب سے ساری مجلس کو گرمانے سب کے دلوں کو تسخیر کرنے کے سامان فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سامعین کی نبض

پر ایک تجربہ کار نباض کی طرح سے ہر وقت انکا ہاتھ رکھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ کبھی انہیں رلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کبھی ہنسانے کی۔ ابھی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے ہوتے ہیں اور ابھی ایک آن واحد میں سامعین ہیں کہ قہقہے لگا لگا کر بڑے زور زور سے ہنس رہے ہیں۔ آجکل ایک اچھا واعظ وہی گنا جاتا ہے۔ جو پبلک کی خواہشات اور خیالات کے ساتھ ساتھ چلے۔ ایک لیکچرار اور ایک مقرر کو آجکل نہ اپنے اصلاح اعمال کا فکر ہوتا ہے اور نہ یہ کہ عوام کو اس کی تقریر سے۔ کیا فائدہ ہو رہا ہے

واعظین کا اپنی کمزوریوں کوتاہیوں اور نقائص سے آنکھیں بند کر لینا اور دوسروں کو وعظ و تقریریں سُنانا، مجالس مولود منعقد کرنا۔ بالکل ایسی بات ہے جیسا کہ ایک آدمی کے گھر پر رات کو ڈاکہ ڈالا جانے والا ہو۔ اس کے گھر بار اور مال و متاع کے لوٹے جانے کا خطرہ درپیش ہو۔ اس کی بہو بیٹیوں کی عزت اور عصمت کے لُٹ جانے کا قوی امکان ہو۔ لیکن وہ باوجود اس علم آوری اور آگاہی کے گھر کو خالی چھوڑ کر چلا جائے۔ اور قرب و جوار کے لوگوں میں حفظان صحت کے قواعد سمجھانے اور مخرب صحت چیزوں مثلاً ملیریا کے جراثیم کے ہلاک کرنے کی فکر میں محو دکھائی دے، یا ایک مفلس آدمی جس کے اہل و عیال بھوک سے نڈھال ہوں اور معاش کی تنگی کے باعث خودکشی پر آمادہ ہوں۔ اور آپ ہوں کہ لوگوں کو تجارت کے فوائد پر لوگوں کو دھواں دھار تقاریر کا پروگرام مرتب کرکے باہر نکلنے کی تیاریوں میں مصروف ہوں۔ یا جس طرح سے کہ ایک طاعون اور ہیضے کا مہلک مریض اپنی جان کا فکر تو چھوڑ دے۔ اور دوسرے لوگوں کو تپ جا بخار سے بچنے اور عامہ صحت کے اصولوں کے سمجھانے کے لئے لیکچر بازی کا مشغلہ شروع کر دے اور ملک میں دورہ کرنے کی تیاریوں میں لگ جائے۔

یا ایک موتیابن کا مریض چشم جس کی بینائی تقریباً جاتی رہی ہو۔ وہ اپنی آنکھوں کا آپریشن کرانے کا فکر چھوڑ دے اور دوسرے لوگوں کو محض آشوبِ چشم کے نقائص بتلانے اور سرمہ سلیمانی کا مجرب نسخہ بنانے کا ارادہ کرکے ملک کا دورہ شروع کردے۔ تاکہ لوگوں کو آشوبِ چشم کا خطرہ اگر کبھی درپیش آئے تو وہ اس کا تجربی علاج کرسکیں۔

جس طرح کہ ایسا شخص ایک مجنون اور خاطر العقل اور بدنصیب سمجھا جائے گا بالکل اسی طرح کا حال ہے اس واعظ کا کہ جو اپنی ذاتی اصلاح اور درستی کا خیال تک نہ کرے۔ خود تو شراب پیتا پھرے۔ لیکن دوسروں کو شراب کے بُرے نتائج بیان کرکے منع کرے۔ خود تو غرق فواحش ہو لیکن دوسروں کو فواحش سے روکنے اور باز رہنے کے لئے جلسے کرتا رہے۔

ہمارے ایسے واعظین نے ملک اور ملت کو سخت نقصان پہنچایا ہے یہ لوگ بن بلائے گاؤں در گاؤں وہ بہ وہ مارے پھرتے ہیں۔ میں (مؤلف کتاب نے) اس قسم کے ایک مولوی صاحب سے ایک مرتبہ کوئی مسئلہ پوچھا۔ تو پیشتر اسکے کہ مجھے اس کا جواب دیتے۔ وہ الٹا مجھ سے پوچھنے لگ گئے۔ کہ آپ کے امام صاحب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں؟ آیا وہ دیوبند کے ہیں یا بریلی کے؟ میں نے کہا کہ ان ہر دو مقامات کے نہیں ہیں تو پھر دوسرا سوال کردیا کہ ان میں سے کس جماعت کے زیر اثر ہیں؟ وہ کس کی کتابیں زیادہ پڑھتے ہیں؟ میں اصلیت معلوم کرگیا۔ کہ آپ جواب سے پہلے ہمارے امام شہر اور جماعت کے خیالات اور عقائد کا پتہ لگانا چاہتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد اگر ہماری جماعت دیوبندی خیالات کی ہوگی۔ تو آپ بڑے دیوبندی مولوی بن کر اسی ڈھب کا فتویٰ دیں گے۔ اور اگر ہماری جماعت بریلوی خیالات کی نظر آگئی تو آپ بھی بریلوی (مولوی) بن کر ویسا ہی فتویٰ

جاری کر دیں گے۔

چونکہ میں ان کا مقصد سمجھ گیا تھا۔ اس لئے میں نے ہنسکر کہدیا کہ مولوی صاحب آپ شاید پہلے ہمارے عقائد معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے بعد اسی قسم کا فتویٰ صادر فرمانا چاہتے ہیں۔ بیچارے مولوی صاحب کھسیانے سے ہو گئے۔

اے خداوند عالم یہ کتنا بڑا ظلم اور کس قدر ناروا کام ہے۔ کہ ہمارے علماء کا وہ گروہ جو بظاہر عوام کی اصلاح کا درد اور درستی اخلاق کا مشن لیکر کو بکو کوچہ بکوچہ مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور عشق رسول اللہ کی محبت میں بظاہر غوطہ زن نظر آتے ہیں۔ ان کی اندرونی نیت اور ان کا مقصد علمی کس قدر خراب ہے۔ ایسا گروہ جس کا مقصد اس کے ماسوائے کچھ نہ ہو۔ کہ جس گاؤں میں جاویں پہلے وہاں کے لوگوں کے عقائد اور حالات معلوم کرلیویں۔ اگر وہ اہل حدیث ہیں تو مولوی صاحب بھی اہل حدیث بنجائیں۔ تقویت الایمان اور تنویر العینین کا وعظ شروع کر دیں۔ آمین اور رفع یدین کے بڑے پکے عامل بنجائیں۔ پھر دوسرے گاؤں کے لوگ اگر بریلوی خیالات رکھنے والے ہیں۔ تو آپ وہاں جاکر بڑے پکے بریلوی قسم کے مولوی صاحب بن کر۔ پیر پرستی۔ پیر کو سجدہ تعظیمی کے جواز پر گرج گرج کر وعظ گوئی شروع کر دیں۔

اگر دیوبندی جماعت کا گاؤں دور رہ گیا ہے اور ان کے گاؤں کا فاصلہ کافی دور ہے۔ تو پیروں اور ان کے مریدوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہ جھٹ دیوبندی کے خلاف کچھ وعظ بھی جھاڑ دیں گے۔ اور چند اشعار بھی جو ایسے موقع کے لئے رٹ لئے ہوں سُنا سُنا کر مجلس کو گرما دیں گے۔ اور اپنی جیب گرم کر کے راتوں رات آگے کو چل پڑیں گے کسقدر دکھ اور درد کا مقام ہے کہ ایسے واعظین نے اپنے مواعظ کے اندر کسقدر جھوٹ

منافقی - دغا بازی - لالچ - دورخی الغرض کئی اور اس قسم کی بے ہودہ حرکات کا ارتکاب کر دیا - یہ لوگ محض چند روپے کمانے کے لئے یہ ساری ناشائستہ حرکات دکھاتے پھرتے ہیں -

واعظین کیخلاف لکھنے سے میرا مقصد؟

مجھے معلوم ہے کہ ہر معقول آدمی اسکو پڑھکر بھی یہی سمجھیگا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے - میرا مقصد ایسے پیشہ ور واعظین کے خلاف آواز اٹھانا ہے . کہ جو غریب مسلمانوں کو واعظ بن کر - عالم اور صوفی ہو کر شب و روز لوٹ کا بازار گرم کئے ہوئے ہیں - ہر عقل سلیم رکھنے والا آدمی میری تحریر کے کسی مضمون سے کسی پیراگراف سے کسی لفظ سے بھی ہرگز یہ نہیں سمجھیگا - کہ میں تمام واعظین و نیز ان تمام مخصوص بزرگان حق کے بھی خلاف ہوں - جو لوگوں کی بہتری کے لئے - اصلاح و اخلاق کے لئے گھر بار چھوڑ کر وعظ و نصیحت کے کاموں میں منہمک ہیں - ماشاء اللہ -

بلکہ میرا مقصد تو یہ ہے کہ دوست اور دشمن میں لوگ تمیز کریں - واعظوں کے جامے میں جو بھیڑیے پھر رہے ہیں - اس کو شناخت کر کے پہچانیں - اور اُن سے بچنے کی کوشش کریں - تاکہ حزب اللہ اور حزب الشیاطین میں تمیز پیدا ہو - اللہ والے واعظین کی حوصلہ افزائی ہو - بلکہ اس شیطانی گروہ کی بدگوئی اس قدر زیادہ کی جائے - تاکہ عوام اور جاہل بیدار ہو جائیں - اور ایسے شیطانوں کے پھیلائے ہوئے دام شیطانی میں نہ پھنس جایا کریں -

---

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کا طریقِ وعظ گوئی

چونکہ ہم ادھر بُرے واعظین کے خلاف بہت کچھ لکھ آئے ہیں۔ اس لئے مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علمائے ربانی کا طریقِ وعظ گوئی ان کی خیراندیشی اور عوام کی بہبود کا بھی بطور مشتے نمونہ از خروارے تھوڑا سا ذکر کر دیا جائے۔ تاکہ وعظ گوئی کی قابل تقلید مثال سامنے آجائے۔ اور ان کی پیروی کرنے والے اس طریق کار کو اختیار کریں۔

تقریر کو مؤثر ہونے کیلئے ایسے درد کی ضرورت ہے جو اسمٰعیل شہیدؒ کے سینے میں

مؤجزن تھا۔ صاحب ذکر جلی ایک قسم کا قصہ مولوی محمد علی صاحب رامپوری کی زبانی تحریر کرتے ہیں کہ ایک روز مولوی اسمٰعیل صاحب مولوی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے مدرسہ کے دروازہ پر کھڑے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ بہت سی جوان اور خوبصورت عورتیں رتھوں اور بہلیوں میں سوار ہو کر بلا پردہ کہیں کو جارہی تھیں مولوی صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون عورتیں ہیں۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ سب کسبیاں فلانی کسی بڑی کسبی کے گھر کچھ تقریب ہے وہاں جارہی ہیں مولوی صاحبؒ نے دریافت کیا کہ کیا یہ مسلمان ہیں۔ اس شخص نے کہا ہاں مسلمان ہیں۔ تب مولانا نے فرمایا۔ تب ہماری بہنیں ہیں۔ کیا خداوند تعالیٰ ہم سے نہیں پوچھے گا۔ کہ اس قدر مسلمان عورتیں بدکاری اور زناکاری میں گرفتار تھیں۔ اور تم نے انہیں نصیحت نہیں کی۔ اس واسطے اب تو میں ان کے مکان پر جاکر ان کو نصیحت کروں گا۔ آپ کے رفیقوں نے کہا کہ آپ کے وہاں تشریف

لیجانے سے مخالفین بدنام کردیں گے کہ کنچڑواڑے میں بھی آپ جانے لگے آپ نے فرمایا کہ اسمٰعیل کو اس بات کی کوئی پروا نہیں، جب اللہ اور رسول کا حکم سُنانے لگا۔ تو ہر ایک کو سُنا دے گا۔ اس کے واسطے سب کلمہ گو مومنین کا حق برابر ہے۔ آپ نے اوّل اپنے دل سے کہا کہ اے دل اگر تیرے بدن کی بوٹیاں کاٹ کر چیلوں کو کھلائیں۔ یا تیرے جسم کو ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر کھنچائیں تو کیا اس وقت بھی اللہ ہی کی بات بولتا رہے گا۔ دل نے کہا "ہاں" جب تک میرے اندر سانس ہے خدا کی بات کہنے سے کسی عذاب اور عقوبت سے بھی باز نہ آؤں گا۔

جب شام ہوئی مولانا صاحب درویشوں کا سا بھیس بدل کر اس کسبی کے مکان پر پہونچے، جہاں سب بیبیاں جمع ہو کر کچھ گا بجا رہی تھیں۔ آپ نے وہاں جاکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور کہا کہ آؤ اللہ والیو! آؤ اللہ والیو!، اس وقت ان چھوکریوں نے دروازہ پر آکر پوچھا کہ کون ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ فقیر ہے۔ کچھ صدا سُنائے گا۔ اور تماشا دکھلائے گا۔ وہ سمجھیں کہ کوئی تماشا گر فقیر ہے۔ اور دروازہ کھول کر اندر بلالیا۔ آپ نے اندر جاکر بہت نرمی سے پوچھا۔ کہ بڑی بی صاحبہ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا کہ اوپر بالاخانہ میں مع اپنے مہمانوں کے جشن کر رہی ہیں۔ مولانا صاحب اوپر تشریف لے گئے اور دیکھا کہ بڑی بی صاحبہ بڑے تزک اور شان سے مع اپنے مہمانوں کے کرسیوں پر بیٹھی ہیں، چاروں طرف شمعدان روشن ہیں، چونکہ مولانا صاحب ایک نامی گرامی اور مشہور شخص ایک بڑے گھرانے کے صاحبزادے تھے، باوجود بھیس بدلنے کے بھی وہ آپ کو پہچان گئی۔ اور اپنی اپنی کرسیوں پر سے اُٹھ کر آپ کے سامنے مؤدب کھڑی ہو گئیں۔ اور پوچھا کہ حضرت آپ نے کیونکر تکلیف فرمائی، آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں میں کچھ صدا سُنانے آیا ہوں۔ تم

سب جمع ہوکر اپنی اپنی جگہ میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ چونکہ ان کی ہدایت کا وقت آگیا تھا۔ سب ایک جگہ جمع ہوکر بیٹھ گئیں۔ مولوی صاحب نے حمائل کھول کر ایسی خوش الحانی سے قرآن مجید پڑھا کہ اسی کو سُن کر لوٹ پوٹ ہوگئیں پھر آپ نے ان آیتوں کے معانی بیان کرکے ہر ایک چیز دنیاوی کی بے ثباتی کا اس طرح ذکر کیا کہ یہاں نہ حُسنِ جوانی کو قیام ہے، نہ مال و زندگانی کو، یہاں کی ہر چیز فانی اور زوال پذیر ہے۔ یہ بیان ایسی شرح و بسط اور فصاحت و بلاغت سے ہوا کہ ہر ایک نے رونا شروع کیا۔ اس کے بعد مولانا نے موت اور جان کندنی کی سختی اور اس وقت کی بےکسی اور وحشت اور اس عالم کی مفارقت کا افسوس، ایسے پُر درد طور سے بیان کیا کہ ساری عورتیں ہوش باختہ ہوگئیں۔ پھر اس کے بعد قبر کی تنہائی اور منکر و نکیر کا سوال اور وہاں کے عذاب کا بیان اس زور سے کیا کہ قیامت کے دن بدکاروں کے گروہ کے گروہ گرفتار کرکے حاضر کئے جاویں گے۔ اور جو کوئی اس فعل بدکاری کا سبب اور وسیلہ اور موجد و معاون ہوا ہے۔ وہی اس دن اس گروہ کا پیشرو ہوگا۔ جب بروز قیامت تم فرداً فرداً بجرم بدکاری گرفتار کرکے حاضر کئے جاؤ گے تو ہر زانیہ کے ساتھ سیکڑوں اور ہزاروں زانی اور بدکار بھی بُلائے جائیں گے۔ جن کی زناکاری اور بدکاری کا تم باعث اور وسیلہ ہوئیں۔ اور تمہارے ہی ناز و ادا نے انھیں اس آفت میں پھنسایا تھا۔ تو خیال کرو کہ اسی حالت سے جب کہ سیکڑوں اور ہزاروں زانی و بدکار تمہارے پیچھے ہوں گے، اللہ رب العزت کے سامنے تمہارا کیا حال ہوگا یہ بیان بھی ایسا گرم ہوا کہ سبھوں کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ تب آپ نے آپ توبہ سے ان خستہ حالوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنے کے لئے توبہ کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور کہا کہ توبہ سے سب گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ اس

بیان اور وعدۂ عفواور شرح غفاری اس غفور رحیم سے ان بے دلوں کو کچھ ہوش آیا۔ معًا اس کے آپ نے نکاح کی فضیلت بیان کرنی شروع کی اور آخر میں فرمایا۔ کہ جس کا دل جس سے چاہے نکاح کرلے۔ اور اپنے افعال ماضیہ سے تائب ہو جائے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے۔ گویا اس نے گناہ ہی نہیں کیا جب یہ وعظ ہو رہا تھا، اس کی شہرت تمام شہر میں ہو کر ہزاروں خلقت اس کے سُننے کو وہاں آکر جمع ہو گئی تھی، راستے بند ہو گئے تھے، آس پاس کے کوٹھے اور بالاخانے خلقت سے بھر گئے تھے۔ اس دلپذیر وعظ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جسقدر جوان عورتیں قابل نکاح اس مجمع میں موجود تھیں۔ سبھوں نے توبہ کرکے نکاح کرلیا۔ اور جو بوڑھی اور سن رسیدہ نائکہ وغیرہ تھیں انھوں نے محنت و مزدوری سے اپنی گزران کرنی شروع کی (۱)

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان مواعظ وغیرہ کا نتیجہ صرف مخالفت ہوا، ہزاروں بندگان خدا کو نفع بھی ہوا، ہزاروں جاہلیت سے نکلکر اسلام میں آئے شاہ صاحب کی تقریروں کی کامیابی اسی سے معلوم ہوتی ہے کہ دہلی میں اس سے ہنگامہ مچ گیا۔ اور آپ کی آواز جہاں نہ پہونچ سکتی تھی دشمنوں کے ذریعہ سے پہونچ گئی اور حجت تمام ہو گئی۔

آپ کی زبان میں ایسی تاثیر تھی کہ پتھر موم اور دشمن دوست اور منکر معتقد ہو جاتا تھا۔ اس کے لئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہو گا۔ جو حکیم خادم علی صاحب اورنگ آبادی اپنا چشم دید بیان کرتے ہیں، حکیم خادم علی صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ اور کچھ ساتھی، جن میں میں بھی تھا شکار کے لئے چلے، قطب صاحبؒ کی پرلی طرف میل بھر کے فاصلہ پر ایک گتائیں

---

(۱) سوانح احمدی وحیات طیبہ

رہتا تھا۔ جو مرتاز تھا۔ اور اس کے چیلے اس کے پاس رہتے تھے۔ اس کی کٹی کے اطراف مور بہت زیادہ تھے، ہندوؤں کے نزدیک مور بہت عظمت کی چیز ہے، مولانا نے بندوق سے مور کا شکار کیا۔ اس پر اس گشائیں کے چیلوں میں ایک شور مچگیا۔ اور گشائیں سمیت سب کے سب مولانا اور ان کے ہمراہیوں سے لڑنے کے لئے آئے، مولانا کے ہمراہی بھی مقابلہ کے لئے تیار ہو کر ادھر کو چلے۔ مولانا نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ خبردار جب تک میں اجازت نہ دوں تم کچھ نہ بولنا اور فرمایا کہ تم ذرا نرمی کرد۔ ہم انشاء اللہ مور اس کو کھلا کر چلیں گے، یہ کہہ کر مولانا مسکراتے ہوئے گشائیں کی طرف بڑھے، اور اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا گشائیں صاحب ذرا میری بات سن لیجئے، اس کے بعد جو آپ کے جی میں آئے کیجئے، ہم آپ کے پاس موجود ہیں، کہیں جاتے نہیں غرض اس قسم کی نرم گفتگو سے اس کو نرم کیا۔ اس کے بعد آپ نے مناسب طور سے اسلام کی دعوت دی، اور دونوں جانب سے دیر تک اس معاملہ میں گفتگو رہی، اس کے بعد وہ گشائیں اور اس کے اکثر ہمراہی مشرف با اسلام ہوئے، اور کچھ لوگ گوشائیں کو بھی اور مولانا کو بھی برا بھلا کہتے ہوئے رخصت ہوگئے۔ مولانا نے رات کو گوشائیں کے پاس آرام فرمایا۔ اور مور پکوا کر اس کو کھلایا۔ [1]

---

(۱) ارواح ثلٰثہ

دربار اللہ العالمین کا آخری حکم

بس۔بس۔بس۔

فرشتوں نے اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے حکم دیا "اب عدالت برخاست ہوتی ہے اور کارروائی ختم"

میں نے سجدہ ادب بجالاکر عرض کیا کہ حضور اقدس میں نے تو ابھی تک ملاازم کی نصف خرابیاں بھی بیان نہیں کی ہیں مثلاً ان کا عجب الکا تعصب ان کے جدل اور مناظرے۔ ان کی فتوا بازیاں بالخصوص علماء سو کی وہ فتوا بازی جس میں سید احمد شہید بریلوی رح اور شاہ اسمٰعیل شہید رح کی تحریک جہاد کے خلاف انگریز کے اشارے پر فتویٰ دے دے کر ان علمائے ربانی کی پاکیزہ تحریک اور احیائے اسلام کے زرین مشن کو ناکام بناڈالا گیا تھا۔ فرشتے نے جھڑک کر مجھے کہا۔ بس اب منہ بند کر یہ دربار عالی کوئی کج بحثی کی جگہ نہیں!

خداوند عالم کا آخری فیصلہ

سنو۔ اور یاد رکھو"۔ وکیل علماء سو کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے خداوند عالم نے کہا "وکیل تم اپنے ان بے وقوف اور نادان موکلوں سے جاکر کہدو۔ خبردار ہمیں تمہاری یہ ناروا فتوا بازیاں تمہارے جدل اور مناظرے تمہاری یہ ٹکر گدائی۔ تمہاری نمائشی قسم کی یہ

بے ہودہ وعظ گوئی تمہاری یہ کفرو کافری کی بری عادت۔ تمہارا یہ افتر
بین المسلمین کا طریقہ۔ تمہارا یہ شیعہ سنّی اہل حدیث۔ اہل قرآن کہہ کہہ
مسلمانوں کو باہم دگر لڑاتے رہنا اور اتحاد بین المسلمین کے شیراز
کو یوں تار تار کرنا مسلمانوں کی وحدت اور اخوت کے جذبات کو مجر
کر دینا۔ انہیں متفرق ٹکڑوں مختلف ٹولیوں میں منتشر کر دینا اور اس
سے ہمارے رسول مقبول صلعم کی اس محبوب اُمت کو باہم لڑا بھڑ
کمزور کر دینا۔ ہماری ذات پاک کو سخت ناپسند ہے۔ اے وکیل
سے جا کر کہہ دو کہ اپنی یہ حیلہ تراشیاں اور یہ فتوا فروشیاں ترک
اور میرے غضب سے ڈرو۔ ورنہ یقیناً تمہارا بھی وہی حشر ہو
جو کہ علمائے یہود کا ہوا۔

خداوند عالم نے بڑے غضبناک آواز میں کہا۔ وکیل (علماسوء)
ہیں شافعی۔ حنبلی۔ حنفی۔ مالکی گروہوں کے امام ان سے پوچھو۔ کیا انہو
نے اپنے پیروں سے کبھی یہ کہا تھا کہ ان کے بعد وہ علیٰحدہ علیحدہ
گروہ بندیاں کریں علیحدہ علیٰحدہ جماعتیں بنائیں۔ باہم جھگڑیں۔ جدال اور
مناظرے کریں اسی طرح سے وہ ہیں (حضرت) عمر فاروق رض اور یہ
شیر خدا (حضرت) علی کرم اللہ وجہہ ان سے بھی دریافت کرو کہ
انہوں نے کبھی بھی کسی سے یہ کہا تھا کہ وہ ان کے بعد گروہ بندی
دوسرے سے بغض اور تعصب اور طبرّہ بازی کریں اور میرے
رسول صلعم کے دوستوں اور جان نثار رفیقوں کو یوں برا بھلا
بھیریں اور امت محمدی کو باہم لڑا بھڑا کر پارہ پارہ کر دیں۔ رب العالمین
نے وکیل کو غضبناک لہجے میں فرمایا جاؤ اور ان سے پوچھو" وہ پو

"ضرور پوچھو" اللہ تبارک وتعالیٰ کو یوں غضبناک دیکھکر خلفائے راشدین امام اعظمؒ امام شافعیؒ وغیرہ حاضرین دربار سب خائف ہو کر سربسجود ہو گئے۔ اور ہر طرف سے العیاذ! العیاذ! پناہ بخدا! پناہ بخدا! کی آوازیں آنا شروع ہوئیں۔ وکیل (عاماسو) تو ڈر سے خوف زدہ ہو کر دربار سے بھاگ گیا اور کسی ایک طرف جاکر کہیں چھپ گیا۔ (ازاں بعد) خداوند عالم وعالمیان نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ دیکھو تمہارا حال صحیح ہے لیکن تمہارا قال ٹھیک نہیں

(مثنوی)

ما درون را بنگریم حال را — نے بیروں را بنگریم وقال را

جاؤ۔ جاؤ۔ پہلے اپنی اصلاح کرو اور پھر دوسروں کو سمجھاؤ"

(قرآن) لما تقولون ما لا تفعلون۔